جانور

اسد محمد خان

PDFBOOKSFREE.PK

1

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

میں لمحے بھر کے لیے پتھر کی ٹھنڈی دیوار کے سہارے کھڑا رہا۔ جی چاہتا تھا اس طمانیت میں ہلکا ہو کر کچھ دیر اور دیوار کے سہارے کھڑا رہوں۔ گلے میں کچھ اٹکتا محسوس ہو رہا تھا۔

مگر یہ وقت کمزوری دکھانے کا یا آرام کا وقت نہیں تھا۔

کوسومی' لڑکی مورنی کو اٹھائے ہوئے اس عارضی "فیلڈ اسپتال" میں نہیں گئی جہاں میرباز اور بیالا کی مرہم پٹی ہوئی تھی جہاں اس وقت بھی میرباز کو رکھا گیا تھا۔ کوسومی اسے اپنے کمرے کی طرف لیے جا رہی تھی۔

پیچھے پیچھے میں بھی کوریڈور میں نکل آیا۔ کوسومی لڑکی مورنی کو اپنے کمرے میں لے کر نہ گئی۔ وہ مراقبے اور ریاضت کے ہال کی طرف چلی اور دروازے پر ٹھہر گئی۔

میں نے دوڑ کر مراقبے کے بڑے کمرے کا سنگی پھاٹک کھولا۔ اندر ابھی تک وہ گدا پڑا تھا جو مورنی کہیں سے اٹھا لائی تھی۔ گدے پر اسی طرح سلیقے سے چادر بچھی ہوئی تھی جس طرح مورنی بچھا کر گئی تھی۔

کوسومی نے اسے آہستگی سے گدے پر لٹا دیا' مجھے وہاں بیٹھنے کا اشارہ کیا اور وہ خود تیزی سے بے آواز پھاٹک کھول کر ہال سے نکل گئی۔

میں ان دانش مندوں کو یاد کرتا ہوا کہ جنھوں نے خوب غور و فکر کر کے فقیروں' بھکشوؤں کی "توجہ اور دھیان" کے لیے یہ وسیع ہال یا کمرہ بنایا تھا' گدے کے برابر دوزانو بیٹھ گیا۔ وہ جگہ ہی ایسی تھی کہ بے اختیار دعا کرنے کو جی چاہتا تھا۔

میں نے بغیر کسی تیاری کے پشتو میں دعا کی کہ "پروردگار! یہ لڑکی سب کی بھلائی کے لیے اور خدمت کے ارادے سے نکلی تھی۔ یہ لڑکی میرا بھی بھلا چاہتی تھی۔ اس کو تو نے اگر ایک بار اور زندگی کا تحفہ دے دیا تو یہ خاص کرم مجھ عاجز پر بھی ہو گا۔ ہر چند کہ میں تیری عنایتوں کا اس لڑکی سے زیادہ حق دار تو نہیں ہوں پھر بھی تو اگر مجھے کچھ دیے جانے کے قابل سمجھتا ہے تو مورنی کی زندگی مجھے انعام کر۔"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

آہستگی سے پھاٹک کھلا اور دہار کا خادم مرد' بڑی عمر کی وہ عورت اور دو لڑکیاں کوسومی کے ساتھ مراقبے کے ہال میں داخل ہوئیں' ان کے ہاتھوں میں جراحی' مرہم پٹی کا سامان تھا۔

لڑکیوں نے قینچی لے کر مورنی کے بدن سے کپڑے کاٹ کر الگ کرنا شروع کر دیے۔ میں سر جھکائے ہال سے نکل آیا اور پھاٹک کے باہر سنگی فرش پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔

کوئی آدھے گھنٹے بعد کوسومی باہر آئی۔ میں نے سوالیہ انداز میں اسے دیکھا تو اس نے آہستگی سے ہاں' میں سر ہلایا۔ مورنی کی مرہم پٹی کی جا رہی تھی۔ کوسومی نے دھیرے سے کہا۔ "گولی بازو میں لگی تھی۔ زیادہ نقصان نہیں ہوا۔ دعا کرو بازو کام کا رہے۔ ویسے وہ ابھی ہوش میں نہیں آئی۔ وقت لگے گا مگر ٹھیک ہو جائے گی۔"

میں نے سر ہلا کر اس کی بات سے اتفاق کیا۔

کوسومی کا چہرہ گمبھیر تھا۔ آہستہ سے کہنے لگی۔ "مگر وہ جسے تم نے اور مورنی نے باہر بھیجا تھا ابھی تک باہر ہی ہے۔"

"اوہ!" میں اس نامعلوم رضاکار کے لیے جو سانپ کی کایا میں احاطے سے باہر تھا فکر مند ہو گیا۔

میں کوسومی سے آنکھ نہیں ملا پا رہا تھا۔ میں نے اور مورنی نے اس کی واضح ہدایت اور خواہش کی خلاف ورزی جو کی تھی ___ اب اس کی خیر خبر لینا' اسے واپس لانا میری ذمہ داری ہے۔ میں نے ایک بار کوسومی کی طرف دیکھا آہستہ سے کہا۔ "میں دیکھتا ہوں۔" اور باہر جانے کے لیے چل پڑا۔

کوسومی نے ذرا آواز بلند کر کے پوچھا۔ "کہاں دیکھو گے؟" مگر اس نے یہ بات میری پشت سے کہی تھی۔ میں چلتا رہا۔

"رکو! شیر علی۔"

میں نے رک کر سر گھمایا اسے دیکھے بغیر کہا۔ "کوسومی! اسے احاطے کی دیوار پار کرنی ہو گی۔ مجھے خبر ہے دیوار کہاں سے پار کی جائے گی۔ میں دیکھ لوں گا۔"

"مگر شیر! کیسے دیکھو گے۔ تم جانتے بھی نہیں وہ کون ہے؟"

میں نے اسی طرح مڑے بغیر کہا۔ "جانتا ہوں ___ وہ سانپ کی کایا میں ہے۔" اور میں نے تیزی سے گھوم کر موڑ پار کیا اور دوڑنا شروع کر دیا۔

"شیر! شیر علی!" کچھ دور تک کوسومی کی آواز آتی رہی۔

میں دہار کے چور دروازے سے نکل کر جھاڑی کی پناہ میں لمحے بھر رکا اور کایا بدل کر شیر بنا اور پھر میں کھلے میں نکل آیا۔ کوسومی کے پاس رک کر' اس بارے میں بات کر کے یا مشورہ لے کے میں اور شرمندہ ہونا نہیں چاہتا تھا۔ اب آم کے نیچے جا کر دیکھوں گا کہ احاطے سے باہر نکلنے کے لیے میں کیا کچھ کر سکتا ہوں۔

آم کے نیچے میرے بدلے میں مارے جانے والے لنگور بندر کی لاش اسی طرح پڑی تھی اور آم کے آس پاس اگی جھاڑیوں میں میرے یعنی شیر کے پہنچتے ہی کہیں سرسراہٹ سی ہوئی تھی۔

کیا وہی سانپ تو نہیں آ گیا؟ مگر نہیں لنگور کی لاش کا جائزہ لینے وہاں جنگل چوہے آنا شروع ہو گئے تھے۔

میں نے خاموشی سے آم کے درخت کا ایک چکر لگایا۔ حیرت ہوئی اوپر کی دونوں چوکیوں میں سناٹا تھا۔ شاید وہ شیر اور مورنی کے واقعے سے بیزار ہو کر یہاں سے ٹل گئے تھے ___ ہو سکتا ہے کھانا زہر مار کر رہے ہوں۔ دوپہر ڈھلنے لگی تھی۔

میں جھاڑی کی اوٹ میں گیا اور شیر سے انسان بن گیا۔

درخت کی سب سے بلند اور گھنی شاخ تک پہنچنا شیر علی کے لیے اب دوسری بار مشکل نہیں تھا۔ میرا خیال ہے دوربین والا فوجی اپنے ساتھی سے اتنی باتیں سن چکا ہے کہ وہ ابھی اور کچھ دیر دوربین لے کر نہیں بیٹھے گا مگر میں نے دیکھا دونوں چوکیاں خالی تھیں۔ یہ عجیب بات تھی۔

ابھی تو ایسا ہوا نہیں کہیں مغالطہ تو نہیں ہو رہا؟ یا ایسا تو نہیں کہ ایک دو گارڈ چھپ کر کہیں بیٹھے ہوں؟

میں نے کئی طرح سے بار بار دیکھ کر اطمینان کر لیا۔ اس حصے میں دور دور تک احاطے کی دیوار خالی تھی۔ دونوں چوکیوں میں گارڈ نہیں تھے۔ یہی موقع کچھ کرنے کا تھا۔ میں نے دیوار پر جھکی ہوئی مگر دور رہ جانے والی آم کی ایک شاخ پہلے ہی تاک رکھی تھی۔

شاخ پر چاروں ہاتھ پیروں سے چلتا ہوا اپنا بدن سادھے میں احاطے کی دہری دیوار سے پانچ فٹ دور لٹکتی اس شاخ سے چمٹا ایک دم معلق جیسے جھولا جھول رہا تھا۔ یہ بہت خطرناک لمحہ تھا۔ میں نے سوچا۔ اگر کہیں سے کوئی دیکھ رہا ہو تو اس وقت میں اس کی زد پر ہوں۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

میں نے دل ہی دل میں الاللہ' کہہ کر چھلانگ لگا دی اور سلامتی کے ساتھ دہری دیوار پر پہنچ گیا۔ اب فوراً ہی دبک جانا اور اپنے حواس اکٹھے کرنا ضروری تھا۔

کہیں سے کوئی آواز' کوئی پکار نہیں آئی۔ میں محفوظ تھا۔ سامنے ایک چوکی اور باہر کی طرف کھجور کا وہ درخت تھا جسے مورنی نے سانپ کے چڑھنے اترنے کا رستہ بنایا تھا باہر دیوار کے نیچے کھجور کے درخت کے ساتھ بالکل ملا ہوا فوجی ٹینٹ لگا تھا اور ایک ٹرک کھڑا تھا۔ ٹرک میں ڈرائیور کے سوا کوئی نہیں تھا۔

ٹرک ڈرائیور اسٹیئرنگ پر جھکا ہوا ایک سوئی سے اپنے سامنے ٹینٹ میں کچھ دیکھے جا رہا تھا۔ اس کا انہماک اتنا مکمل تھا کہ میں نے دیوار سے سر ابھار کر ٹرک کی طرف ایک کنکری پھینکی اور دبک گیا پھر جو سر اٹھا کر دیکھا تب بھی وہ اسی طرح شیشے کے پار سامنے خیمے میں دیکھے جا رہا تھا۔ یقیناً اس نے اپنے ٹرک میں کچھ بھی گرنے کی آواز نہیں سنی تھی۔

وہ خیمے میں کوئی بہت دلچسپ منظر دیکھ رہا ہو گا۔ اس نے ایک بار خود اپنی ران پر ہاتھ مار کر خاموش قہقہہ لگاتے ہوئے منہ کھول دیا تھا۔

ڈرائیور اگر اسی طرح کچھ دیر ٹینٹ کی طرف متوجہ رہا تو میں بڑی آسانی سے کھجور کے تنے کو اوٹ اور سیڑھی بناتے ہوئے دہری دیوار کے باہر اتر جاؤں گا لیکن میں نہتا تھا۔

مگر ہاں چوکی! مجھے اس خالی چوکی میں دیکھ لینا چاہیے۔ شاید کوئی کام کی چیز مل جائے۔

میں آہستگی سے پیچھے ہٹ کر دیوار پر بنی گارڈز کی چوکی میں آیا۔ کوئی فوجی اپنے فائر آرمز چھوڑ کر کہیں نہیں جاتا مگر ممکن ہے چوکی میں کوئی لاٹھی' بید' چاقو ___ کوئی بھاری بکل والی بیلٹ ہی پڑی مل جائے تو میرا کام نکل جائے گا میں نہتا نہیں رہوں گا۔

میرے ستارے اس وقت عروج پر ہوں گے۔ سامنے کھونٹی پر ایک کھکھری ٹنگی ہوئی تھی۔ یہ اردو کے حرف واؤ سے ملتا جلتا نیپالی خنجر ہوتا ہے۔ بڑی ظالم چیز ہے۔ یہ حربہ اگر صحیح طرح استعمال کیا جائے تو ایک وار میں بھینسے کے پٹھے کی ہڈی تک ایسے اڑا سکتا ہے جیسے چاقو سے صابن کی ٹکیہ کاٹ دی جائے۔

چمڑے کے چوڑے نیام میں پڑی ریزر کی طرح تیز کھکھری میں نے اپنے ڈب میں لگائی اور ٹرک کو اوٹ میں رکھتے ہوئے کھجور سے اترنا شروع کیا۔ اس رخ سے دیکھتے

ہوئے مجھے لگا جیسے خیمے میں بہت سے آدمی ہیں۔ مجھے ان سے بچ کر اور ٹرک ڈرائیور سے بچ کر باہر کے جنگل میں گم ہو جانا ہو گا پھر وہیں چھپے رہ کر اس سانپ کا' وہار کے اس رضاکار کا کھوج اٹھانا ہو گا۔

مگر پہلا کام پہلے۔ میں کھجور کے پیڑ سے اتر کر خیمے کے پیچھے سے بے آواز نکلنا چاہتا تھا کہ ٹینٹ میں ایک ہیجان سا پیدا ہوا۔ کسی کی گھٹی ہوئی چیخ ___ پوری نہیں آدھی چیخ سنائی دی۔ خیمے کا کپڑا ایک جگہ سے یوں اٹھا پھر ٹھیک ہو گیا جیسے کوئی اس سے ٹکرایا ہو۔ کسی کے دبی زبان میں گالی دینے کی آواز سنائی دی اور ایک تھپڑ' زبردست طمانچہ مارا گیا۔

پھر ایک آواز نے ___ عورت کی آواز نے بددعا دی۔ "تیری نسل رک جائے۔"

مجھے لگا یہ بات' بددعا میں پہلے سن چکا ہوں۔

اور ہاں! یہ تو کوسومی کے قبیلے کی عورتوں کا کوسنا تھا۔

کوسومی کے اپنے قبیلے کی کوئی عورت اس خیمے میں ہے۔ اس پر تشدد ہوا ہے۔

اس ٹینٹ میں یقیناً وہار کی کوئی لڑکی ہے۔ بہت سے مردوں کا اس طرح چپ چپاتے لڑکی یا عورت کے ساتھ ٹینٹ میں موجود ہونا' پھر ڈرائیور کا انہماک ___؟ یہ بہت کھلا اشارہ ہے۔

میں نے گردن بڑھا کر ٹرک کی طرف دیکھا۔ ڈرائیور نے اس وقت اپنے ہاتھ سے ایک رکیک اشارہ کیا تھا جیسے وہ خیمے میں موجود کسی دوسرے کو کسی فحش بات پر اکسا رہا ہو۔

خیمے سے عورت کی تکلیف کی گھٹی ہوئی سی چیخ سنائی دی۔ یہ جو بھی ہو رہا ہے یقیناً کسی کمزور کے خلاف زور آوروں کی کاروائی ہے اور کسی شک شبے کے بغیر ایک بے بس عورت کو گھیر لیا گیا ہے۔ اب میں رک نہیں سکتا۔

میں نے ڈب میں ہاتھ پہنچا کر نیام کی ہوئی کھکھری کھینچ لی۔ نیام سے باہر اس کا پھل آسمانی بجلی کی طرح ایک بار لشک گیا۔ ہتھیار کا یہ بٹر ہاوا میرے لیے ایک نشے کی طرح تھا۔ میں کھکھری تول کر جھپٹنے کو ہوا تھا کہ لگا کسی نے میرا شانہ چھوا ہے۔

میں تڑپ کر گھوم گیا۔ کھکھری والا ہاتھ میرے سر سے بلند ہو چکا تھا مگر میں نے ہاتھ وہیں روک لیا۔ جینز' ٹی شرٹ اور جیکٹ پہنے ایک ہاتھ میں تیار کیمرا اٹھائے

میرے پیچھے ایک گوری میم کھڑی تھی۔

اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر مجھے خاموشی کا اشارہ کیا پھر گونگوں کی طرح میرا ہتھیار والا ہاتھ دکھا کر مٹھی بند کی یعنی ہتھیار ابھی روکو' پھر اس نے اپنے کیمرے کی طرف اشارہ کیا اور خود کو بتا کر میرے ہتھیار کی طرف اپنا کیمرا جھکا دیا۔ یعنی کہہ رہی تھی کہ کیمرا اس کا ہتھیار ہے پھر اس نے انگلیوں کے اشارے سے بتایا کہ اس کا نمبر پہلا ہے۔ وہ چاہتی تھی میں ابھی رکوں اسے پہلے کیمرا استعمال کرنے دوں۔ خیمے میں جو ہو رہا ہے وہ اسے کیمرے میں ریکارڈ کرنا چاہتی تھی۔

تجویز معقول تھی۔ میں نے اشارہ دیا' ٹھیک ہے۔

وہ حملہ آور چیتے کی طرح بے آواز چلی۔ میں کھکھری تولے اس کے ساتھ ساتھ تھا۔

میں گوری چمڑے والوں سے مرعوب نہیں ہوں مگر جو کام اس قدر سلیقے سے' جان کی پروا کیے بغیر میری ان آنکھوں کے سامنے کیا گیا ہو اسے میں کیسے اور کیوں جھٹلاؤں۔ وہ کیسی دلیر اور باصلاحیت عورت تھی۔

کیمرے والی میم خیمے کے پیچھے سے نکلی اور بالکل سامنے آئی پھر خیمے میں جو کچھ ہو رہا تھا ایک' دو اور تین اس نے فلیش لائٹ چلاتے ہوئے اپنے اعلیٰ کیمرے سے پے در پے اس کی تین تصویریں اتار لیں پھر وہ میری طرف گھومی اس نے ایک لفظ کہا۔

"ڈرائیور!"

میں سامنے کے شرم ناک منظر سے نظریں ہٹا کر ٹرک کی طرف گھوم گیا۔

کیمرے والی نے بالکل آخر وقت میں مجھے خبردار کیا تھا وہ نہ معلوم کس پل میں دیکھ چکی تھی کہ ٹرک ڈرائیور نے ایک بھاری جرمن لیوگر پستول نکالا تھا اور وہ گوری میم کو نشانہ بنا چکا تھا مگر میم چوکنی تھی۔

جرمن لیوگر کے فائر سے غیر ملکی عورت یا اس کا کیمرا متاثر نہ ہوا۔ البتہ خیمے میں کوئی بھینسے کی طرح ڈکرایا اور الٹ گیا۔ زمین پر گھٹنا ٹکا کر بیٹھی ہوئی کیمرے والی نے دھواں چھوڑتے پستول اور خیمے میں الٹتے ہوئے فوجی کو اپنی کھینچی ہوئی ایک اور تصویر میں محفوظ کر لیا تھا مگر یہ مجھے بعد میں پتا چلا۔ غور کرنے کا وقت نہیں تھا کیونکہ میں مسلح ٹرک ڈرائیور کو غیر مسلح کرنے کی کارروائی کر رہا تھا۔

میں جھپٹ کر ٹرک پر چڑھا تھا اور میں نے کھکھری کے ایک ہی وار سے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ڈرائیور کا بازو پستول سمیت کاٹ کر گرا دیا تھا۔

اس کا لیوگر پستول اٹھاتے ہوئے اب میں خیمے کی طرف پلٹا۔ خیمے میں پانچ فوجی تھے اور پانچوں اس پوزیشن میں نہیں تھے کہ فوری طور پر اپنا دفاع کر سکتے۔ ان کے بدن پر تو پورے کپڑے بھی نہیں تھے۔ ان کے ہتھیار خیمے کی ایک چارپائی پر ڈھیر تھے دوسری چارپائی پر ایک بے بس' بے لباس عورت تھی جسے وہ سب مل کر اپنی شیطانی خواہش کا نشانہ بنا رہے ہوں گے۔ عورت اس وقت منہ ڈھکے جیسے سکتے میں پڑی تھی۔

اس وقت وہ پانچوں فوجی گھبرائے ہوئے تھے۔ ان کا ایک ساتھی ٹرک ڈرائیور کی چلائی ہوئی گولی سے ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ اس کی مکمل برہنہ لاش خیمے کے کچے فرش پر پڑی تھی۔

پانچ فوجیوں میں سے ایک ہمت کر کے دوسری چارپائی کی طرف بڑھا یقیناً ہتھیار اٹھانے کو۔ میں نے پستول لہراتے ہوئے جست کی اور اس کے بعد چارپائی کے درمیان حملے کی پوزیشن بنا کر کھڑا ہو گیا' آدھا ننگا فوجی واپس اپنے ساتھیوں کے ہجوم میں جا ملا۔ ہجوم کی نگرانی میم کے سپرد کر کے میں ہتھیاروں والی چارپائی گھسیٹ کر خیمے سے باہر لایا اور اپنے مطلب کی دو رائفلیں پسند کر کے ان کا میگزین سنبھال کر ہتھیار اور میگزین میں نے پوری طاقت سے وہار کے احاطے میں اچھال دیے۔ اس دوران میں بھی کیمرے والی نے خیمے والوں کی بہت سی تصویریں بنا لیں۔

پانچوں نے اب اپنے منہ چھپانے کی کوشش کی تھی۔ لڑکی جو پہلے منہ ڈھکے تھی کیمرے کے فلیش کے سامنے آنکھیں جھپکتی اٹھی اور اب اس نے دہشت کی چیخیں مارنی شروع کر دیں۔

مگر یہ چہرہ' یہ چہرہ دیکھا ہوا ہے۔ یہ کون عورت ہے؟ او خدا' یہ تو وہ لڑکی ہے رشنا۔ یہ مورنی کی ہونے والی بھاوج رشنا ہے۔ وہ لڑکی جس سے ابھی ابھی وہار میں میری جان پہچان ہوئی تھی۔ یہ یہاں کیسے آئی؟

"رشنا___؟ تو یہاں کیسے آئی؟" میں بے اختیارانہ اس کی طرف بڑھا۔

کیمرے والی نے اپنی جیکٹ اتار کر اس کا اوپری بدن ڈھک دیا تھا۔ رشنا نے خود کو پلنگ کی چادر میں لپیٹنے کی کوشش کی۔ اس کا چیخنا بند ہو گیا تھا۔ روتے ہوئے اس نے میرا نام لیا "شیر علی___ شیر" اور پلنگ پر دہری ہو کر ہچکیوں سے پھر رونا شروع کر دیا۔

میں نے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کیمرے والی عورت میرے پاس آئی اس نے انگریزی میں پوچھا کہ کیا میں یہ زبان جانتا ہوں؟ میرے ہاں کہنے پر اس نے کہا۔ "ہم آدھے گھنٹے میں یہاں سے ہٹ نہ گئے تو تمہاری میری سب محنت اکارت جائے گی۔ بھاگو۔ بس لڑکی کو ساتھ لو اور بھاگ کھڑے ہو۔"

میرے ذہن میں منصوبہ تیار ہو چکا تھا۔

وہ اپنا کیمرا سنبھال کر کیس میں رکھ چکی تھی۔ میں نے ایک رائفل تیار کر کے ان بدمعاشوں کی طرف سیدھی کی ہوئی تھی۔ میم نے رشنا کو چادر اور جیکٹ میں جیسے تیسے لپیٹا اور اس کے شانوں کو اپنے بازو کے گھیرے میں لیے وہ درختوں بھرے جنگل میں داخل ہو گئی۔ میں نے پکار کر اس سے کہا۔ "تم چلی جاؤ میں ان بدمعاشوں کو ابھی روکے کھڑا ہوں۔"

جاتے جاتے اس نے کہا۔ "تم ہمیں بوڑھے سادھو کے پاس تلاش کرنا۔" یہ بات ظاہر ہے اس نے انگریزی میں کہی تھی اور "بوڑھے سادھو" جو کہا تھا وہ میں آسانی سے سمجھ گیا تھا۔ بڑی سڑک کے کنارے جنگل سے ملا ہوا برگد کا بہت بڑا جٹادار درخت تھا جسے وہار والے اس نام سے پہچانتے تھے۔ فوجی سپاہیوں میں اگر کوئی انگریزی سمجھنے والا بھی ہو گا تو بوڑھے سادھو کا حوالہ اس کے پلے نہیں پڑا ہو گا۔

میں نے احتیاطاً گرلز ہاسٹل اور وہار کی عمارتوں پر اور احاطے کی دہری دیوار پر نظر دوڑائی۔ کہیں کوئی نہیں تھا۔ مجھے انتظار کرنا تھا۔

میرا اندازہ تھا کہ جٹاؤں والے اس پرانے برگد تک پہنچنے میں وہ دونوں پانچ منٹ لیں گی اور میں دوڑتا ہوا چلا تو دو ڈھائی منٹ میں پہنچ سکتا ہوں۔

میں تین منٹ تک ان پانچوں حرام خوروں کو اور ٹرک میں بے ہوش پڑے ڈرائیور کو اپنی رائفل کی زد پر لیے رہا اور پھر میں نے دور برگد کی مخالف سمت سے آتی کار کے انجن کی آواز سنی۔ یہ فوج کی پٹرولنگ کرنے والی جیپ ہو سکتی تھی۔

اپنی رائفل کی نال سے میں نے انہیں آخری بار دھمکایا اور گھنے جنگل میں دوڑتا ہوا داخل ہو گیا۔

میں نے سوچا دو رائفلیں' ایک پستول اور پھر نیپالی کھکھری بھی ___ اتنا بوجھ کس لیے؟ میں نے بھاگتے میں کھکھری اور نیام جنگل میں پھینک دی۔ یہ فائر آرمز میرے اور اگر ضرورت پڑی تو باقی دو عورتوں کے بھی کام آ سکتے تھے۔

بھاگتے ہوئے میں اس خیمے سے اور وہار کی چہار دیواری سے دور ہوتا چلا جا رہا تھا اور پٹرولنگ کرنے والی جیپ سے بھی دور ہو رہا تھا۔

بے شک میں دور ہو رہا تھا مگر اتنا دور بھی نہیں تھا۔ کسی نے مجھے ڈرانے کو کسی چوکی سے فائر کیا یہ فائر کرنے والا دیوار پر سے مجھے دیکھ رہا ہو گا۔ اس نے شاید مجھے رک جانے کا حکم بھی دیا تھا۔ اب میں جٹا دار برگد سے زیادہ دور نہیں تھا۔ اگر فائر کرنے والے کے پاس دوربین لگی رائفل ہے تو اگلی دفعہ وہ مجھے آرام سے مار گرائے گا۔ اگر معمولی گن یا رائفل ہے تو پھر مشکل ہے۔

ایک اور فائر ہوا اور گولی میرے کندھے پر ٹنگی ہوئی ایک رائفل کے بٹ پر لگی۔ گولی کے دھکے سے میں بھاگتے ہوئے بے توازن ہو گیا اور منہ کے بل جا گرا مگر پھر اٹھا۔ خود کو اور اپنے بوجھ کو سنبھالتے ہوئے چار قدم دوڑا ہوں گا کہ پھر فائر ہوا گولی اس بار درخت میں پیوست ہو گئی۔ میں نے خود یہ آواز سنی اور لرز کر رہ گیا۔ یہ میں دوسری بار اس نشانچی کی گولی سے بچا ہوں۔ گولی سمجھو میرے سر سے دو انچ کے فاصلے سے گزری تھی۔ میں خوف سے لڑکھڑا گیا۔ اسی وقت درخت کے پیچھے سے کسی نے ہاتھ بڑھا کر طاقت سے مجھے کھینچ لیا۔ میں اب درخت کی اوٹ میں آ گیا تھا۔

یہ کیمرے والی میم تھی۔ ہم "بوڑھے سادھو" یعنی اس جٹا دھاری برگد کے نیچے موجود تھے۔ درخت کے نیچے گوری میم کی پرانی فوکس ویگن کھڑی تھی اور فوکس ویگن کی پچھلی سیٹ پر چادر میں لپٹی رشنا بیٹھی تھی۔

گوری میم نے وہ رائفل دیکھی جس کے بٹ پر گولی لگی تھی۔ رائفل کا کافی نقصان ہو گیا تھا۔ اس نے وہ میرے شانے سے کھینچ کر زمین پر ڈال دی۔ مجھ سے بولی۔ "بس بیٹھ جاؤ۔ دیر مت کرو۔ ہمارے پیچھے ان کی جیپ چلی آ رہی ہے۔"

میں نے ٹھیک اندازہ لگایا تھا۔ وہ گشت کرنے والی جیپ تھی۔

میں اور میم اس کی پرانی گاڑی میں بیٹھ گئے اور برگد کے نیچے سے دیوانہ وار گاڑی بھگاتی ہوئی وہ بڑی سڑک پر آ گئی۔

اس وقت تک گشت کرنے والی جیپ نے دیکھ لیا تھا کہ انہوں نے فائرنگ کی جو آواز سنی تھی تو وہ کیا قصہ ہو گا۔ انہوں نے سوچ لیا کہ بڑی سڑک پر تیر کی طرح اڑی جاتی اس پرانی فوکس ویگن کو وہ نکلنے نہیں دیں گے۔

اس غیر ملکی عورت کی گاڑی دیکھنے میں بدحال اور پرانی تھی مگر اس کا انجن اور

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ٹائروں کی حالت ایسی تھی کہ سرکاری جیپوں کو آسانی سے پیچھے چھوڑ سکتی تھی اور اس نے پیچھے چھوڑ بھی دیا مگر جیپ سے ایک فائر کیا گیا۔ یہ شاید وارننگ دی گئی تھی۔

گوری میم بڑبڑائی۔ "اگر دو کلو میٹر ____ بس ہم دو کلو میٹر تک اور ہٹ نہ ہوں تو پھر ان کی پہنچ سے دور ہو جائیں گے۔"

وہ عجیب بات کہہ رہی تھی۔ دو کلو میٹر بعد یہ تو ہو گا نہیں کہ ہم اس ملک کی سرحد سے باہر ہو جائیں گے۔ دو کلو میٹر بعد بھی ہم رہیں گے تو اسی برما میں۔ یعنی برمی فوج کے دائرہ اثر میں ان کی گرفت میں۔ مگر مجھے کچھ کرنا ہو گا۔ اگر دو کلو میٹر ہی کی بات ہے تو کچھ ضرور کرنا ہو گا۔

میں نے رائفل فائر کے لیے تیار کی اور میم سے کہا۔ "گاڑی ترچھی کر کے مجھے فائر پوزیشن لینے دو۔ میں ان کا ٹائر اڑانا چاہتا ہوں۔"

وہ بولی۔ "او کے، مگر صرف ٹائر! کسی آدمی کو ہٹ مت کرنا ورنہ ہم پھنس جائیں گے۔"

"فکر مت کرو۔"

اس نے کہا۔ "تیار!" اور ایک لمحے کا انتظار کر کے اس نے گاڑی کو بریک دینے کے ساتھ ہی سڑک پر بائیں طرف گھما دیا۔ کچھ دور ہمارا پیچھا کرتی آنے والی ان کی جیپ میرے نشانے پر تھی۔ میں نے دل ہی دل میں دعا کرتے ہوئے چلتی گاڑی سے اپنی طرف دوڑتی آتی جیپ پر ایک اور پھر دوسرا اور تیسرا فائر کیا۔ پہلے دونوں پنگ کی آواز کرتے جیپ کی فولادی باڈی سے ٹکراتے کہیں سے کہیں چلے گئے میرا تیسرا فائر اگلے ایک ٹائر پر لگا۔ اس زبردست آواز سے ٹائر پھٹا کہ لگا جیسے میں نے جیپ پر بم مارا ہے۔ ان خبیثوں کی جیپ چوڑی سڑک پر پوری گھوم کر بہت آواز کرتی آخر کار رک گئی۔

اس مشاق لیڈی ڈرائیور نے فائر پورے ہوتے ہی گاڑی کو پھر سڑک پر سیدھا کر لیا اور بے پرواہ نوجوان کی طرح ٹھٹھا مارتے ہوئے اپنی پرانی مگر مضبوط فوکس ویگن کو خالی سڑک پر تیز کر دیا۔

میں نے مڑ کر شیشے کے پار دیکھا سرکاری جیپ بیچ سڑک پر الٹی طرف منہ کیے کھڑی تھی اور اس سے کود کود کے خاکی وردی والے اتر رہے تھے۔

اگلے ہی لمحے ان میں سے دو نے سڑک پر گھٹنے ٹیک کر نہایت جان باز ماہر ماؤنڈوز کی طرح پوزیشن لے لی اور اب ہماری اس زگ زیگ لہراتی جاتی فوکس ویگن پر

فائرنگ شروع کر دی۔ بدمعاش کہیں کے۔

ہم اگلے ڈیڑھ منٹ میں ایک لمبے راستے سے مائنگ یان کالج کمپلیکس کے صدر دروازے پر آن رکے۔ یہاں فوجیوں، اخبار نویسوں، تماشا دیکھنے والے برمی باشندوں اور بہت سی گاڑیوں، ٹرکوں کا جمگھٹا لگا تھا۔ میں نے میم سے پوچھا۔ "یہاں؟ کیوں؟"

بولی۔ "یہ سامنے وائس آف جرمنی کی نیوز یونٹ کا ٹریلر کھڑا ہے۔"

"تو اس سے کیا ہو گا؟"

وہ ہنسی۔ "تم خاموشی سے رائفل اور پسٹل گاڑی میں چھوڑ کر سب کو اپنے خالی ہاتھ دکھاتے ہوئے میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔ ہم نیوز والے ٹریلر میں جا رہے ہیں۔"

جیسا اس نے کہا تھا۔ میں نے سوچ لیا کہ ویسا ہی کروں گا۔ میں فوکس ویگن سے اترنے کو تیار ہو گیا۔

مگر مجھے اتارنے سے پہلے میم نے جرمن زبان میں پکار کر ان ٹی وی کیمرے والوں سے کچھ کہا تھا۔ جو نیوز ٹریلر کے پاس مستعد کھڑے تھے۔ وائس آف جرمنی کے دو کیمرے پورے ساؤنڈ سسٹم کے ساتھ میری طرف متوجہ ہو گئے۔ اس وقت تک تماشا دیکھنے والا ہجوم اور فوج کے گارڈز وغیرہ بھی دیکھنے لگے تھے۔

ان وقت تک ہم آدھی بیرک، جتنے لمبے ایلومینیم کے ٹریلر اور اسے ٹھنڈا رکھنے اور پانی بجلی فراہم کرنے والی مددگار گاڑیوں کی طرف بڑھ رہے تھے۔

گوری میم نے کیمرے میں دیکھتے ہوئے چیخ کر انگریزی میں کہا۔ "یہ وہ نوجوان آدمی ہے جس نے جان پر کھیل کر مائنگ یان کالج ہاسٹل کی ایک طالبہ کو جنسی جنونی فوجیوں کے ہاتھوں مارے جانے سے بچا لیا ہے۔ اگرچہ وہ اسے چھے کی نفری کی طرف سے ریپ کیے جانے سے نہیں بچا سکا۔" میرے ساتھ چلتے اور یہ کہتے ہوئے اس نے نیوز یونٹ کے ٹریلر کا دروازہ کھول کر مجھے اندر دھکا دے دیا۔

اندر مددگار ہاتھوں نے مجھے سہارا دے کر اسٹول پر بٹھا دیا۔

ٹریلر کے کھلے دروازے سے میں نے دیکھا وہ تیز قدموں سے چلتی دوبارہ اپنی فوکس ویگن کی طرف گئی اور دروازہ کھول کر ہاتھ بڑھا کر اس نے رشنا کو پچھلی سیٹ سے اٹھایا اور خود سے بھڑائے ہوئے گاڑی سے باہر لائی۔ کیمرے یہ سب ریکارڈ کر رہے تھے۔

مظلوم رشنا ایک ہاتھ سے میم کی وہ جیکٹ سنبھالے تھی کہ جس سے اس کا اوپر کا بدن ڈھکا ہوا تھا اور دوسرے ہاتھ سے بے ڈھنگے پن سے لپٹی ہوئی چادر پکڑے چلی آ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

رہی تھی۔ اترتے ہوئے خدا معلوم دھوکے سے یا موقع کے ہیجان میں گوری میم کا پیر چادر کے ایک کونے پر پڑ گیا اور چادر گاڑی کے دروازے اور رشنا کے اور میم کے پیروں سے لپٹ کر کھلی اور وہیں رہ گئی۔ غریب لڑکی لمحے بھر کو کمر سے نیچے بالکل کھلی ڈلی سڑک پر کھڑی رہ گئی تھی۔

میں نے چیختے ہوئے اور بدن ڈھانکنے میں لڑکی کی مدد کرتے ہوئے کہا۔ "اور دیکھو لوگو! یہ وہ لڑکی ہے۔"

ہجوم نے جیسے انتہائی حیرت اور تکلیف کی ایک آواز نکالی۔ "اوہ ____ وہ!"

وائس آف جرمنی کی دونوں کیمرا یونٹوں نے یہ منظر اور یہ آوازیں ریکارڈ کر لیں۔

گوری میم نے رشنا کو سہارا دے کر ٹریلر پر چڑھا دیا اور دروازہ بند کر دیا۔ اندر میں نے سہارا دے کر رشنا کو اسٹول پر بٹھا دیا۔

وہ بیٹھے بیٹھے چکرا رہی تھی۔ میں نے کان کے پاس منہ لے جا کر کہا۔ "حوصلہ رکھ رشنا! میں ہوں تیرے پاس میم صاحب ہے۔ ہم سب ہیں۔"

سامنے ٹریلر کی چھوٹی سی شیشہ بند کھڑکی سے باہر کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔ باہر کی آوازیں اب پوری طرح نہیں سنائی دیتی تھیں۔

میں نے دیکھا گوری میم اب اپنی فاکسی کے پاس گئی اور اس نے پہلے اپنا کیمرا سنبھال کر تسمے کے ساتھ گلے میں پہنا۔ گلوکمپارٹمنٹ سے اپنے کاغذات نکالے۔ جیبی رومال سے پکڑ کر برمیوں کی فوجی رائفل اور لیوگر پسٹل ہجوم کو اور کیمروں کو دکھا کر گاڑی کے پاس ہی زمین پر ڈال دیے اور تماشا دیکھنے والوں اور فوجیوں کو ہاتھ ہلا کر خدا حافظ کہتی ٹریلر کا دروازہ کھول، خود بھی اندر آ گئی اور دروازہ بند کر لیا۔

میں نے دیکھا ٹھیک اسی وقت پٹرولنگ کرنے والی جیپ دیوانہ وار دوڑتی ہوئی آئی اور میم کی فوکس ویگن کے برابر آ کر ایسے رکی کہ جیپ کے ٹائروں کی چرچراہٹ سن کر میم نے مسخرے پن میں آنکھیں بند کر لیں۔ جیسے کہ وہ لوگ فاکسی کو ٹکر ہی مارنے والے ہیں۔

جیپ والے فوجیوں کے ساتھ اب گیٹ پر موجود فوجیوں نے بھی میم کی فاکسی اور نیوز یونٹ کے ٹریلر کو گھیرنا شروع کر دیا تھا۔ وہ اپنی دو بکتر بند گاڑیاں بھی سامنے لا رہے تھے۔

دونوں کیمروں نے گھوم پھر کر اب یہ پورا منظر یہ سب آوازیں ریکارڈ کرنا شروع کر دی تھیں۔

ٹریلر میں ایک طرف سے تھری پیس سوٹ پہنے ایک گورا نکل کر آیا۔ اس نے بہت غصے سے امریکی لہجے میں انگریزی بولتے ہوئے گوری میم سے پوچھا۔ "یہ سب کیا ہے؟"

وہ ہنسی، کہنے لگی۔ "تم نے سب کچھ ریکارڈ کر لیا ہے۔ مجھ سے کیا پوچھتے ہو۔ ٹیپ ری وائنڈ کر کے دیکھ لو۔"

تھری پیس سوٹ والے نے باہر اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "وہ بکتر بند لے آئے ہیں۔ ہمیں گھیر لیا ہے انہوں نے۔"

عورت نے ٹھٹھا لگایا۔ "مجھے یہ بھی مت بتاؤ یہ سفارتی معاملہ ہے۔ یہ تمہارا بے بی ہے، سنبھالو۔ میں اور میرے دونوں مہمان اب اس ٹریلر میں رہیں گے انہیں فوراً کچھ پینے کو دو۔ سفارتی قانون کے مطابق یہ ٹریلر جہاں تک ہے وہ مغربی جرمنی کی ملکی حدود ہیں۔ جب تک ہم تینوں اس ٹریلر میں ہیں برما کی فوج ہو یا سویلین ہمیں کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ بس دعا کرو طوفانی بارشیں نہ شروع ہو جائیں کیونکہ بارشیں کسی سفارتی تحفظ کا خیال نہیں کرتیں۔ ہمارے ٹریلر کے لیے بہت دن تک یہاں کی سڑکیں خراب کر دیں گی۔"

تھری پیس سوٹ والے نے غصے میں اپنا منہ بگاڑ کر "اوہ!" کہا۔

میم ہنسی، بولی "یہی اوہ تمہاری صورت پر بھی، اب جاؤ باہر جا کر موسیقی کا سامنا کرو۔ ہم تینوں بہت پیاسے ہیں کچھ پینا چاہتے ہیں ____ ہاں بھئی ہر من!" میم نے یہ آخری بات ایک اور گورے سے کہی تھی جو مسکراتا سر ہلاتا ایک طرف چلا گیا۔

کیا قیامت کی دانش مند اور دلیر عورت تھی۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ہم دونوں کو اور خود کو اس تمام الجھن سے ایسی چابک دستی سے نکال لائے گی۔

یہ جگہ بین الاقوامی قوانین کے مطابق پولیس، فوج یا قانون شکن شہریوں، سب کی پہنچ سے محفوظ تھی۔ یہ ٹریلر مغربی جرمنی کے سفارت خانے کا تکنیکی مرکز اور اس وقت مغربی جرمنی کے سفارت کاروں کی ایک رہائشی یونٹ تھی اس لیے سفارت خانے کی حدود میں شامل تھی اور سفارت خانے کی عمارت تو سب جانتے ہیں اسی ملک کی حدود شمار ہوتی ہے جس کا پرچم عمارت پر لہرا رہا ہو اور جس کا سفارتی عملہ اپنے سفارتی فرائض

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کی ادائی میں اس جگہ مصروف ہو۔ اس ٹریلر پر مغربی جرمنی کا پرچم لہرا رہا تھا۔ اس پر سفارتی نمبر پلیٹ لگی تھی اور مغربی جرمنی کا نائب پریس اتاشی' وہی تھری پیس سوٹ والا' پوری ذمہ داری کے ساتھ سرکاری ٹی وی سروس کی مدد کے لیے یہاں موجود تھا۔

میں نے کھڑکی سے دیکھا نائب پریس اتاشی اپنی واسکٹ کی جیبوں میں انگوٹھے پھنسائے برمی فوج کے افسروں کو کسی شک شبے کے بغیر سفارتی تحفظ کے قانون پر لیکچر دے رہا تھا۔

گوری میم نے ٹریلر کے آدمی ہرمن کا لایا ہوا کوک میری طرف بڑھا دیا اور رشنا کو اسٹرا دے کر اس کا گال تھپتھپاتے ہوئے باہر تقریر کرنے والے تھری پیس میں ملبوس سفارت کار کے بارے میں ہنس ہنس کر بتانے لگی کہ موڈ بگڑ جائے تو وہ بہترین سفارت کار بن جاتا ہے۔ اس وقت وہ مقامی برمی کمانڈروں کی ایسی تیسی کر رہا ہو گا۔ کہنے لگی۔ "باہر ان کو ادھیڑ کر یہاں ٹریلر میں آئے گا تو مجھ پر جھپٹ پڑے گا باؤلا ہے مگر ہے بہت ہی لائق آدمی ___ ہاہاہا۔"

ہم کوک پی کر فارغ ہوئے تو گوری میم نے اپنا تعارف کرایا بولی۔ "میں مسز گی زل ہوں۔ ہنا گی زل۔ تم دلیر آدمی ہو تم مجھے ہنا کہہ سکتے ہو۔ یہ بتاؤ وہاں ٹینٹ کے پاس کھکھری سنبھالے تم کیسے موجود تھے؟"

میں نے مدد کے لیے ادھر ادھر دیکھا۔ کون مدد کرتا۔ مجبوری تھی بتانا ہی پڑا' میں نے کہا۔ "میں اندر وہار میں پھنس گیا تھا۔ اسی وقت دیوار کود کے باہر آیا تھا۔"

"ہم م۔" اس نے اپنی ٹھوڑی پر ہاتھ پھیرا۔ "اندر کیا واقعی کوئی بھاگا ہوا قیدی ___ کوئی شیر الی ___ موجود ہے۔ یا یہ لوگ بہانہ بنا کر گھسنا چاہتے ہیں؟"

میں نے جواب دینے سے پہلے توقف کیا۔ وہ میری صورت تکے جا رہی تھی۔

میں نے کہا۔ "نہیں اندر اب کوئی شیر علی نہیں ہے۔"

"آہ! سمجھی ___ اور ہاں' ٹھیک تو ہے۔ لڑکی نے تمہیں نام لے کر پکارا تھا۔ شیر؟ تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" وہ ہنسی۔ "اندر اب کوئی شیر علی نہیں ہے۔ ہاہاہا۔"

میں نے شرمندگی سے ہاں میں سر ہلایا۔

ہنا نے پوچھا۔ "اندر مرد کتنے ہیں؟ ٹھہرو بتاتی ہوں۔ ہاں ایک کک اور ایک ڈرائیور اس وقت بس دو' وہ لیٹر جو مجھے اندر سے ملا ہے وہ تم ہی نے لکھا ہو گا۔ اندر ایک تم ہی انگریزی پڑھے لکھے مرد ہو گے۔ وہ خط مرد کے لہجے میں لکھا گیا تھا۔ رائٹ؟"

میں نے سٹپٹا کر اس کا لفظ دہرا دیا۔ "خط۔"

کہنے لگی۔ "ہاں خط جو یہ لڑکی لائی تھی۔" اس نے رشنا کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

خدایا! تو یہ رشنا تھی جو سانپ کی جون میں باہر آئی تھی۔ یہ رشنا تھی جس نے جان پر کھیل کر خط پہنچایا؟ میرا حلق خشک ہو گیا۔

مورنی نے اور کوسومی نے تو یہ بات مجھ سے چھپائی تھی۔ چھپانی بھی چاہیے تھی۔ اب ہنا کی لاعلمی اور سادگی میں یہ خطرناک بات میرے علم میں آ گئی ہے۔ خدا رحم کرے۔ ایسا تو نہیں کہ یہ بات جاننے والا میں ساتواں آدمی ہوں۔ اگر ایسا ہوا تو رشنا بے چاری تو گئی۔ سورج ڈوبنے کے ساتھ ختم ہو گئی یہ لڑکی۔

ہنا گی زل میری صورت دیکھے جا رہی تھی۔ ایک دم کہنے لگی۔ "کیا بات ہے؟ تم پیلے پڑ گئے؟ طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

میں نے کہا۔ "ٹھیک ہوں ___ اس ___ اس لڑکی کی طرف سے پریشان ہو گیا میں ___ اس سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔"

ہنا اٹھ کر ایک طرف کو چلی گئی۔ "ضرور تم پوچھو میں ابھی آئی۔"

رشنا ہم دونوں کو انگریزی میں باتیں کرتے دیکھ رہی تھی۔ اس نے قبیلے کے ساتھ زیادہ وقت گزارا ہو گا اسی لیے اسے انگریزی زبان کی اتنی سمجھ نہیں تھی مگر اسے احساس ہو گیا تھا کہ خود اسی کے بارے میں کوئی بات کی گئی ہے۔

ہنا کے جاتے ہی میں اس کی طرف مڑا تو خود ہی دھیرے سے بولی۔ "کیا کوئی میری بات ہے؟ کیا ہے؟"

میں نے ہاں میں سر ہلایا۔ اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "رشنا! پہلے پوری بات سن لینا۔ سمجھ لینا۔ پھر جواب دینا۔"

بولی۔ "اچھا ___ ایسا ہی کروں گی۔"

میں نے پوچھا۔ "تم ایک خط لائی تھیں اس گوری میم کے لیے؟"

اس نے بات سنی' لمحے بھر رک کر ہاں میں سر ہلا دیا۔

"تمہیں یہ خط مورنی نے دیا تھا۔"

اس نے پھر ہاں میں سر ہلایا۔

"خط لے کر تم وہار سے باہر کس طرح آئیں؟"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اس کی آنکھوں میں خوف کی ایک لہر آئی' گزر گئی۔ سنبھل کر بولی۔ "مجھے باہر آنے کا ایک رستہ معلوم ہے۔"

ویسے ہی وہ بڑی عذاب ناک کیفیت سے گزر کر آئی تھی۔ میں اسے زیادہ پریشانی میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا مگر ایسی نازک صورت حال تھی کہ اصل سوال سے پہلے میں اپنا اطمینان کر لینا چاہتا تھا۔

میں نے دھیرے سے پوچھا۔ "کیا وہ رستہ ایک پرنالے' پتھر کی ایک ڈھکی ہوئی نالی اور کھجور کے درخت سے ہو کر گزرتا ہے۔"

رشنا کے چہرے پر خوف اب جیسے ایک نقاب کی طرح منڈھا ہوا تھا۔ وہ ہکلا کر بولی۔ "خبر نہیں شیر علی تم کیا کہہ رہے ہو؟"

میں نے اتنی ہی نرمی سے پوچھا۔ "کیا مورنی کو گھنٹے بھر بعد آنا تھا؟ تمہیں لینے ___ تمہیں لے جانے کو ___ آنا تھا اور وہ نہ آ سکی تھی؟ کیا اسی لیے تم باہر اکیلی رہ گئی تھیں؟"

رشنا کا چہرہ روہانسا ہوا مگر اس نے خود پر قابو پایا پھر بھی بے تاب ہو کر پوچھا۔ "مورنی کو کچھ ___ اسے کچھ ہوا تو نہیں؟"

مجھے اب یقین ہو گیا کہ رشنا ہی کایا بدل کر آئی تھی۔ مجھے آخری سوال پوچھنا تھا ___ اور وہ میں نے پوچھ لیا۔ "رشنا! خوب سوچ کر جواب دو' بتاؤ مجھ سے پہلے کتنوں کو یہ معلوم ہے کہ تم کایا بدل کر کچھ ___ کچھ بن سکتی ہو؟"

اس نے جھٹکے سے اپنا چہرہ اٹھایا۔ اس کی آنکھیں ایک ہیجان سے روشن تھیں' ہونٹ کپکپا رہے تھے۔ وہ ایک منٹ سے زیادہ میری آنکھوں میں دیکھتی رہی۔ مجھے پہلی بار اندازہ ہوا کہ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی کشش ہے نہ چاہتے ہوئے بھی آدمی اسے دیکھتے رہنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

وہ مجھے دیکھتی رہی پھر شعوری کوشش سے اس نے نظر ہٹائی اور دھیرے سے بولی۔ "سوچتی ہوں' بتاتی ہوں ___ تم کو ملا کے ___ تمہیں ملا کے چار' بس چار کو خبر ہے۔"

میرے سینے سے جیسے ایک بھاری بوجھ اتر گیا۔ وہ مجھے مسکراتا دیکھ کر خود بھی پرسکون ہو گئی مگر اگلے ہی پل بے تابی سے بولی۔ "تم نے بتایا نہیں شیر علی! مورنی کیوں نہیں آئی تھی؟"

میں نے کہا۔ "پریشانی کی بات ہو گئی تھی مگر اب کوئی پریشانی نہیں ہے۔ وہ ٹھیک ہے۔ اسے مورنی کو ___ دیوار پر کسی نے شکار سمجھ کر گرا لیا تھا۔ بازو میں گولی لگی تھی۔ ٹھیک ہے وہار میں ہے۔ کوسومی اسے دیکھ رہی ہے۔"

وہ سختی سے منہ پر ہاتھ جمائے جھکی ہوئی کچھ دیر روتی رہی۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر اس کا سر تھپکا۔ "سب ٹھیک ہے۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

اس نے بڑی ہمت سے خود کو سنبھالا سر اٹھا کر بولی۔ "تم نے رشنا پہ بڑا احسان کیا ہے شیر علی! تم رشنا کو لینے باہر آئے۔ تمہیں گولی بھی لگ سکتی تھی۔ میں کس طرح چکا سکوں گی یہ احسان؟"

میں نے کہا۔ "ایک ہی صورت ہے۔ وہ یہ کہ ہمت باندھے رکھو اور خود کو دکھی مت کرو سمجھی لڑکی؟ بس یہی طریقہ ہے احسان چکانے کا۔"

وہ آہستہ آہستہ ہاں میں سر ہلاتی رہی اور دھیمے دھیمے روتی رہی مگر یہ رونا تکلیف کا رونا نہیں تھا۔ مجھے معلوم تھا اب وہ پرسکون ہوتی جائے گی۔

ہنا گی زل کافی کے دو مگ اٹھائے ہوئے آئی۔ سیاہ کافی تھی' اس نے ایک مگ مجھے تھما دیا۔ رشنا کا رخسار تھپک کر بولی۔ "میں اتنی صحت مند جلد والی پیاری لڑکیوں کو بلیک کافی نہیں پینے دیتی۔ تمہاری کریم کافی ہر من لا رہا ہے۔"

رشنا کچھ سمجھی کچھ نہ سمجھی مسکرا دی۔

ہنا اپنا اسٹول میرے برابر کھینچ لائی بولی۔ "شیر علی! تم رنگون جیل سے کیوں فرار ہوئے تھے؟"

میں نے کافی کا مگ منہ سے ہٹا لیا' "ہنا! یہ بڑی لمبی کہانی ہے ___ میں ضرور تمہیں پوری کہانی سناؤں گا۔ مختصر یہ سمجھ لو کہ مجھے ایسٹ پاکستان میں کاکسیز بازار سے اغوا کر کے زبردستی برما کی سرحد میں لا کے بند کر دیا گیا تھا۔ اس سازش میں برمیز بارڈر پولیس کے لوگ اور بعض فوجی افسر بھی شامل تھے؟"

ہنا مسکرائی پھر آنکھ دبا کر شرارت سے بولی۔ "تم کوئی بہت بڑے انقلابی ہو؟ چے جیسے یا ماؤ جیسے؟ یہ سب تمہارے پیچھے کیوں پڑے ہیں؟"

میں نے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ذرا روکھے پن سے کہا۔ "ہنا تمہیں بڑے انقلابیوں کے نام ضرور یاد ہوں گے تم رپورٹر جو ہو مگر اچھے رپورٹر چھوٹے ملکوں کے چھوٹے مسئلوں کو بھی یاد رکھتے ہیں۔ ایسٹ پاکستان میں "بنگلہ دوست" کا جو ناٹک ابھی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

شروع ہوا ہے اس کا تمہیں کچھ آئیڈیا تو ہو گا؟ اور سرحد پار کسی چھوٹے سے شہر میں بیٹھ کے پاکستان کے خلاف کچھ لوگ آپس میں مشورے کر رہے ہیں۔ تمہیں اس کا بھی علم ہو گا۔ سوم ناتھ دتہ ایک چھوٹا سا فتنہ انگیز آدمی ہے۔ تم نے اس کا نام بھی سنا ہو گا؟؟

"دتہ؟ دتہ؟ آئی سی ____ یہ نام بالکل سنا ہے۔ ادھر ہی برما میں سنا تھا۔ اب وہ یہاں نہیں ہے مگر میں جانتی ہوں اس نام کا کیا مطلب ہے۔"

"دتہ اس وقت ایسٹ پاکستان میں ہے۔ اس نے میرے باپ کا گیسٹ ہاؤس ہتھیا لیا ہے۔ وہاں اس نے اپنا جاسوسی کا اڈا بنایا ہے۔"

ہنا میری باتوں سے متاثر ہوئی تھی۔ وہ کھسیا کر مسکرانے لگی۔ میری پیٹھ تھپک کر بولی۔ "میری باتوں کا برا مت ماننا۔ پچھلا ایک گھنٹا میں نے بڑے ہیجان میں گزارا ہے۔ مگر ہیجان میں تو تم بھی رہے ہو۔ تم شاید مضبوط آدمی ہو شیر علی! میں برمی حکومت کا پرابلم سمجھنے کی کوشش کروں گی۔ تمہارا اور بنگلہ دوست کا مسئلہ تو میں سمجھ گئی۔ ہاتھ ملاؤ ____ اس ایشو پر ہنا گی زل تمہارے ساتھ ہے۔"

میں نے ہاتھ بڑھا دیا۔ ہنا نے ہنستے ہوئے گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔ لگتا تھا ہم دونوں میں جو تھوڑی بہت بدمزگی شروع ہوئی تھی وہ اب نہیں رہی۔

مگر یہ چھوٹا ٹریلر اگلے ہی لمحے بدمزگی اور چڑچڑے پن سے پھر بھر گیا۔ نائب پریس اتاشی، وہی تھری پیس سوٹ والا گورا، باہر سے آیا اور کمر پر ہاتھ رکھ کر میرے سامنے کھڑا ہو گیا بولا۔ "تم انگریزی جانتا؟"

میں نے اسے بتایا کہ ہاں میں جانتا ہوں تو وہ اسٹول کھینچ کے جیسے میری ناک سے اپنی ناک بھڑا کر بیٹھ گیا اور بولا۔ "تم نے بہت سے سویلین مارے ہیں؟ ان کے علاوہ ایک برمیز آرمی افسر، ایک سولجر قتل کیا ہے ایک اور سولجر کو کسی دھارے دار آلے سے ہاتھ کاٹ کر اپاہج بنا دیا ہے؟"

میں نے کہا۔ "آخری بات کے سوا سب کچھ غلط ہے۔ میں نے کوئی قتل نہیں کیا۔"

نائب اتاشی نے پوچھا۔ "تمہارا نام شیر علی خان ہے؟"

میرے بجائے ہنا بولی۔ "ہاں اس کا نام شیر علی خان ہے۔"

نائب اتاشی نے چیخ کر کہا۔ "تم اس معاملے میں دخل نہ دو۔"

ہنا اتنی ہی بلند آواز میں چیخی۔ "میں اس معاملے سے الگ نہیں رہ سکتی۔ میں

شیر علی خان کی اٹارنی ہوں۔ وکیل ہوں اس کی، اور یہ بات شیر علی سے معلوم کی جا سکتی ہے۔ شیر علی! کیا میں درست کہہ رہی ہوں؟" وہ میری طرف مڑی اور اس نے آنکھ دبا کر اشارہ کیا کہ میں ہاں کہہ دوں۔ میں نے ہاں کہہ دیا۔

وہ اتاشی کی طرف مڑی۔ "دیکھا؟ اب یاد رکھو یہ میرا موکل ہے اور یہ براہ راست بات نہیں کرے گا۔ میرے واسطے سے تمہارے سوالوں کے جواب دے گا۔ اچھا کہو، تمہارا اگلا سوال کیا ہے؟"

اتاشی نے کسی بہت تھکے ہوئے آدمی کی طرح ہنا کو دیکھا اور کہا۔ "میں اس وقت اور کچھ نہیں پوچھ رہا ____" اور دھیرے سے کہنے لگا۔ "تم جہنم میں جاؤ۔"

ہنا نے اتاشی سے خوش ہو کر کہا۔ "اور جہنم میں تم بھی جاؤ۔" پھر وہ میری طرف گھوم گئی۔ "شیر! تم نے جسے ڈس آرم (نہتا) کیا ____" اس نے لفظ نہتے کو آنکھ مار کر "بے ہاتھ کا" کہا تھا۔ بولی۔ "جسے ڈس آرم کیا وہ لیوگر پستول والا تھا۔ ایک کو اسی لیوگر والے نے غلطی سے مار دیا۔ یہ دو تو میرے سامنے کے ہیں خیر، برمی فوج نے یہ دونوں تمہارے حساب میں لگا دیے ہیں۔ اب تم مجھے یہ بتاؤ کہ فوجی افسر کہاں مارا گیا اور سویلین کس طرح مارے گئے ____؟ ہمارا نائب پریس اتاشی کوئی بھی خبر لاتا ہے تو چھان پھٹک کر لاتا ہے وہ افواہیں نہیں لاتا۔"

میں نے کہا۔ "ہنا چھاننا اور پھٹکنا اچھی بات ہے۔ تم بھی تصدیق کر لو ____ سنو۔ برمی افسر کو اسٹیمر پر ایک ریچھ نے چیر پھاڑ دیا تھا۔ اسٹیمر کا کیپٹن کسی سرکس کے لیے ریچھ اسمگل کر رہا تھا۔ وہ پنجرے سے نکل گیا اور اس نے تباہی مچائی۔ آرمی کے ڈاکٹروں کی رپورٹ دیکھ لینا۔ شراب میں دھت اس افسر کو میری آنکھوں کے سامنے ریچھ نے معانقہ کر کے مار ڈالا۔ ریچھ باقاعدہ اس سے گلے ملا تھا۔ باقی سولین قبیلے والے تھے۔ وہ مائنگ یان پہنچنے سے پہلے آپس کی فائرنگ میں مارے گئے۔ میرا ان کی موت سے بھی کوئی واسطہ نہیں۔ ان کے بارے میں ہاسٹل کی اگوا مس کو سومی کو میں نے سب کچھ بتا دیا ہے۔"

میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر یہ باتیں کہی تھیں۔ ظاہر ہے اسٹیمر پر مرنے والے فوجی افسر کی موت اسی طرح واقع ہوئی تھی۔ میں نے جھوٹ تو ایک لفظ نہیں کہا تھا۔ ہاں پورا سچ کسی کو بتایا نہیں جا سکتا تھا۔

ہنا نے مطمئن ہو کر ہاں میں سر ہلایا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تین روز تک ٹریلر ہمیں لیے وہیں کھڑا رہا۔ رشنا اور میں اور ہنا ہم تینوں فرش پر قالین ڈال کر لیٹے' بیٹھتے اور تنگ جگہ میں ٹہلتے رہے۔ برمی فوجی اس ٹریلر کو گھیرے رہے۔ ہم تینوں کے سوا دوسرے سب باہر آ جا رہے تھے۔ سیکڑوں ٹیلی فون کالیں آئیں اور گئیں۔ درجنوں اعلیٰ سطح کے حاکم برمی بھی اور مغربی جرمنی اور امریکا کے بھی آئے اور گئے۔ مائنگ یان کالج کے سامنے میلہ لگا تھا۔ بی بی سی اور وائس آف امریکا کے نیوز ٹریلر ہمارے برابر آکر کھڑے ہو گئے تھے۔

نائب اتاشی کا اب یہ معمول تھا کہ وہ ہر دو تین گھنٹے بعد آ کر مجھ سے سوالات کرتا تھا۔ پرانے سوالوں میں اب کچھ نئے سوالات بھی شامل ہو گئے تھے جو کاکسیز بازار کے گیسٹ ہاؤس اور میرے والد کے بارے میں بھی تھے۔ میں اتاشی کے ہر سوال کا جواب ہناگی زل کی معرفت دیتا رہا۔ وہ بہترین وکیل ثابت ہو رہی تھی۔ رنگون سے سفارت خانے کے افسر بھی آ رہے تھے۔ ہاں دوسروں کے ٹل جانے کے بعد وہ مجھ سے ادھیڑنے والے سوالات کرتی تھی اور پھر میری طرف سے جواب دینے بیٹھتی تو سب کو لاجواب کر دیتی۔

تیسرے روز رات میں کسی وقت وائس آف جرمنی اور برمی حکومت میں کچھ طے پا گیا اور ٹریلر مائنگ یان سے روانہ ہو گیا۔ ہنا ہنس کر بولی۔ "لو جی پکنک ختم ہوئی ____ اب کام پر واپسی ہے۔"

ایک دن راستے میں گزار کر چوتھے دن نیوز ٹریلر رنگون میں مغربی جرمنی کے سفارت خانے کے احاطے میں ٹھہر گیا۔

ہنا نے میری کمر میں ہاتھ ڈال کر باقاعدہ ٹریلر سے چھلانگ لگائی اور امریکی کاؤ بوائز کی طرح یا ہوو' کا نعرہ مارا۔ پھر چیخ کر کہنے لگی۔ "آؤ شیر ۔ آؤ رشنا دوڑ لگائیں۔ کم آن۔"

تنگ جگہ میں چار روز تک پھنسے رہنے کی تکلیف سے ہم تینوں کو نجات ملی تھی۔

ہنا نے اپنے سوئٹ میں جو ظاہر ہے سفارت خانے کی حدود میں تھا' رشنا کو اور مجھے ایک ایک کمرہ دے دیا۔ وہ سفارت خانے کے اسٹاف میں سے کسی کو' یہاں تک کہ کک اور صفائی والی میڈ کو بھی ہمارے کمروں میں نہیں آنے دیتی تھی۔ خود ہی ہمارا کھانا لے کر آتی اور صبح شام لان پر ہمارے ساتھ ٹہل لگاتی۔ باقی وقت کے لیے اس نے ہمیں

ہدایات دی تھیں کہ اپنے اپنے کمروں کو اندر سے مقفل رکھو اور انٹر کام پر ایک دوسرے سے بات کرنے اور خود ہنا کا فون سننے کے سوا کوئی ٹیلی فون اٹینڈ نہ کرو۔

رنگون پہنچتے ہی نہا دھو کر' ہنا کے مردانہ' زنانہ کپڑے پہن کر ہم دونوں اپنے اپنے کمروں میں پانچ چھ گھنٹے جم کے سوئے تھے۔

چار دن اسی طرح آرام کرتے گزر گئے۔ پانچویں دن میں نے ہنا کے ساتھ دوپہر کا کھانا کھانے اور مختلف رپورٹیں دیکھنے میں تین گھنٹے گزارے۔ اخباری رپورٹوں سے' اخبار کے تراشوں سے ہنا کی گفتگو سے اور ریڈیو پر سنی' ٹیلی ویژن پر دیکھی خبروں سے معلوم ہو گیا کہ مائنگ یان میں کیا کچھ ہو چکا ہے۔

امریکا' برطانیہ' مغربی جرمنی ان تین طاقت ور ملکوں کے علاوہ بھی دنیا بھر سے کوئی ایک درجن خبر دینے والی ایجنسیاں مائنگ یان کو کور کر رہی تھیں۔ وہ شور ہوا تھا دنیا بھر میں کہ برمی حکومت نے فوج کا محاصرہ اٹھا لیا تھا اور کوسومی کو' جسے خبروں کے میڈیا نے مائنگ یان کالج کی نوجوان نگراں یا "بے بی پرنسپل" بیان کیا اور لکھا تھا چند دوستوں کے ساتھ نامعلوم مقام کے لیے جانے کی اجازت دے دی گئی تھی۔

رپورٹوں سے چند دوستوں' کی تفصیل بھی معلوم ہو گئی تھی۔

رپورٹوں میں بیان کیا گیا تھا کہ کوسومی مائنگ یان سے ریڈ کراس کی ایک ایمبولینس میں نکلی تھی جس میں ایک لڑکی زخمی (مورنی) اور وہار کا زخمی ڈرائیور (میرباز) اور بیالا بائے نام کی ایک "مقامی نرس" اس کے ساتھ تھی۔ "نرس" وہار کے چھوٹے شفاخانے میں کام کرتی رہی تھی۔

مائنگ کالج اور لڑکوں' لڑکیوں کا ہاسٹل کھول دیا گیا تھا۔ استاد سب واپس آ گئے تھے کیونکہ برما کے سپریم کورٹ کے ایک جج کو کالج کی پرانی انتظامی مجلس کا نگراں بنا دیا گیا تھا۔ برمی حکومت نے کالج کی زمینوں پر جو مقدمہ قائم کیا تھا اسے سماعت کے لیے سپریم کورٹ کی فل بنچ کے سامنے پیش کر دیا گیا تھا۔

میں نے سوچا چلو چھٹی ہوئی بڑے میاں نے پوری زندگی جس کام میں لگائی تھی وہ ضائع ہونے سے بچ گیا۔

یہ سب باتیں بتانے کے بعد ہناگی زل کہنے لگی۔ "شیر علی! میں نے خود "بے بی پرنسپل" مس کوسومی سے وائرلیس پر بات کی ہے۔ وہ تمہاری دلیری سے بہت خوش ہے اور تمہیں پیار کہتی ہے۔ اس نے رشنا کے بارے میں مجھ سے درخواست کی ہے کہ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

میں اسے مغربی جرمنی سفارت خانے کے کسی ذمے دار افسر کے ساتھ مائنگ یان کالج بھیج دوں تو یہ کام میں نے خود اپنے ذمے لے لیا ہے۔ کل سویرے میں رشنا کو کالج کے گرلز ہاسٹل میں پہنچا آؤں گی۔"

میں نے سوچا۔ بڑی طاقتوں نے اپنے ریڈیو' ٹی وی اور اخباروں ہی کی طاقت سے برمی حکومت کو گھٹنوں کے بل بیٹھنے پر مجبور کر دیا ہے۔ انہیں سیاسی دباؤ ڈالنے کی ضرورت ہی نہ پڑی۔ وجہ شاید یہ ہے کہ کوسومی کا قبیلہ' بڑے میاں اور ان کا مائنگ یان کالج برما کی تاریخ کا حصہ ہیں۔

میں غیر ملکی ہوں۔ میں فکر مند تھا کہ آخر میرے بارے میں اعلیٰ یا ادنیٰ کسی سطح پر کیا فیصلہ کیا گیا ہے؟ یہ نہ کسی اخباری رپورٹ میں تھا' نہ کسی ٹی وی رپورٹ میں اس مسئلے پر ایک بھی فقرہ کہا گیا تھا۔ ہناگی زل نے بھی صرف رشنا کے کے بارے میں بتایا تھا۔ خیر اس مظلوم لڑکی کی طرف سے تو پریشانی دور ہوئی۔ وہ اپنے لوگوں میں' ہاسٹل کی چہار دیواری کی حفاظت میں چلی جائے گی۔

ہنا کے چلے جانے کے بعد میں نے رشنا کے دروازے پر دستک دی۔ رشنا نے اپنے کمرے کا ٹی وی لگایا ہوا تھا۔ اسے مائنگ یان کالج' کوسومی اور بڑے میاں کے ششوؤں (مریدوں' شاگردوں) کی مجلس کے حوالے کیے جانے کی خبر ہو گئی تھی۔

وہ مجھے دروازے پر دیکھ کر کھل اٹھی اور بے ساختہ قہقہہ لگاتی ہوئی بڑھی' ہاتھ پکڑ کر کمرے میں کھینچ لے گئی اور مجھے گول گول گھمیری دلاتے ہوئے ناچنا اور ہنسنا شروع کر دیا۔

میں نے کہا۔ "رک تو اس طرح مجھے چکر آنے لگتے ہیں۔ بیٹھ کے بات سن ٹی وی کی خبروں سے بھی آگے ایک بات سناتا ہوں تجھے۔"

وہ مجھے لے کر ایک صوفے میں دھنس گئی۔ دونوں ہاتھوں میں میرا ہاتھ تھام کر کہنے لگی۔ "ہاں بولو۔ بولو شیر علی!"

میں نے اسے ہناگی زل کی سنائی ہوئی سب خبریں سنا دیں کہ کس طرح کوسومی' مورنی' میرباز اور بیالا مائنگ یان کالج سے جا چکے ہیں اور خود اس کے بارے میں کوسومی نے ہنا میم صاحب سے کیا کہا ہے۔

رشنا کا چہرہ سب سن کر بے رنگ ہو گیا' بولی "میں کسی ہنا میم صاحب کے ساتھ مائنگ یان کالج نہیں جاؤں گی۔"

میں نے پوچھا۔ "کیوں؟"

بولی۔ "وہاں اب کون ہے؟ نہ کوسومی' نہ مورنی' نہ بیالا اور' اور نہ وہ تمہیں ___ شیر علی تمہیں اب وہ کالج واپس نہیں جانے دیں گے۔"

میں نے کہا۔ "ہاں۔ میرے بارے میں انہوں نے کیا سوچا ہے' مجھے نہیں معلوم' لیکن میرا کالج واپس بھیجا جانا ممکن نہیں لگتا۔ میرا وہاں کیا کام؟"

رشنا بولی۔ "تو پھر میرا بھی وہاں کوئی کام نہیں ہے۔"

میں نے ہنس کر کہا۔ "تیرا وہاں وہی کام ہے جو پہلے تھا۔ اب کسی کے ہونے نہ ہونے سے کیا فرق پڑ گیا؟"

کہنے لگی۔ "تجھے کیا پتا کسی کو بھی کیا پتا ___ پڑا ہے نا فرق۔"

یا الٰہی یہ سب کیا ہے؟ میں نے اس لڑکی کی زندگی میں اتنی اہمیت کیوں حاصل کر لی؟ یہ کیا الٹی الٹی باتیں ہو رہی ہیں؟

میں نے کہا۔ "خیر' ابھی تو ہنا نے مجھ سے ذکر کیا ہے۔ تجھ سے بات کرے تو پھر سوچنا۔ پوچھنا اس سے۔"

کہنے لگی۔ "پوچھنا کیا ہے۔ میں اسے بتا دوں گی کہ میں اس کے ساتھ کالج والج نہیں جانے کی۔ میں تو شیر علی کے ساتھ جاؤں گی۔"

"میرا کیا پتا کیا ہو۔ کہاں جانا پڑے ___ ہو سکتا ہے یہاں سے وہ مجھے جیل ہی بھیج دیں۔"

اس کا پورا دن جیسے چلہ چڑھی کمان بن گیا۔ "بھیج کے تو دیکھیں جیل' کیسے جیل بھیجتے ہیں میں بھی دیکھتی ہوں۔"

اسے بہت سی باتوں کا علم ہی نہیں تھا۔ ہنا کو بھی ابھی تک بہت سی باتیں نہیں معلوم تھیں ___ سب سے بڑا مسئلہ تو رنگون کے ہوٹل کونٹی نینٹل سے جعلی پاسپورٹوں اور بہت بڑی رقموں کے سفر چیکوں کے ساتھ میرے نکل بھاگنے کا تھا۔ اتنی بڑی رقمیں برما کی پرانی ریاست گڑھی کی سفید فام مہارانی جوئی ناہر سین کے خاندانی جواہر اونے پونے بیچ کے حاصل کی گئی تھیں۔ معاملہ صرف فوج کے آدمیوں یا چند قبائلیوں کے مارے جانے کا نہیں تھا۔ یہ برما کی مرکزی حکومت کے ایک وزیر کی بددیانتی کا معاملہ تھا جس نے رقم لے کر میرے' بڑے میاں کے اور کوسومی کے جعلی پاسپورٹ بنا دیے تھے۔ بڑے میاں گزر گئے تھے کوسومی کا نام ایک بہت بڑے بین الاقوامی تماشے یعنی مائنگ یان

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کالج کے محاصرے کے سلسلے میں بطور مظلوم دنیا کے سامنے آچکا تھا۔

وہ دونوں تو ایک طرح سے بری الذمہ تھے۔ ایک میں ہی رہتا تھا۔ پاکستانی پٹھان بھائی' ایک غیر ملکی جو غیر قانونی طور پر برما میں موجود تھا۔ جس پر فوج کے ایک افسر اور چند کارندوں کو قتل اور زخمی کرنے کا الزام تھا۔ جس نے سابق مہارانی جوئی ناہر سین کے زیورات چرا کر اونے پونے بیچے اور جعلی ناموں سے سفری چیک بنوائے اور جعلی پاسپورٹ بنوانے کے لیے برمی حکومت کے ایک وزیر کو کرپٹ کیا۔ جو رنگون جیل سے فرار ہوا جس نے بہت سے قبائلی قتل کیے۔ جسے اگر برما کی حکومت کا بس چلے تو فوری موت کی سزا سنادے۔ بلکہ زندہ دفن کر دیا جانا بھی میرے لیے کم سے کم سزا ہو سکتی تھی۔

مگر یہ سب باتیں میں رشنا سے نہیں کہہ سکتا تھا۔ میں نے موضوع بدل دیا۔ اب جو ہوگا دیکھا جائے گا۔

دن اپنی بہت سی بے رنگ مصروفیات میں گزر گیا۔ رات میں کھانے کے بعد جب میں ٹی وی دیکھ رہا تھا دروازے پر دستک ہوئی۔ دروازہ کھولا تو ہنا گی زل تھی۔ کہنے لگی۔ "ابھی رشنا کو لان پر ٹہلانے لے گئی تھی۔ اب تمہاری باری ہے۔ آؤ بہت سی ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

یہ لان پر ٹہلانے کا کون سا وقت تھا مگر ہنا میری میزبان اور محسن تھی میں نے بحث کرنا مناسب نہ سمجھا باہر آگیا۔ خاصی خنکی تھی مگر ہم دونوں گرم شال لپیٹے گھاس پر ٹہلتے رہے۔

ہنا بولی۔ "میں نے سفارت خانے کے ترجمان کی مدد سے رشنا سے بات کی تھی وہ مائنگ یان کالج جانے پر تیار نہیں ہے۔"

میں نے کہا۔ "ہاں' یہ الجھن کی بات ہے۔ بتاؤ اس سلسلے میں' میں کیا کر سکتا ہوں؟"

وہ بولی۔ "وہ تمہارے ساتھ رہنا چاہتی ہے۔"

میں نے ہنس کر ہنا کی طرف دیکھا۔ "یقین کرو میرا اس میں کوئی قصور نہیں ہے۔"

ہنا فکر مندی سے بولی۔ "ہاں اور تمہارے بارے میں بھی ایک بات جو دو روز پہلے میرے علم میں تھی میں نے بعض وجوہ سے تم سے چھپائی۔"

میں نے کہا۔ "اب بتادو۔ دو روز وہ خبر روکنے میں تمہیں معاف کرتا ہوں۔"

"خبر یہ ہے شیر علی! کہ برما کی حکومت اور مغربی جرمنی کی حکومت کے درمیان بہت اعلیٰ سطح پر بات چیت ہوئی ہے اور آخر کار یہ طے ہوا ہے کہ تمہیں برما کی حکومت کے حوالے کر دیا جائے۔ سو یرے ان کے لوگ تمہیں لینے یہاں آئیں گے۔"

میں آنکھیں پھاڑے ہنا گی زل کی صورت دیکھتا رہا۔ وہ خبر نہیں کیا کچھ کہتی رہی بس اس کے ساتھ ساتھ ٹھنڈے موسم میں لان پر سکڑا' سمٹا ٹہلتا ہوا میں بے سمجھے ہاں میں سر ہلاتا اور اس کی ہر بات سے اتفاق کرتا رہا۔ وہ سفری چیکوں اور پاسپورٹوں اور وزیروں کا ذکر کرتی رہی ___ تاریخی جواہر اور نوسر بازی اور وہی سب کچھ ___ پھر وہ ٹہلتے ٹہلتے رک گئی۔

میں نے کہا۔ "مسز گی زل! تم نے جس دلیری اور دردمندی سے میرا ساتھ دیا ہے میں اسے زندگی بھر یاد رکھوں گا۔ میرے پاس تمہارا شکریہ ادا کرنے کو الفاظ نہیں ہیں۔ میں پختون ہوں' ہزار سال کی مہمان نوازی کی روایت کو اپنے خون میں لیے زندہ ہوں۔ تمہاری مہمان نوازی کی داد اسی طرح دے سکتا ہوں کہ تم پر کوئی مصیبت آپڑے تو جان دے کر تمہیں بچالوں۔ اور بس۔"

ہنا چلتے چلتے رک گئی اس نے مجھ سے بغل گیر ہو کر اپنے رخسار سے میرا رخسار لگایا' یہ ان کا شفقت اور خلوص کا اظہار ہوتا ہے' کہنے لگی۔ "تم دلیر لڑکے ہو اور سمجھ دار بھی ہو۔ میں نے پٹھانوں کے بارے میں بہت کچھ پڑھا ہے۔ تم اچھے پٹھان ہو۔ میں تمہیں تمہاری باتوں کو یاد رکھوں گی۔ آگے بھی اگر کوئی سفارتی معاملہ ہوتا تو میں خوشی سے تمہاری وکالت کرتی۔ میرے پاس وہ لیاقت اور لائسنس موجود ہے مگر یہ معاملات کرمنل کورٹس کے ہیں جو میری لیاقت سے باہر ہے لیکن میں ایک بہت اچھے بنگالی وکیل کو جانتی ہوں تار دے کر اسے کاکیسز بازار سے بلوا لیتی ہوں۔ خرچ کی پروا مت کرو وہ تمہاری وکالت کرے گا۔"

میں نے دھیرے سے پوچھا۔ "کیا اس وکیل کا نام مزمل حسین ہے؟"

ہنا پھر چلتے چلتے ٹھہر گئی۔ "تم اسے جانتے ہو؟ مگر مزمل تو اسپتال میں ہے۔ وہی تمہارے مخالف بنگلہ دوست والوں کا کوئی سیاسی تشدد کا قصہ ہے ___ نہیں یہ مزمل نہیں مگر اس کی پرنسپل فرم کا نوجوان ایڈووکیٹ ہے نصرت علی سید۔"

میں نے اس نام کے کسی وکیل کا نام نہیں سنا تھا۔ میں نے ہنا کا شکریہ ادا کیا اور

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کہہ دیا کہ ٹھیک ہے کسی کو تو میری وکالت کرنی ہو گی وکیل نصرت کو میری وکالت کے لیے کہہ دو۔ ان کی فیس میرے باپ پاکستان میں ادا کر دیں گے۔

میں سردی میں لان پر ٹہل کر لوٹا تو ہر قسم کے زیاں اور تشویش کے احساس سے خالی تھا۔ جیسے برف کا تودہ بنا ہوا تھا۔ ہنا کو خدا حافظ کہتا دروازہ بند کرتا بستر پر آیا تو لگا جیسے میرے بستر پر کوئی سویا ہوا ہے۔ میں نے گھبرا کر لائٹ جلائی اور بہ مشکل بلند آواز سے چیخنے سے خود کو روکا۔

بستر پر شال لپیٹے رشنا سو رہی تھی۔

میں نے دھیرے سے تالی بجائی تو وہ ہنستی ہوئی اٹھ بیٹھی۔ میں نے سوچا ہنا کو ابھی خدا حافظ کہا ہے وہ اگر باہر کوریڈور میں ہوئی تو رشنا کی ہنسی سن لے گی خبر نہیں کیا سوچے گی۔ الجھن میں ہونٹوں پر انگلی رکھ کر میں نے اسے چپ ہونے کا اشارہ کیا۔

وہ دھیرے سے بولی۔ "میم سے ڈر رہے ہو؟ میں نہیں ڈرتی کسی سے ___ ہاں ___ میں نے اس سے کہہ دیا ہے کہ مجھے مائنگ یان نہیں جانا۔ شیر علی جدھر جائے گا ادھر جاؤں گی۔"

میں نے کہا۔ "شیر علی کو تو صبح جیل لے جانے کے لیے پولیس آئے گی۔ سب طے ہو گیا ہے۔"

ہنس کے کہنے لگی۔ "مجھے معلوم ہے کیا طے ہوا ہے؟ کہاں ہوا ہے۔ بس میں نے بھی سب بندوبست کر لیا ہے۔"

"بندوبست؟ کیسا؟"

"کام آسان ہو گیا ہے کیونکہ تمہیں خبر ہے کہ میں کایا بدل کے سانپ بن سکتی ہوں ___"

میں نے ہاں میں سر ہلا دیا۔ خبر نہیں اس کا چلبلا ذہن کس طرف چل پڑا تھا۔

"میں کایا بدل کے سانپ بنوں گی ایک ٹوکری میں تم مجھے سنبھال لینا۔ اس طرح بس اکیلے تم رہ جاؤ گے اور تمہیں اکیلے کو یہاں سے نکالنے کا انتظام میں نے کر لیا ہے۔"

وہ باؤلی لڑکی عجیب بات کہہ رہی تھی۔ میں نے سوچا اسے اپنی پوری بات کر لینے دوں ورنہ اور نہ معلوم کتنی بحثیں کرے گی۔ اسی لیے چپ بیٹھا اسے دیکھتا رہا۔

بولی۔ "وہ لڑکا دیکھا ہے تم نے جو مجھ سے برمی اور میم صاحب سے انگریزی

بولتا ہے؟"

وہ سفارت خانے کے مترجم کا ذکر کر رہی تھی۔ میں نے اسے دیکھا تھا۔ یاد آیا خوب صورت، خوش لباس ایک لاابالی نوجوان تھا۔ میں نے ہاں میں سر ہلایا۔

بولی۔ "وہ مجھ پر ریجھا ہوا ہے۔"

میں نے خوش ہو کر کہا۔ "مبارک ہو!"

کہنے لگی۔ "سنو تو ___ وہ مجھ سے بھاگ چلنے کو کہہ رہا تھا۔ میں نے کہا۔ ہم تم دو نہیں بھاگ سکتے۔ بھاگیں گے تو تینوں ہی بھاگیں گے۔ شیر علی اور تم اور میں۔ پوچھنے لگا شیر علی کو لے جانا ایسا کون سا ضروری ہے؟ ہم دو کے بیچ وہ کس لیے؟ میں نے اسے فوراً کہانی بنا کے سنا دی، کہا شیر علی سردار ہے ہمارا، بنا سردار کی مرضی کے شادی کر لیں گے تو لعنتی ہو جائیں گے قبیلے والے اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک دونوں کو قتل نہ کر لیں ___ اس لیے ہم سردار کو یہاں سے ساتھ نکال لیں گے وہ خوش ہو کے اجازت دے دے گا۔ بس ختم۔ وہ کہنے لگا دوسرے دن جواب دوں گا، سوچ لوں کیسے کیا کرنا ہے۔ تو اب شیر! اس نے جواب دے دیا ہے مگر کہتا ہے ایک وقت میں ایک آدمی کو نکال سکتا ہوں گاڑی کی ڈکی بہت تنگ ہے۔ وہ پہلے مجھے نکالنے کی کہتا تھا بالکل نہیں مان رہا تھا، میں نے کہا نہیں، پہلے تو سردار کو نکال، واپس آ کے دوسری بار مجھے لے جا اور اگر اس پہ تیار نہیں ہے تو پھر چھوڑ رہنے دے۔"

وہ چالاکی سے آنکھیں چلاتی اپنا منصوبہ مجھے سمجھا رہی تھی۔

قیامت کی تیز و طرار لڑکی تھی۔ میں نے جب کہا کہ باہر نکل کے تجھے اس سے شادی کرنی پڑے گی تو ہنس کے کہنے لگی۔

"یہی تو ساری چالاکی ہے۔ وہ چھپا کے پہلے تمہیں نکالے گا۔ تمہارے ہاتھ میں ٹوکری ہو گی۔ ٹوکری میں سانپ کی کایا میں، میں بیٹھی ہوں گی۔ وہ تمہیں ٹوکری سمیت باہر پہنچا کے مجھے لینے اندر آئے گا۔ اندر بھلا کون ہو گا؟ اور بس ہم دونوں آگے بھاگ لیں گے۔"

اس سے کیا بحث کرتا۔ میں نے اسی وقت اپنے دل میں فیصلہ کر لیا کہ وہ برمی مترجم لڑکا مجھے لینے آئے گا تو میں شور مچا دوں گا۔ لڑکے سے رشنا کا پیچھا چھوٹ جائے گا اور میں رشنا کی پاگل اسکیم سے نجات پا کے اپنی تقدیر کا سامنا کرنے رنگون جیل پہنچ جاؤں گا۔ رشنا کو اس صورت میں مجبوراً مائنگ یان کالج جانا پڑے گا۔ پھر یہ بھی ہے کہ یہاں سے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

فرار ہو کے کیا میں اپنی محسن کو مشکل میں ڈال دوں؟ یہ مجھے منظور نہیں۔

رشنا نے مجھے سوچتے اور مسکراتے دیکھا تو بولی۔ "لگتا ہے تمہیں میری یہ ترکیب پسند آئی ہے جبھی مسکرا رہے ہو؟"

میں نے کہا۔ "ہاں بہت پسند آئی یہ ترکیب۔"

چہک کر بولی۔ "اسی بات پہ تمہارا' اپنا منہ میٹھا کرتی ہوں۔"

اس نے پنی زنانی پتلون کی جیب سے لمبی سی چاکلیٹ بار نکالی بہت احتیاط سے پنی الگ کر کے پہلے خود اپنے حصے کی دانت مار کے کاٹ لی باقی ہنستے کھلکھلاتے ہوئے میرے منہ میں ٹھونس دی۔ میں شور کرتا رہا کہ رک تو' ٹھہر تو جا' میں رات کو میٹھا کھا کے نہیں سو سکتا مگر وہ نہ مانی بولی یہ میٹھی نہیں ہے کافی کی کڑوی چاکلیٹ ہے۔

چاکلیٹ واقعی امریکی ٹیسٹ کی کڑوی سی تھی۔ وہ اٹھی جلدی جلدی میرے بستر کی سلوٹیں دور کر کے دونوں ہاتھوں میں میرے ہاتھ لے کر مجھے جیسے جھولا جھلاتی ہوئی شب بخیر جیسا کچھ کہتی تیزی سے باہر نکل گئی۔ اس نے شاید ہنا کے ادھر ادھر آنے جانے' چلنے پھرنے کی آوازیں سن لی تھیں۔

میں تھکا ہوا سا تھا لیٹ گیا۔ سوچ رہا تھا اٹھ کر کلی کروں گا۔ دانت صاف کر کے لیٹوں گا۔ بچوں کی طرح کچھ کھاتے ہوئے سو جانا مجھے اچھا نہیں لگتا تھا مگر ایک دم ایسی نیند آ رہی تھی کہ واش روم جانے کا بس سوچتا ہی رہا۔ سو گیا۔

آنکھ کس وقت اور کہاں کھلی مجھے نہیں معلوم۔ ابھی اندھیرا ہی تھا بہت تیز ہوا چل رہی تھی اور سردی کے مارے دانت بج رہے تھے۔ میرے اوپر کوئی وزنی کمبل لحاف دری جیسی چیز یا تینوں چیزیں پڑی تھیں اور میرا پلنگ مسلسل ہلے جا رہا تھا جیسے زلزلہ آ رہا ہو۔

میں نے کمبل لحاف ہٹا کر اٹھنے کی کوشش کی تو سر میں جیسے زبردست ٹیس اٹھی۔ سر اتنا درد کر رہا تھا کہ میں نے اٹھنے کا خیال ترک کر دیا' ویسے ہی پڑا رہا۔ اسی طرح سردی لگے جا رہی تھی اور پلنگ تھا کہ برابر زلزلے میں تھا۔

نہیں۔ یہ پلنگ نہیں ہے۔ میں کسی سواری پر ہوں۔ تیز رفتار سواری۔ موٹر کار یا ٹرک جیسی' سر درد تو کر رہا تھا مگر میں نے ہمت کر کے پوری بات سوچ لی۔

ہاں میں کسی موٹر کار یا ٹرک پر ہوں جو بہت رفتار سے دوڑے جا رہا ہے۔ ہوا تیز ہے۔ بہت سردی ہے اور میں جو اپنے کمرے ہی میں بے ہوش ہو گیا تھا' مجھے اس وقت

کہیں لے جایا جا رہا ہے۔

اور وہ برمی مترجم؟ وہی نوجوان' رشنا کا عاشق؟ اس نے یقیناً ہمیں ہناگی زل کے سوئٹ سے اور سفارت خانے کی حدود سے باہر نکال لیا ہے۔

میں طاقت لگا کر خود پر پڑے لحاف کمبل وغیرہ میں ہاتھ چلاتا اٹھ بیٹھا۔

سر باقاعدہ پھٹا جا رہا تھا۔ کمزوری کا زبردست احساس ہو رہا تھا اور منہ ایک دم کڑوا تھا مگر میں نے چیخ کر کہا۔ "او! اورے او!"

میرے برابر کپڑوں کے انبار میں حرکت ہوئی' ایک لڑکی کی ہنسی سنائی دی اور ایک سوال۔ "اٹھ گئے جی شیر علی سردار؟" یہ رشنا کی آواز تھی۔

"رشنا!" میں نے آواز دی اور اندھیرے میں ہاتھ چلائے وہیں کہیں اس نے میرا ہاتھ تھام لیا اور اٹھ بیٹھی۔ وہ بالکل پہلو سے لگی سانس لے رہی تھی اور وہ راز دری سے ہنسے جا رہی تھی۔

"ہم لوگ کہاں ہیں؟" میں نے دھیرے سے پوچھا۔

"رشنا' میری گردن کے خم میں اپنا چہرہ ڈال کر سرگوشی میں بولی۔ "یہ جیپ گاڑی ہے۔ سرکس والوں کی۔"

"سرکس؟" اس نے برمی لڑکے کا حوالہ نہیں دیا تھا۔ میں سوچ رہا تھا یہ سرکس کیا ہوتا ہے؟

کہنے لگی۔ "ہاں رے سرکس۔ ہم شہر سے بہت آگے نکل گئے تھے پھر یہ ایک جیپ نظر آئی' میں نے ہاتھ دے کے رکوالی۔ کوئی تین چار گھنٹے سے جیپ چل رہی ہے۔ بہت دور نکل آئے ہیں۔ اب کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

"خطرہ؟ خطرہ کیسا؟" میں نے پوچھا۔ ابھی میرا ذہن صاف نہیں ہوا تھا۔

"اسی برمی اور انگریزی بولنے والے لڑکے کا اور کس کا خطرہ۔"

رشنا اس مترجم برمی نوجوان کا ذکر کر رہی تھی۔

"کیا ہوا؟" میں نے دھیرے سے پوچھا۔

"بتاؤں گی ___ تو ابھی سو جا۔" اس نے میرے رخسار سے اپنا رخسار بھڑا کے مجھے بچے کی طرح تسلی دیتے ہوئے کہا۔ اس کے پاس سے مہنگے سینٹ اور بدیسی مٹھائیوں کی خوشبو آ رہی تھی۔ چاکلیٹ!

کڑوا چاکلیٹ! میں نے غصے میں کندھا جھٹک کر اسے خود سے بُرے ہٹانے کی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کوشش کی اور کہا۔ "رشنا! تو نے مجھے چاکلیٹ کھلا کے بے ہوش کر دیا تھا۔"

وہ ہنسی اور پھر میرے قریب سرک آئی۔

میں نے اپنی محسنہ سے غداری کی ہے۔ میں نے سوچا کم سے کم مجھے ہنا گی زل سے ایسی بد سلوکی نہیں کرنی چاہیے تھی۔ اس کی حفاظت سے فرار کرایا گیا ہے مجھے۔ اب وہاں ہنا کے ساتھ بہت برا ہو گا۔ مجھے رشنا پر اور اس بری لونڈے لپاڑی پر بہت غصہ آ رہا تھا۔

میں نے غصے میں اوپر کا لحاف کمبل جو بھی تھا ہٹا دیا۔ ہم کھلی جیپ میں سیٹوں کے درمیان بنڈل بنے پڑے تھے۔ اب جو ہوا کے تھپیڑے روکنے والا کمبل' لحاف ہٹا تو یخ بستہ ہوا نے مجھے بے حال کر دیا۔ میں نے جلدی سے پھر لحاف اوپر لے لیا۔

"رشنا! تو نے مجھے چاکلیٹ کھلا کر کیوں بے ہوش کیا؟" میں نے پھر وہی سوال کیا تھا۔ میری آواز خاصی بلند تھی۔

جو بھی جیپ چلا رہا تھا اس نے مڑے بغیر چیخ کر پوچھا۔ "جی بھائی صاحبو! کیا ہم سے کچھ کہا؟"

میں کچھ کہنے کو تھا مگر رشنا نے میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور لہکتی ہوئی سی ہنسوڑ آواز میں پکار کر جیپ والے سے کہنے لگی۔

"نہیں رنگ ماسٹر! تم سے نہیں کہہ رہے ہیں یہ نیند میں کچھ بولتے ہیں آپ ہی آپ۔"

"ہاں بھئی ہاں ___ راجا بنا دا ہے بھئی راجا ___ ہاں نا بھائی صاحبو؟"

رشنا نے کھلکھلاتی ہوئی "ہاں آں" کہہ کر جیپ والے کی بات سے اتفاق کیا۔

میں نے پھر کہا۔ "رشنا؟ بول! بتا ___ مجھے کیوں بے ہوش کیا؟" مجھے جیسے ضد چڑھ گئی تھی۔ میں نے سرگوشی میں پوچھا۔ "بتا کیوں بے ہوش کیا تو نے؟"

وہ سمجھاتے ہوئے آہستہ سے بولی۔ "دیکھ شیر علی! مجھے تو ہر صورت میں سویرے سے پہلے تجھے ادھر سے نکال لینا تھا۔ پہلے میں نے بھائی بندی میں سمجھا کے تیری مرضی معلوم کی ___ تجھ سے پوچھا۔ پوچھا تھا نا؟ پر جس طرح تو نے میری بات سنی اور بات سن کر مسکرانے لگا میں اسی وقت سمجھ گئی کہ شیر علی مجھ سے غداری کرے گا۔ نہیں جائے گا میرے ساتھ۔ کوئی اڑچن ڈال دے گا عین وقت پہ۔ بول سچ کہہ رہی ہوں نا؟"

میں نے کہا۔ "ہاں' میں خود سے نہیں نکل سکتا تھا۔ یہ اس گوری میم کے

ساتھ دھوکا ہوا ہے۔"

رشنا بولی۔ "میں سمجھ گئی تھی کہ تو نہیں جائے گا۔ میں نے جب پوچھا تھا کیا تجھے یہ بات پسند آئی تو' تو نے چالاکی سے مسکرا کے کہا تھا کہ ہاں بہت پسند آئی تیری یہ ترکیب ___ بس میں نے یہ دوسری ترکیب کر لی میں پہلے ہی سے تیار کر کے بیٹھی تھی اس چوکلیٹ موکلیٹ کی۔"

"تو نے برا کیا رشنا۔"

"برا نہیں کیا بہت اچھا کیا شیر علی! خبر ہے' جس وقت تو میم صاحب کے گھر میں سو رہا ہوتا اس وقت گھر کے باہر جیل کی پولیس تجھے لے جانے کو بیٹھی ہوتی اور قاتل رستے میں گھات لگائے ہوتے۔"

"جو بھی ہونا ہوتا بھگت لیتا۔ یہ تو نہیں ہوتا۔"

کہنے لگی۔ "کیا نہیں ہوتا؟ بول' بتا؟"

میں نے کہا۔ "دل اندر سے ملامت کر رہا ہے کہ ان گوروں نے بری حکومت کے قبضے محاصرے سے کالج کو' کالج کی سب لڑکیوں کو نکالا۔ بات چیت کر کے ایک اصول طے کر لیا کہ بھئی اس آدمی کو ہمیں دے دو ___ باقی لوگوں کو ہم کچھ نہیں کہیں گے۔ ہنا میم صاحب نے ذمہ داری لی ہو گی ___ خبر ہے؟ اس کے لوگ اب اسے بے عزت کر رہے ہوں گے۔"

وہ سنتی رہی۔ میری بات پوری ہو گئی تو بولی۔ "شیر علی! ہم قبیلے والے بھی احسان کا مطلب سمجھتے ہیں اور احسان کو یاد رکھتے ہیں۔ تم کو میں نے ابھی کچھ بتایا ہی نہیں۔ پوری بات سن لو گے تو آپ ہی سمجھ لو گے کہ اچھا کیا جو شیر علی تمہیں انہوں نے جیل والوں کے سپرد نہیں کیا۔ اب مجھ پر خفا نہیں ہونا۔ پوری سات سنو سردار۔" اس نے سردار' بہت شرارت سے کہا تھا۔

کہنے لگی۔ "بڑی مہربانی ہوئی مالک کی جو یہ بری لڑکا میرے اوپر ریجھ گیا۔"

میں نے سوچا اسے ٹوکنا نہیں بات پوری کرنے دینا ہے۔

وہ بولی۔ "یہ لڑکا ہنا میم صاحب کی بات کہتے کہتے کہتے اپنے دل کی بات بھی کہنے لگا تھا۔ چھپ کر ملنے آتا تھا۔ میں نے سوچا میم صاحب کو بتا دوں مگر پھر خیال ہوا لڑکا سیدھا سا لگتا ہے۔ تھوڑے دن کی بات ہے بھگت لوں گی۔ میں نے کچھ نہیں کہا۔ اس کی پیار کی باتیں سنتی رہی۔ ایک روز شیر علی! یہ تمہارے بارے میں بہت پوچھنے لگا۔ مگر

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

آہستہ آہستہ یہ بڑے انوکھے سوال پوچھنے لگا۔ ایسا لگتا تھا کسی نے اس کو کام پہ لگا دیا ہے کہ معلوم کرے ہنا میم صاحب اور اس کے لوگ تمہارے لیے کیا سوچ رہے ہیں۔ مجھے خبر تھی کوئی لوگ ایسے ہیں جو پہلے سے تمہاری خبریں اٹھا رہے ہیں اور آگے بھی تمہیں گھیرنا چاہتے ہیں۔"

میں سمجھ رہا تھا۔ یہ رشنا کو سومی کے بہت قریب ہو گی اگوا کو سومی نے اسے بنگلہ دوست والوں کی کارروائیوں کا بتا دیا ہو گا۔ تاہم میں نے چپ رہ کر اس کی پوری بات سننا مناسب سمجھا۔

رشنا بولی۔ "ہنا میم صاحب کے بتانے سے پہلے ہی اس لڑکے کو معلوم تھا کہ وہ لوگ تمہیں حکومت کے حوالے کر دیں گے۔ وہ مجھ سے کہنے لگا۔ "میرے جاننے والوں نے وعدہ کیا ہے وہ ہماری مدد کریں گے۔ آؤ میرے ساتھ بھاگ چلو۔" باقی میں نے تمہیں بتا ہی دیا ہے کہ اکیلے نکلنے سے میں نے انکار کر دیا تھا۔ اگلے دن یہ اپنے جاننے والوں سے پوچھ کے آگیا کہ ٹھیک ہے سویرے پولیس کے آنے سے پہلے ہم نکل چلیں گے۔ آدھی رات کو باہر میرے آدمی گاڑی لے کے آجائیں گے۔"

وہ اپنی شرارت یاد کر کے ہنسی' بولی۔ "وہ لوگ ہمیں فرار کرانے آگئے' تجھے شیر علی! میں نے آدھی چاکلیٹ کھلائی تھی۔ آدھی خود منہ میں ڈالی تھی جو باہر جا کے فوراً تھوک دی۔ خیر' میں نے جھانک کے دیکھ لیا تھا باہر ایک بڑی سی کار آگئی تھی۔ پولیس اس وقت تک نہیں آئی تھی اور چوکی دار یا تو ملا ہوا تھا یا لڑ کنے اس کا کوئی بندوبست کر دیا تھا۔ وہ خود پائپ سے چڑھ کے اوپر آیا۔ میں نے تمہیں بے ہوش کر کے اس سے کہہ دیا تھا کہ لے اب شیر علی کو اور اس کی چھوٹی سی ٹوکری کو سنبھال کے لے جا گاڑی میں رکھ آ پھر واپس میرے کمرے آ میں تیرا انتظار کر رہی ہوں آ کے مجھے اور میرے سامان کو لے جانا۔ اسے میں نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ ٹوکری میں سردار کا ناگ ہے اگر ڈھکنا بند رکھے رکھے لے جا کے گاڑی میں پہنچا آئے گا تو ناگ کچھ نہیں کہے گا اور اگر ڈھکنا کھول کے اسے دیکھے گا' چھیڑے گا تو قصہ ختم۔ ٹوکری لے جانے کے لیے بھ بڑی مشکل سے اس نے "ہاں" کی تھی۔ خیر' میں اس کے پاس سے تمہارے کمرے میں آئی۔ ناگ کی کالی ٹوکری تمہارے سینے پہ رکھی تھی۔ میں کایا بدل کر سانپ بنی اور تمہاری چھاتی پر سے رینگتی ہوئی ٹوکر میں سما گئی ___ بڑی لڑکا کسی کو اپنے ساتھ لایا تھا۔ اس آنے والے نے گاڑی کے ڈرائیور سے پیسے لیے اور چلا گیا۔

"شیر علی! اگر لڑکا چپ رہتا اور ڈرائیور سے بات کیے بغیر مجھ' ے میرے سامان کو لینے اوپر چلا جاتا تو نقصان ہو جاتا' میں ایک بہت بھیانک اور بہت کام کی بات نہ سن پاتی۔"

"کیسی کام کی بھیانک بات؟"

بولی۔ "بتاتی ہوں۔ لڑکے نے ڈرائیور کا نام لے کے بات شروع کی تھی۔ میں تو نام ہی سن کے سمجھو جھنجنا اٹھی۔ اس نے ڈرائیور کا نام لیا تھا اسے رامل کہا تھا اور جب ڈرائیور بولا تو میں آواز سے پہچان گئی وہ حرام زادہ رامل ہی تھا۔ شیر علی! خبر ہے رامل کون ہے؟ جسگے کا بیٹا ___ دشمن ہمارا۔"

میں نے کہا۔ "ہوں۔ خبر ہے وہ میرا بھی دشمن ہے۔"

رشنا آگے سنانے لگی' بولی۔ "بری لڑکے نے پتا ہے کیا کہا تھا؟ لڑکے نے اس سے کہا تھا کہ رامل! مجھے اور لڑکی کو پہلے تو ٹیکسی کرا دینا۔ ہم دونوں نکل جائیں گے۔ نہیں ادھر ایک بار' ڈزاڈز شروع ہو گئی تو پھر میرا اور لڑکی کا نکلنا آسان نہیں رہے گا۔ اس پر وہ کتا ___ رامل بولا۔ اب ڈزاڈز کا ہے کو ہو گی۔ تیری معشوقہ نے شیر علی کو بے ہوش حوالے کیا ہے' رام کرے گا تو بے ہوش ہی بے ہوش شیر کھان اوپر سدھار جائے گا ارے چاکو سے گلا کاٹ کے پتھر باندھ کے دس فٹ گہرے پانی میں ڈال دوں گا سورے کو ___ یہ سمجھ لے گولی ایک بھی نہیں چلے گی۔"

اتنی سردی میں بھی میری ہتھیلیاں پسینے سے پسیجنے لگیں۔

خدایا! وہ جسگے کا بیٹا' رامل وہ جو کاکسیز بازار میں بازلر کا ڈرائیور بن کر آیا تھا۔ جس بدمعاش کو بڑے میاں نے ریچھ کی کایا میں رہتے ہوئے پنجا مار کے زخمی کر دیا تھا۔ وہ میری تلاش میں چلتا یہاں تک آگیا ہے۔

اگر رشنا وہ سب کچھ نہ کرتی جو اس نے کیا تو پولیس کے ہاتھ لگنے سے پہلے ___ یا فوراً بعد مجھے مار دیا جاتا۔ میں دن کی روشنی نہ دیکھ پاتا۔

میں نے ہاتھ بڑھا کر رشنا کے گھنے بھونرا بالوں میں اپنی انگلیاں الجھا دیں۔

"رشنا! تو نے بڑا کام کیا ہے رشنا ___ تو جیتی رہے دوست۔"

وہ انعام پانے والے بچے کی طرح کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ ہنستے ہنستے بولی۔ "چلو رے عمر سوارت ہو گئی میرے سردار کو میری کوئی تو بات پسند آئی ___ اچھا آگے کی سن۔ آگے پھر جو میں نے کیا وہ بس ویسے ہی ٹوکری میں کنڈل مارے بیٹھے سوچ لیا تھا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

جیسے ہی برمی لڑکا ہٹا' اپنے حساب سے مجھے اوپر سے لانے گیا' میں ٹوکری کا ڈھکنا اپنے سر کی ٹکر سے اتار کے رینگتی ہوئی گاڑی سے باہر بلب کی روشنی میں آ گئی۔ ایک بار روشنی میں آ کے میں نے پھن پھیلا کے ایک پھنکار ماری۔ رامل سسرے نے تو سوچا بھی نہ ہو گا کہ وہاں اچانک سانپ نکل آئے گا۔ پہلے تو آنکھیں پھاڑے وہ دیکھتا رہا پھر کسی لاٹھی' لکڑی' برچھی کی تلاش میں اس نے ادھر ادھر آنکھیں چلائیں تو میں پھنکارتی اس کی طرف چلی۔ وہ بزدل گھبرا کے دوڑا۔ مڑ مڑ کر دیکھتا بھی جاتا تھا۔ میں لہراتی اس کے پیچھے تھی۔

"پھر جھاڑی کی اوٹ لے کے میں سانپ سے انسان کی کایا میں آئی اور دوڑ کر کار کی ڈرائیور سیٹ پر جا بیٹھی۔ مورنی کے بھائی نے مجھے اتنی ڈریوری سکھا ہی دی تھی چلتی گاڑی پر قبضہ کر کے شیر علی سردار کو لیے میں کھلی سڑک پہ نکلی اور ہوا ہو گئی۔

"پیچھے سے اس سورما رامل کے "او او او! کون ہے رہے؟ روک ارے کون ہے؟" پکارنے کی آوازیں آتی رہیں' پر میں بہت دور نکل گئی تھی اور پھر ہائی وے پر سرکس کی جیپ مل گئی۔ اکیلا آدمی دیکھ کے میں نے سوچا یہ صحیح ہے۔ میں نے اس سے آگے گاڑی نکال لی' کافی جا کے سڑک کے کنارے اپنی والی گاڑی روک لی اور بونٹ کھول کے جو دو چار تار مجھے اندر نظر آئے کھینچ کے ایک طرف ڈال دیے۔ سڑک پر منہ لٹکا کے کھڑی ہو گئی' انتظار کرنے لگی۔ جب یہ پہنچ گیا تو اس جیپ والے کو روک لیا۔ پہلے تو اس نے گاڑی اسٹارٹ کرنے کو کہا۔ یہ بھی یونہی ہے کوشش کرتا رہا پھر آنکھیں چلا کے بولا کہ اس کو یہیں کھڑا رہنے دو۔ سویرے کسی کو بھیج کے منگوا لینا۔ ابھی بتاؤ کدھر جانا ہے۔ میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔ میں نے شیر علی! تیرا بتا دیا کہ یہ آدمی ہے میرا۔ زیادہ پی لیتا ہے تو نشے میں کئی کئی گھنٹے پڑ سوتا رہتا ہے۔ ہم لوگ کو بہت دور جانا ہے۔ پوچھنے لگا کہاں؟ میں نے سڑک پہ بہت ہی میلوں آگے کے کسی شہر کا نام لے دیا۔ اس نے کہا۔

"چلو بیٹھو آگے کا کوئی بندوبست ہو جائے گا۔ "ابھی تو بھائی صاحبو بیٹھو۔"

"تو بس۔ اب تین چار گھنٹے سے جیپ چل رہی ہے۔ یہ کسی سرکس کا رنگ ماسٹر ہے۔ خود بھی کہیں سے بوتل لگا کے چلا ہے۔ آدمی دل پھینک مگر مزے کا ہے۔ اب صبح ہونے والی ہے اس کا نشہ ٹوٹ رہا ہے۔ کہہ رہا تھا سویرے تک سرکس گراؤنڈ میں پہنچ جائیں گے۔ وہاں تم لوگوں کو بڑی جنگی ناشتا کراؤں گا۔ بھائی صاحبو۔"

پھر وہ ہنسی بولی۔ "تمہارا کہنا تھا کہ ان بھائی صاحب کو بغیر دودھ کی تیز کافی

پلاؤں گا ابھی تو یہ راجا بنے ہوئے ہیں پہلے ان کا نشہ اتاروں گا پھر کچھ کھانے کو دوں گا سمجھے بھائی صاحبو!"

رشنا نے یہ "سمجھے بھائی صاحبو!" ذرا بلند آواز سے کہا ہو گا وہ رنگ ماسٹر نے سن لیا۔ گاڑی کی رفتار دھیمی کر کے وہیں سے پکارنے لگا۔ "ہاں بھائی صاحبو! اٹھ گئے آپ کے راجا جی؟"

رشنا ادھر سے بولی۔ "ہاں جی اٹھ گئے۔"

رنگ ماسٹر ٹھٹھا مار کے بولا۔ "ہم یہی سوچ رہے تھے کہ پیچھے سے آپ دونوں بھائی صاحبو کے راز و نیاز کی آواز آ رہی ہے' کوئی موج میلہ چل رہا ہے پیچھے ــــــ ہاہاہا' ہاں نا بھائی صاحبو؟"

عجیب بونگا آدمی تھا۔ یہ "بھائی صاحبا۔" میں نے کوئی کڑوی بات کہنے کے لیے اسٹارٹ ہی لیا تھا کہ رشنا نے میرے منہ پہ ہاتھ رکھ دیا اور اس سے پوچھا کہ تمہاری سرکس کتنی دور ہے؟

کہنے لگا۔ "ہماری سرکس گراؤنڈ تو بھائی سمجھو آ گئی ہے پہلے ہمارا ہی خیمہ ہے۔ اس وقت اس میں ہماری بیلا جی سو رہی ہوں گی ان کو تو ہم اٹھائیں گے نہیں۔ وہ کچی نیند سے اٹھ جائیں تو سارا سارا دن گندی گندی گالیاں بکتی ہیں اس لیے آپ بھائی صاحبو کے لیے ہم خود ہی ناشا واشتا تیار کر لیں گے۔ ہاں بھائی صاحبو!"

میں نے چیخ کر کہا۔ "اچھا بھائی صاحبا!" رشنا ہنسنے لگی۔

میں نے پوچھا۔ "یہ بیلا جی کون ہے؟ بیوی تمہاری؟"

رنگ ماسٹر بولا۔ "بیوی ویوی نہیں وہ رکھیل ہیں ہماری۔"

رشنا نے اور زور سے ٹھٹھے مار کے ہنسنا شروع کر دیا تو "بھائی صاحبا" خود بھی ہنسنے لگا بولا۔ "آپ صاحبو کو گشتی تھیٹروں' سرکسوں کا کچھ پتا ہی نہیں ہے۔ ہم اگر اپنے ساتھ کوئی بیوی ویوی رکھیں تو چل چکا سرکس' چل ہی نہیں سکتا۔"

مجھے اس کی باتوں میں مزا آنے لگا تھا۔ میں نے پوچھا کہ کیوں نہیں چل سکتا۔

کہنے لگا۔ "بیویاں تو ویسے ہی اپنے مردوں کی پتلونیں پھاڑ رکھتی ہیں۔ ہوشوں حواسوں میں نہیں رہنے دیتیں اور ہمارا کام جان جوکھم کا کام ہے۔ کوئی ساٹھ فٹ اونچے تار پہ چل رہا ہے بھائی صاحبو! تو کسی نے اوپر پٹرول چھڑک کے آگ دکھا کے سوفٹ بلندی سے بالشت بھر کے ٹب میں چھلانگ لگانی ہے۔ کوئی شیر کے منہ میں اپنی کھوپڑی

دیے بیٹھا ہے بھائی صاحبو تو کسی نے ریچھ کے پچھائے میں ہاتھ دے کے کرتب دکھانے شروع کیے ہیں___ الغرض سب سرکس والے اپنی جان پہ کھیل کے روزی کما رہے ہیں۔ ایسے میں کون عقل سے پیدل تیار ہو گا جو اپنے اوپر ی چڈی گھٹانے کو ایک بیوی بھی رکھے گا۔ ناصا حبونا! ہم لوگ تو رکھیلوں سے گزارہ کر لیتے ہیں شروع سے یہی چل رہا ہے___ اور کیا۔"

رشنا ہنستے ہنستے دہری ہو گئی۔ بڑی مشکل سے ہنسی تھام کے ٹکڑوں ٹکڑوں میں بولی۔ "اور یہ جو___ رکھیل تمہاری گالی دیتی ہے گندی گندی___ یہ کیا ہے؟ اس نے بھی تو تمہارے اوپر چڈی گانٹھ رکھی ہے؟"

وہ بولا۔ "نا بھائی صاحبونا! بیلا جی ٹائم ٹائم سے گالی نکالتی ہے___ وہ جو بولتے ہیں نا کہ تیرے ہونٹ کتنے شیریں ہیں کہ گالیاں کھا کے بھی وہ سسرا بے مزا نہیں ہوتا___ تو وہی قصہ ہے بھائی صاحبو! پھر اگر بیلا جی ڈارلنگ کبھی بے سری بولنے لگتی ہیں۔ آؤٹ ہونے لگتی ہیں تو آپ کا فلک شیر رنگ ماسٹر ان کی سڑائی بھی کر دیتا ہے___ تاہم بیویوں کی سڑائی نہیں کی جاسکتی۔"

رشنا نے پوچھا سڑائی کیا ہوتی ہے تو بولا۔ "سڑائی نہیں جانتیں بھائی صاحبہ آپ؟ ارے پھینٹی لگانے کو بولتے ہیں۔ چار چوٹ کی مار لگائی نہیں کہ بیلا جی گنے کی طرح سیدھی اور میٹھی۔"

میں نے کہا۔ "ہاں ماسٹر۔ یہ بتاؤ بیوی کو جو پھینٹی نہیں لگائی جاسکتی اس کی وجوہ کیا ہیں؟ کہیں بیوی کے بھائی بند تو سب سے بڑی وجہ نہیں ہوتے؟"

رنگ ماسٹر فلک شیر بولا۔ "حیرت ہے صاحبو! آپ بیوی والے ہو کے بھی یہ وجہ نہیں جانتے۔ خیر اس ٹائم کیونکہ آپ کی میم صاحب سامنے موجود ہے۔ یہ نکتے کی باتیں پھر کبھی وقت ملا تو عرض کروں گا۔ لو جی' آگئی سرکس گراؤنڈ۔"

میں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ سب طرف پیلے بلبوں کی جھالریں سی ٹنگی نظر آرہی تھیں۔

سورج نکلنے میں دیر تھی۔ اس لیے ابھی تک ڈیزل اور کیروسین سے چلنے والے جنریٹروں کی آوازیں آرہی تھیں۔ میلے کچیلے اوور آل اور ڈانگریاں پہنے گھٹنوں تک کے ربر کے جوتے چڑھائے بہت سے آدمی جانوروں کو کھانا' پانی دینے اور پنجروں کی صفائی کرنے' خیموں کے بیچ سے نکل' نکل کر آجا رہے تھے۔ پہیوں والے پنجروں کی ایک

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

قطار خیموں اور چھولداریوں کے بیچ کھڑی کر دی گئی تھی۔ مختلف قسم کے جانوروں کی بھی' ہلکی ہلکی آوازیں آنا شروع ہو گئی تھیں۔

پہلا خیمہ اسی فلک شیر رنگ ماسٹر کا تھا۔

ہمیں لانے والی جیپ رک گئی۔

وہ گاڑی کا انجن بند کر کے اترتے نشے اور شرارت کے ساتھ ہمیں دیکھتا اور آنکھ مارتا ہوا پنجوں کے بل خیمے کا پردہ اٹھا کر اندر چلا گیا۔ دو تین منٹ بعد پکنک باسکٹ جیسی بید کی ایک ٹوکری اٹھائے وہ برآمد ہوا اور ہمیں پیچھے آنے کا اشارہ کرتا خیموں کے بیچ بیچ چلنے لگا۔ ڈانگریوں والے ورکر اس کے سائے کو پہچان پہچان کے سلام کر رہے تھے۔

بلبوں کی پیلی روشنی میں سرکس کے خیمے کچھ زیادہ اجاڑ اور صبح کی آوازوں کے ہوتے بھی خاموش اور افسردہ لگ رہے تھے۔ تاہم اس افسردگی اور اجاڑ پن میں ہمیں دور ایک بہت بڑا خیمہ روشنی سے اور چمکیلی آوازوں سے چھلکتا ہوا دکھائی دیا۔

رنگ ماسٹر اپنی پکنک باسکٹ اٹھائے اسی روشن خیمے میں داخل ہو گیا اور اندر رک کر ہمارا انتظار کرنے لگا۔ اب وہ اپنی اونچی کھلکھلاتی آواز میں ہمیں خیمے میں چلے آنے پر آمادہ کر رہا تھا۔ "چلے آؤ بھائی صاحبو! آجاؤ۔ رکنا نہیں ہے___ توقف نہیں کرنا ہے۔ یہ خیمہ بے تکلف ہے بھائی صاحبو! شیروں' اژدہوں سے پنجا کرتے ہوئے دلیروں کے لیے طاقت سے بھرپور فولادی ناشتے اسی خیمے میں ملیں گے۔ سمجھے بھائی صاحبو! تکلف نہیں کرنا ہے اور توقف بھی نہیں کرنا ہے۔ آجاؤ۔"

رنگ ماسٹر کے اور ہمارے خیمے میں داخل ہوتے ہی سب ہماری طرف متوجہ ہو گئے۔

ہماری طرف' میں نے زیادہ صحیح نہیں کہا۔ سب رنگ ماسٹر اور رشنا کی طرف دیکھ رہے تھے میں تو جیسے ان دونوں کے ساتھ تھا ہی نہیں۔ گھٹے ہوئے بدن والے تین چار بونوں نے منہ میں انگلیاں ڈال کر تیز تیز سیٹیاں ماری تھیں اور ہاہاہا کی آواز نکالی تھی۔ رنگ ماسٹر خود کو اس وقت جیسے سرکس کے رنگ میں اترا ہوا سمجھ رہا تھا اس نے سیٹیوں کے جواب میں ایک قدم آگے بڑھا کر رشنا کو خود سے بھڑا لیا' اس کی کمر میں ہاتھ ڈال دیا اور جھک جھک کر ہاتھ ہلاتے ہوئے کسی بات کی داد وصول کرنے لگا۔ ہجوم میں سے کسی نے چیخ کر کہا۔ "واہ بھئی وا___ رنگ ماسٹر نے ایمان سے نمبر ون ماشوک گھیرا ہے۔"

رنگ ماسٹر نے خوش ہو کے ٹھٹھا مارا اور داد وصول کرنے کو پھر ہاتھ لہرایا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

میں نہ معلوم کیوں غصے سے بے قابو ہو گیا۔ میں نے بڑھ کر رنگ ماسٹر کی کلائی پکڑی اور وہ ہاتھ جس سے وہ رشنا کی کمر کو گھیرے میں لیے ہوئے تھا جھٹکے سے ہٹا دیا۔ ہجوم نے خوشی کا نعرہ لگایا۔ "واہ!" وہ سب سمجھ رہے تھے اب رقیبوں کی لڑائی شروع ہو گی۔

مگر انہیں مایوسی ہوئی۔

رشنا نے ہنستی ہوئی آنکھوں سے مجھے دیکھا اور ہجوم سے چیخ کر کہا۔

"سنو رے سنو___ رنگ ماسٹر میرا ماشوک نہیں ہے۔ میرا ماشوک یہ ہے۔"

اس نے کمر میں ہاتھ ڈال کے مجھے ہجوم کے سامنے کر دیا تھا پھر وہ کھلکھلاتی ہوئی آواز میں چیخ کر کہنے لگی۔

"یہ رنگ ماسٹر تو میری ماں کا بھائی ہے۔ ارے ماموں ہے میرا اور اس میرے ماشوک کا ممیا سسر ہے۔ کچھ سمجھے ممیا سسر کیا ہوتا ہے؟"

ہجوم نے ایک آواز میں ہو کر کہا۔ "ہاں' سمجھ گئے۔"

"کیا ہوتا ہے؟" رشنا نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

دو تین آوازوں نے گا کر کہا۔ "ماشوک کا سسر ہوتا ہے۔" اور باقی سب تالی بجانے لگے۔

رنگ ماسٹر بے وجہ کھلا پڑتا تھا۔ وہ ہر سمت میں جھک جھک کر اور ٹھک ٹھک کر کے اپنی ایڑیاں بجا رہا تھا۔ جیسے یہ پورا شو اسی کے لیے ہو رہا ہو۔ اسے بات بات پر داد وصول کرنے کا شوق تھا۔

ہم تینوں کسی میز تک پہنچے بھی نہ تھے کہ تالیاں بجاتے سرکس والوں نے اپنی میزیں چھوڑ دیں۔ ہمیں گھیر لیا۔

میرا غصہ یا جھنجھلاہٹ "جو بھی تھی" اب تک ختم ہو چکی تھی۔ سرکس والے کھلے دل کے لوگ لگتے تھے۔ ان کی ان باتوں سے رشنا کی "یا کسی کی بھی" توہین نہیں ہوتی تھی۔ وہ تو اپنے مسخرے پن اور ٹوٹتے نشے میں نئے دن کا استقبال کر رہے تھے۔

رنگ ماسٹر نے سرکس والوں کو خوش مزاجی سے دھکے دیتے ہوئے کافی جگہ بنا لی اور پکنک باسکٹ اپنی کرسی کے پاس فرش پر رکھ دی۔ اب اس نے کرتب دکھانے کے انداز میں باسکٹ سے ایک ایک چیز نکالنی شروع کی اور اپنی مرضی سے رشنا کے' میرے اور خود اپنے سامنے چیزیں رکھتا گیا' یا واپس ٹوکری کے حوالے کرتا گیا۔

ہر چیز دیکھ کر ہجوم داد دیتا یا تالی بجاتا تھا۔

باسکٹ سے وہسکی کی بوتلیں' بیئر کے ٹن' لمبے ڈنٹھلوں والے شراب کے گلاس۔ پنیر کے سر بند ڈبے اور پھر ڈبے کھولنے والے کٹر اور بوتلوں کے کارک اڑانے والے پیچ کش' بڑھیا بسکٹوں کے ٹن' بٹر پیپر میں لپٹی روسٹ کی ہوئی سالم مرغی' کافی مگ' کانٹے' چھریاں' پلیٹیں' آٹھ دس نارنگیاں' اتنے ہی سیب' مخمل کے خوبصورت جھولنے میں بند سخت سینکی ہوئی ڈبل روٹی' شہد کا جار اور وٹامن کی گولیوں کی شیشی___ بے شمار چیزیں نکلی آ رہی تھیں۔ لگتا تھا عمرو عیار کی زنبیل ہے جس سے نعمتیں اور عیش کی چیزیں بس چلی آ رہی ہیں۔

رنگ ماسٹر نے گولیوں کی شیشی اٹھا کر ہاتھ بلند کرتے ہوئے ہجوم کو "درجہ بہ درجہ" آنکھ ماری اور اپنی اعلانچیوں والی آواز میں رشنا کو اور مجھے مخاطب کر کے کہا۔ "اور بھائی صاحبو! یہ ہیں اصلی سلاجیت کی گولیاں' یہ شیرنی کے دودھ اور کنوارے ریچھ کی کمر سے حاصل کیے ہوئے ایک خاص جوہر میں گوندھ کے تیار کی گئی گولیاں ہیں بھائی صاحبو! یہ حکیم ارسطاطالیس اصلی کی ایجاد ہیں صاحبو اور موج میلے کی کارکردگی میں سمجھو کہ تیر بہ ہدف ہیں۔ اسی لیے یہ گولیاں اس معزز جوڑے کو پیش کرتا ہوں۔ کس لیے کہ اس وقت پورے سرکس گراؤنڈ میں ان دونوں سے زیادہ اس کا حقدار اور کون ہو گا۔ بتاؤ کون ہو گا؟"

ہجوم نے جو ہمیں ہر طرف سے گھیرے ہوئے تھا چیخ کر ایک آواز میں کہا۔

"کوئی نہیں۔"

رنگ ماسٹر نے حکم دیا۔ "اچھا تو ان کے لیے ایک ایک گلاس سادہ پانی لاؤ۔"

پانی آ گیا۔

رنگ ماسٹر نے رشنا اور مجھے حکم دیا۔ "بھائی صاحبو! دو دو گولیاں سلاجیت اصلی ممسک جوہری درجہ اول آپ دونوں کھالو' فوراً___ رام بھلی کرے گا۔"

رشنا نے انکار کر دیا۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر شیشی اٹھالی اس پر لکھا ہوا پڑھا' عام سی وٹامن بی کمپلیکس کی گولیاں تھیں۔ دو نکال کر میں نے پانی سے نگل لیں۔ رنگ ماسٹر سمیت ہجوم نے "ہاں آ۔ شیر کا بچہ ہے!" کہہ کر تالی بجائی۔ میں اٹھا "تعظیم کے لیے جھکا اور میں نے داد وصول کی۔

میں بھی ان کے رنگ میں رنگتا جا رہا تھا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اب رشنا بھی اٹھی اس نے بھی دو مسک جوہری گولیاں نکالیں' ہتھیلی پر رکھ کر پورے حلقے کو دکھائیں۔ حلقے سے پسندیدگی کی گونج سنائی دی۔ "ہا آ آ آ آں!"

رشنا نے پہلے ایک پھر دوسری گولی پانی سے نگلی اور وہ بھی میری طرح داد وصول کرنے کو جھکی۔ اپنے بری فراک کا گھیرا پکڑ کر دونوں گھٹنے خم کر کے اس نے ہجوم کو سلامی دی۔

"ہا آ۔ شیر کی بچی ہے ماشوک ___ شیر کی بچی ہے۔" ہجوم نے تالیاں بجانی شروع کر دیں۔

دو بونے میزوں کے بیچ خالی جگہ میں ایک دوسرے کے پنجوں میں پنجے پھنسا کے گھسن گھیری ناچنے لگے۔

رنگ ماسٹر نے رشنا نے اور میں نے تال دینی شروع کر دی۔

جو ہجوم ہمیں گھیرے ہوئے تھا۔ وہ اب گھسن گھیری ناچتے ان بونوں کی طرف گھوم گیا اور بڑے جوش سے تال دے دے کر کچھ گانے لگا۔

ہم تینوں اس تال دیتے گاتے ہجوم میں شامل ہو گئے۔ ہماری مرکزی حیثیت ختم ہو چکی تھی' اسپاٹ لائٹ سمجھو اب ان بونوں پر تھی۔

"تری درا' دا۔ تری دادا۔ تانا تانا' تن تنانا ___ او' تری درا' دا'۔ تری دادا۔" نہ معلوم کیا گیت تھا میں بھی سب کے ساتھ چیخ چیخ کر تری درا دا کرنے لگا۔

کوئی پانچ سات منٹ یہ ناچ' تالیاں اور تری دادا چلتا رہا پھر جس طرح اچانک بونوں نے ناچنا شروع کیا تھا ایک دم ہی انہوں نے بند کر دیا۔ وہ دونوں ہنستے اور ایک دوسرے کی پیٹھ تھپکتے ہوئے دائرہ توڑ کر ایک طرف نکل گئے اور کرسیاں کھینچ کر بیٹھ گئے۔

ہجوم چھٹ گیا' سب اپنی میزوں پر چلے گئے۔ ہمیں لیے ہوئے رنگ ماسٹر اپنی میز کی طرف بڑھا اور پھر ٹھٹک کر وہیں کھڑا رہ گیا۔

رنگ ماسٹر کی میز پر شیر کی کھال سے بنا کاسٹیوم پہنے ایک لمبا تڑنگا' چوڑا چکلا ادھ ننگا باڈی بلڈر بیٹھا پر شور طریقے سے اس کے سیب کھا رہا تھا۔ کھا نہیں رہا تھا چر رہا تھا۔ باڈی بلڈر کے دونوں ہاتھوں میں ایک ایک سیب تھا اور وہ اپنے مضبوط سفید دانتوں سے کبھی ایک سیب کو اور کبھی دوسرے کو اپنے سر کا جھٹکا دے کر جیسے اکھاڑتا تھا پھر خچر کی طرح منہ چلاتے ہوئے چبانے لگتا تھا۔ بہتے ہوئے رس سے اس کا نچلا آدھا چہرہ چمک

رہا تھا اور سیب کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اس کی ہتھوڑے جیسی ٹھوڑی اور بالوں بھرے سینے پر گر رہے تھے۔

سٹراپ سٹراپ کی آوازیں سن کر اب دوسرے بھی ادھر دیکھنے لگے۔

رنگ ماسٹر کو سامنے پا کر وہ بھرے منہ کے ساتھ ہو ہو ہو کر کے ہنسا۔

میں پریشان ہو کر کبھی بلڈر کو کبھی رنگ ماسٹر کو دیکھنے لگا۔ رنگ ماسٹر غصے میں باقاعدہ کانپنے لگا تھا۔

باڈی بلڈر اپنی بھونڈی آواز میں ہنستے ہوئے بولا۔ "کیا سوچ رہا ہے؟ آمار مجھے۔ آ۔"

کیسی اچھی صبح طلوع ہوئی تھی مگر اب سب کچھ برباد ہو گیا تھا۔ ماحول میں غصہ تھا۔

رنگ ماسٹر نے اپنا سر جھٹک کر پیشانی پر ہاتھ پھیرا جیسے کوئی نیند کے جھونکے سے پیچھا چھڑانا چاہ رہا ہو' بالکل اس طرح۔

باڈی بلڈر نے ہنستے ہوئے اسے پھر للکارا۔ "آمار۔" رنگ ماسٹر نے رشنا کی طرف گھوم کر دھیرے سے کہا۔ "تم دونوں ایک منٹ کو ذرا باہر چلے جاؤ۔"

خیمے میں سناٹا ہو گیا تھا۔

رشنا نے رنگ ماسٹر کے شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ ایک بار ایسے تھرایا جیسے بجلی کا زندہ تار اسے چھو گیا ہو۔ پہلے کی طرح آہستہ سے بولا۔ "نہیں بے بی! چھونا نہیں مجھے ___ ہاتھ نہیں لگانا ___ نہیں۔"

رشنا کو اندازہ نہیں تھا۔ اس نے "اب ایسا بھی کیا" کہہ کر رنگ ماسٹر کی پیٹھ تھپکنا چاہی تھی کہ وہ منہ اٹھا کر پوری طاقت سے چیخا۔ "ہا آ آ آ۔" پھر اس نے جھپٹ کر قریب پڑی کرسی اٹھائی اور باڈی بلڈر کے سر پہ چلا دی۔

میں نے دل میں سوچا۔ "یہ گیا شیر کی کھال والا اب نہیں بچتا۔"

مگر باڈی بلڈر نے بیٹھے ہی بیٹھے ہاتھ اٹھایا اور بازو کے پر گوشت حصے پر یہ وار روکا۔ کرسی تین ٹکڑوں میں ٹوٹ کر گر گئی۔

میں رشنا کو بانہہ سے پکڑ کر کھینچتا ہوا خیمے سے باہر لے گیا۔

جاتے ہوئے سنا اندر سے ایسی آوازیں آئی تھیں جیسے سانڈ ایک دوسرے پر پھنکارتے ہوئے جھپٹ رہے ہوں۔ خیمے میں بھرے لوگوں نے نانا نانا کہہ کر کسی کو باز

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

رکھنے کے لیے ایک ساتھ شور مچانا شروع کر دیا۔ ہم دونوں خیمے سے نکل کر دو قدم ہی چلے ہوں گے کہ اندر پٹ کی سی آواز ہوئی لگتا تھا چھوٹے بور کا فائر آرم چلایا گیا ہے۔ کسی کے دھم سے گرنے کی بھی آواز آئی تھی۔

میں واپس اندر جھپٹا۔ رشا میرے پیچھے تھی۔ رنگ ماسٹر اپنی میز کے پاس ہاتھ میں پیتل کا چھوٹا سا جیبی پستول لیے کھڑا تھا۔ پستول کی نال سے ابھی تک دھواں نکل رہا تھا۔ باڈی بلڈر کی کرسی الٹی پڑی تھی۔

میرے برابر سے ایک بونا۔ "مار دیا رے مار دیا آتو بجار کو مار دیا۔" چلاتا ہوا باہر کی طرف بھاگا۔ کوئی اور اسے روکتا ہوا پیچھے بھاگا مگر بونا بہت تیز دوڑا تھا۔

میں نے ڈوبتے دل کے ساتھ یہ خبر سنی۔ ویسے ہی ہماری اپنی کرنی کیا کم تھی جواب ہمیں پناہ دینے والا رنگ ماسٹر ایک قتل کر بیٹھا۔ نحوست شاید ہمارے ساتھ ساتھ آ رہی تھی۔

میں نے فرش پر گرے ہوئے باڈی بلڈر کو دیکھا۔ وہ ٹوٹی کرسیوں کے ملبے میں پڑا اپنا بایاں شانہ سختی سے دبائے اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی انگلیاں خون میں بھیگتی جا رہی تھیں۔ آتو بجار (بونے نے اس کا یہی نام لیا تھا) مرا نہیں تھا۔ وہ اٹھ کر بیٹھنے میں کامیاب ہو گیا تھا اور اب تک منہ چلا رہا تھا۔ ہو ہو کر کے ہنستے ہوئے اس نے منہ میں بھرے سیب کے ٹکڑے اور گری فرش پر تھوک دی اور بولا۔ "پشتول چلایا ہے ___ حرامی!"

رنگ ماسٹر نے اسے مارنے کو ایک اور کرسی اٹھالی۔ اس کے دیسی پستول سے شاید ایک ہی فائر ہو سکتا تھا۔

میں رنگ ماسٹر کو اس حملے سے روکنے کے لیے بڑھ رہا تھا کہ خیمے کے لوگوں اور بونوں نے چیخ کر کہا۔ "نہیں بابو! قریب مت جانا۔"

ارے رنگ ماسٹر نے زخمی آتو کو مارنے کے لیے کرسی اٹھائی ہے۔ یہ کیسے لوگ ہیں کہ مجھے آگے بڑھنے سے روک رہے ہیں مگر میں نے کن انکھیوں سے دیکھا کہ ایک جتھے کی صورت میں وہ رنگ ماسٹر کو گھیرتے جا رہے تھے۔ ہر ایک نے ایک ایک کرسی اٹھا رکھی تھی۔ کرسی کی ٹانگیں چار انگلیوں والے پنجے کی طرح رنگ ماسٹر کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ وہ گھیرا ڈال چکے تب ماسٹر کو اندازہ ہوا کہ وہ گھر گیا ہے۔

اس نے دیکھا اور حملے کے لیے اٹھائی ہوئی اپنی کرسی اس نے فرش پر رکھ دی

اور اس پر بیٹھ گیا پھر سر جھکا کر اپنے جوتوں کے درمیان فرش کو گھورنے لگا۔

اب وہ ایک پر سکون اور فکر مند آدمی تھا۔

میں نے سرکس میں کٹیلے جانوروں کو کرسی کے بڑھتے ہوئے پنجوں سے قابو میں آتے دیکھا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ میرے سامنے ایک انسان ___ خود کٹیلوں کا تماشا دکھانے والا رنگ ماسٹر کرسی سے قابو میں آگیا تھا۔

ایک چھوٹی سی آواز نے کسی بچے کی آواز نے اچانک سوال کیا۔ "یہاں کیا ہو رہا ہے؟"

رشا اور میں گھوم گئے۔ خیمے کے دروازے میں ایک لڑکی آ کھڑی ہوئی تھی۔ آٹھ نو برس کی بچی۔ اس نے اپنی چھوٹی سی تجسس بھری آواز میں پھر پوچھا۔ "جانم! کیا ہوا تھا ابھی؟"

اس نے یہ سوال رنگ ماسٹر سے کیا تھا۔

"کچھ نہیں ڈارلنگ ___ تم کیوں آگئیں؟ جاؤ سو جاؤ۔" رنگ ماسٹر نے جس طرح کہا تھا اس سے مجھے شک سا ہوا۔ میں نے پھر دیکھا اب کے غور سے دیکھا۔

وہ بچی نہیں' عورت تھی پوری عورت ___ وہ بونی تھی۔

بونی نے پوچھا۔ "جانم! یہ ایسے کیوں بیٹھا ہے؟" وہ بجار کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔ "کیا ہو گیا اس کو؟ کیسے چوٹ لگ گئی؟"

جھوٹ بول رہی تھی۔ وہ خوب جانتی تھی کیا ہوا ہے۔ اسے خبر کرنے والا بونا خیمے کے دروازے میں آ کھڑا ہوا تھا۔

"کیا ہوا اس کو؟" بونی نے پھر پوچھا۔

"کیا خبر؟" رنگ ماسٹر نے پھر سر جھکا کر فرش کو گھورنا شروع کر دیا تھا۔

آتو بجار کبھی بونی کو کبھی رنگ ماسٹر کو سر گھما گھما کر دیکھتا رہا تھا۔ اب جو رنگ ماسٹر نے "کیا خبر" کہہ کر سر جھکا لیا تو آتو فرش پر سے اچانک اٹھ کھڑا ہوا اور شکایت کے لہجے میں بولا۔

"بیلا جی! بیلا جی! اس نے پشتول مارا ہے ___ حرامی نے۔"

خوب تو رنگ ماسٹر کی رکھیل بیلا جی یہ ہے ___ بونی۔

آتو کی بھدی آواز میں ماسٹر کے لیے گالی سن کر بیلا جی کی تیوریاں چڑھ گئی تھیں۔ بجار کی طرف دیکھے بغیر اس نے منہ میں سے ایک کو انگلی کے اشارے سے بلایا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"او سن ادھر آ۔ ہاں تجھی سے کہہ رہی ہوں ___ لے جا اسے ___ کمپوڈر اٹھ گیا ہو گا۔ اس کی پٹی کرا دینا۔"

میز سے جو اٹھ کر آیا وہ بھی بونا تھا۔ وہ بھنبھناتے ہوئے شکایت آمیز لہجے میں بولا۔ "ابھی کدھر اٹھا ہو گا۔ کمپوڈر رات پوری باٹلی ٹکا کے گیا تھا۔"

"جا جا سالا بالشٹر! ادھر ہی جرح کرنے لگا ہے حرام کا۔ ابے جاتا ہے یا پچھائے ٹھڈا کھائے گا۔ گاں ___!" رنگ ماسٹر ٹھیک کہتا تھا۔ بیلا جی کچی نیند سے اٹھا دی گئی تھی۔ اب یہ دن بھر گندی گندی گالیاں بکے گی۔

گالی کھا کر بونا بجار کے پاس گیا اور ہاتھ پکڑ کر اسے خیمے سے باہر لے چلا۔ لگتا تھا کرکٹ کے بلے کو اس کی گیند کھینچے لیے جا رہی ہے۔

جوں ہی آتو بجار اور بونا خیمے سے نکلے بونی بیلا جی حلق سے لاڈ کی آوازیں نکالتی رنگ ماسٹر کے جوتوں پر پیر رکھ کر اچھلی اور اس کی گود میں جا بیٹھی۔ "ار۔ ارے میرا فلک شیر۔"

"پھلکو میرا کیا بات ہو گئی ڈار لنگ؟ ___ تجھے کیوں غصہ آ گیا؟ آں میری جان! پستول کائے کو چلایا تو نے اس حرامی ___ اس پونے پہ کائے کو چلایا پستول؟"

بونی رنگ ماسٹر کے بڑھے ہوئے شیو پر اپنے رخسار رگڑنے لگی اور پچ پچ کی آوازیں نکالتے ہوئے کچھ یوں ظاہر کرنے لگی جیسے وہ اس کے بوسے لے رہی ہے یا لینا چاہتی ہے۔ مگر حاضرین کی وجہ سے جھجکتی ہے۔

رنگ ماسٹر اس کی پہنچ سے دور ہونے کو اپنا چہرہ دائیں بائیں ہٹا کر اسے روکتا رہا۔ "نا ڈار لنگ! نا بیلا! اری بات تو سن۔" مگر بیلا جی کا لاڈ اور نقلی چوما چاٹی چلتی رہی اور بار بار وہی سوال کہ کیا بات ہو گئی؟ کیوں غصہ آ گیا؟ پستول کائے کو چلایا؟

رنگ ماسٹر نے بیلا جی کی اس غیر معمولی توجہ سے بچنے کو شاید ایک بار منہ کھول کر بتا دینا چاہا مگر پھر "ہاں وہ یہ" کہہ کر چپ ہو گیا۔

"بتانا کیا بات ہو گئی جانم؟" بیلا جی اب اپنے پھلکو فلک شیر کی گود میں کھڑی ہو گئی اس کے کھلے گریبان میں دور تک اپنا انگوٹھیوں بھرا ہاتھ ڈال دیا اور اندر ہی اندر رنگ ماسٹر کا سینہ تھپتھپانے لگی۔ اسے گدگدی ہو رہی تھی یا کوئی بات ہو گئی جو وہ سرخ ہو گیا اور گھگیانے لگا۔ "بس کر ذرا ٹھہر تو ___ اری دیکھ تو سب ہیں ___ یہاں ___ بھلا یہ کون سا وقت ہے؟ ___ بیلا او بیلا جی! نہیں سنے گی؟"

بونی بیلا جی مم مم مم کرتی ہوئی جیسے خود بھی اپنی مصروفیت میں مگن ہو رہی تھی۔ فلک شیر دلاور نے ہتھیار ڈال دیے اور منہ سے رال گراتے ہوئے بولا۔ "سنیں! بتاتا ہوں ___ بتاتا ہوں۔ اس نے ___ اس نے سالے نے میرے سیب کھا لیے تھے۔ اس لیے اس لیے گولی ماری ہے۔ چل ہاتھ نکال ___ اتر۔"

بیلا جی بہت فتح مند اور مسرور اپنے فلک شیر کی گود سے اتر آئی۔

اس نے خیمے میں موجود لوگوں اور بونوں کی طرف جیتی ہوئی عورت کے غرور سے دیکھا اور حکم دیا۔ "پھلکو کی باسکٹ میں اس کی سب چیزیں واپس رکھ دو۔"

خیمے میں موجود لوگ' حد یہ ہے کہ بونے تک بے تعلقی یا بے زاری بلکہ ایک دھیمی نفرت سے یہ سب کچھ دیکھتے رہے تھے۔ ان میں سے کسی نے بیلا جی کی بات پر توجہ نہ دی۔ میں نے دیکھا چند لوگ دو تین بونے تک' جماہیاں لے رہے تھے۔

"تمہاری بھین کا یہ' کا وہ ___ سنا نہیں میں نے کیا کہا ہے؟"

بونی نے منہ بگاڑ کر گفتار بکنی شروع کر دی تھی۔ رشنا نے حیرت سے مجھے دیکھا۔ دھیرے سے بولی۔ "اس چھوٹی ڈبیا سی عورت میں کتنا گند بھرا ہے۔"

میں کچھ نہ بولا' بھوک لگنا شروع ہو گئی تھی۔ صبح تڑکے سے بلکہ آخری پہر کے اندھیرے سے اب تک بڑی دیوانگی کے ساتھ ہم نے وقت گزارا تھا۔ پھر ساری رات جاگتے ہوئے کٹی تھی۔ بھوک تو لگنا ہی تھی۔

بیلا جی کی گالی گفتار سن کر سبھی بونے رنگ ماسٹر کا سامان اس کی باسکٹ میں بھرنے لگے تھے۔

بونی نے اب ہماری طرف توجہ کی۔ لگتا تھا ہم دونوں پر ___ اس سے پہلے اس کی نظر نہ پڑی ہو گی۔ اس نے ایک بار مجھے دیکھا۔ منہ بنایا پھر رشنا کو دیکھ کر اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ جھک کر اس نے رنگ ماسٹر فلک شیر کے کان میں کچھ کہا۔ فلک شیر نے بہت شدت سے انکار میں سر ہلایا۔ وہ دبی ہوئی آواز میں بولا۔ "کیا پاگل ہو گئی ہے؟ اری وہ میاں بیوی ہیں۔"

بیلا جی رنگ ماسٹر کی کرسی کے پیچھے کھڑی تھی۔ اب وہ اس کے برابر آ گئی۔ وہ رنگ ماسٹر پر جھکی ہوئی برابر اس سے کچھ کہہ جا رہی تھی۔

رنگ ماسٹر ایک دم کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ بیلا جی گرتے گرتے بچی۔ کھسیا گئی۔ اس نے ڈپٹ کر بہت غصے سے مجھے دیکھا۔ بولی۔ "او ___ رے کیا دیکھتا ہے؟ کون ہے تو؟

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کدھر سے آیا ہے سالا پرورٹ!" وہ نہ معلوم کیوں مجھے خلاف فطرت ہونے کا طعنہ دے رہی تھی۔

میرے کچھ کہنے سے پہلے رنگ ماسٹر نے کہا۔ "مہمان ہے میرا۔ اس سے کیا منہ ماری کر رہی ہے۔ بتایا نا' میرے ساتھ آئے ہیں دونوں۔"

بونی نے فلک شیر کی کہی بات ان سنی کر دی' اسی گندے لہجے میں مجھ سے پوچھنے لگی۔ "اورے' او یہ رنڈی کون ہے تیری؟ ___ کیا تیری ماں ہے؟"

میرے کچھ کہنے سے پہلے رشنا آواز بنا کر ہنسی' بولی۔ "اری او پاگل کیسی بھلکڑی ہے ___ کیا بھول گئی؟ ارے اس کی نہیں میں تیری میا ہوں۔ تا نکہ ہوں ادھر کی۔ آٹھ آٹھ آنہ لے کے میں ہی تو چھوڑتی جاتی ہوں ___ پورے کا آٹھ آنہ' بونے کا چار آنہ' پونے کا ایک آنہ ___ یاد آیا؟"

رنگ ماسٹر کا منہ تھتھا ہوا تھا لیکن رشنا کی بات سن کے اس نے چہرہ اٹھا کے ایک زبردست قہقہہ لگایا پھر پیٹ پکڑ کے ہنسنے لگا اور ہنستے ہنستے بولا۔ "آج ملی ہے یہ تیرے سسر کی استاد ___ اے شاباشے ___ ہاہاہا۔ یہ ملی ہے۔"

بیلا جی کرسی کے پیچھے سے غصہ ور نیولے کی طرح خی خی کی آواز نکالتی ہوئی جھپٹی اور اس نے بہ یک وقت رشنا کی طرف کک چلایا اور میرے پیٹ میں گھونسا مارا۔ رشنا اس کے لیے تیار تھی اس نے اپنی طرف آتے بیلا کے کک کو ہتھیلی بڑھا کر ذرا اوپر اٹھا دیا۔ بونی کا توازن بگڑ گیا۔ وہ گر گئی میری طرف چلایا ہوا اس کا گھونسا اوچھا پڑا' ذرا سا نیچا ___ مارے تکلیف کے میں دہرا ہو گیا۔

بیلا جی بونی فرش پر پڑی ہوئی مجھے ___ خدا معلوم مجھے کیوں ___ طرح طرح کی گالیاں نکال رہی تھی ___ "تیری ماں کو بھین کے یاں کاواں ___ حرامی سالے بنگلوری آئس کریم' گینگلو کی اولاد سالہ دلا کدھر کا ___"

رنگ ماسٹر فلک شیر نے ہنسی سے بے حال ہوتے ہوئے بھی جھک کر فرش پر پیچ و تاب کھاتی بونی کو کمر کے گرد بازو ڈال کے چھوٹے بنڈل کی طرح اٹھایا اور اسے بغل میں مار خیمے سے نکل گیا۔ وہ بری طرح ہاتھ پیر چلا رہی تھی۔

تین بونوں نے رنگ ماسٹر کی پکنک باسکٹ اٹھائی اور مشقت کی آوازیں نکالتے ہوئے وہ بھی پیچھے چل پڑے۔

دور سے بونی بیلا جی کی چیختی چنگھاڑتی آواز آ رہی تھی۔ "ان دونوں سالوں کی

بھین کا یہ کا وہ کا دلا سالا فش ٹولا اور وہ سالی رانڈ ___"

رشنا نے تھکی ہوئی بیزار خوش مزاجی سے ہاتھ لہرا کر کہا۔ "گئی سسری۔ جان چھوٹی۔"

"مگر وہ تو کھانے کی سب چیزیں لے گئے ہیں۔ اب کیا ہو گا؟"

رشنا نے لاعلمی میں کندھے اچکائے۔

میرے پیچھے سے ایک سنجیدہ آواز آئی۔ "آؤ میرے ساتھ ہم تمہیں ناشتا کراؤں گا۔"

میں نے مڑ کر دیکھا۔ نیلے اوور آل میں ایک سنجیدہ چہرے والے عرب' ایرانی یا شاید پاکستانی اوور آل کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے ہمیں اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دے رہا تھا۔

اس نے جیبوں سے ہاتھ نکالے۔ مصافحے کے لیے بڑھا دیے۔ "میرا نام بادل ہے۔ ادھر الیکٹریشن لگا ہوا ہوں۔" اس نے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا تھا۔

میں نے ہاتھ ملایا۔ اس کے ہاتھوں کے لمس میں محنتی آدمی کا کھردرا پن اور بے غرضی تھی۔

"تم پاکستانی ہو؟" میں نے پوچھا۔

"پتا نہیں۔ میں اور والد صاحب مسقط میں پیدا ہوئے تھے۔ دادا صاحب بلوچستان سے گیا تھا۔"

بادل بلوچی ہمیں لیے ہوئے میزوں کے درمیان راستہ بناتا خیمے کے پچھلے حصے کی طرف چلا گیا۔

میزوں کے گرد بیٹھے ہوئے لوگ اب اپنے مگوں' گلاسوں اور پیالوں میں جھکے ہوئے چائے کافی کچھ پیتے لگتے تھے۔ میں نے دیکھا ان کے مگ اور گلاس جھڑی ہوئی تام چینی اور پیلے ایلومنیم کے تھے۔ پیالیاں سب کوریں' جھڑی اور بے جوڑ تھیں۔ تام چینی کی کالونچ لگی رکابیوں اور برمی زبان کے پرانے اخباروں پر بھورے بد رنگ آٹے کی گیندیں رکھی تھیں اور بہت سے کھیرے چیرا دیئے ہوئے اور نمک مرچ لگے کھری میز پر پڑے تھے۔

کوئی کوئی ورکر بے دلی سے ان بھوری گیندوں کو اٹھا اٹھا کر کتر رہا تھا ___ کھیروں کو تو میرے دیکھتے کسی نے چھوا بھی نہیں۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہم تینوں بڑے روشن خیمے کو چھوڑ کر اس سے ملی ہوئی باورچیوں کی چھولداری میں آئے۔ چینیوں جیسی صورتوں کے چار آدمی چولہوں پر کچھ گرم کر رہے تھے یا پکا رہے تھے۔

انہوں نے بادل سے کچھ کہا تو معلوم ہوا کہ شکلیں بے شک چینیوں جیسی ہیں مگر وہ چینی نہیں ہیں۔ وہ شکایت کے لہجے میں ہمارے میزبان سے کچھ کہہ رہے تھے۔

بادل نے انہیں دھیرج سے کچھ سمجھاتے ہوئے جواب دیا تھا۔ وہ لوگ ہمارے بارے میں بات کر رہے ہوں گے کیونکہ ان میں سے کوئی بھی ہم سے آنکھ نہیں ملا رہا تھا۔ آخر تھوڑی بحثا بحثی کے بعد چینی دکھائی دینے والوں میں سے ایک نے ہاں میں سر ہلایا اور اپنے ایک ساتھی کو اشارہ کیا جو باہر سے مین فولڈنگ کرسیاں اٹھا لایا جو اس نے دیگوں' چولھوں سے دور ایک صندوق کے پاس بچھا دیں۔ صندوق ایک طرح کی میز بن گیا۔

ہم تینوں بیٹھ چکے تو باورچیوں میں سے ایک بڑے خیمے میں کھلنے والے دروازے میں اسٹول ڈال کے راستہ روک کے بیٹھ گیا۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں ادھر سے کوئی نہ آ جائے ___ دوسرے باورچی جلدی ناشتا تیار کر رہے تھے۔

بادل کہنے لگا۔ "دیگوں والی چائے بے کار ہے۔ یہ آپ لوگ کو نئی چائے بنا کر دے گا۔"

میں نے دھیرے سے کہا۔ "مہربانی ہے تمہاری۔"

وہ بولا۔ "ادھر ہمارا کوئی عمل دخل نہیں ہے دوست۔ یہ لوگ ویسے ہی طبیعت کا اچھا ہے۔ ابھی یہ بولو۔ آپ لوگ دونوں کو ایک انڈا کافی ہوئے گا' چلے گا؟"

رشنا کہنے لگی وہ انڈا نہیں کھاتی۔ انڈے میٹ کے سوا جو بھی ہو گا چلے گا۔ رشنا شاید بودھ تھی۔ میں بھی انڈا گوشت چھوڑ چکا تھا۔ کایا بدل کرنے والے کو انڈا' گوشت' تمباکو' شراب کچھ بھی لینے کی اجازت نہیں تھی۔

ہم نے بلوچی کو سمجھا دیا۔ اس نے باورچیوں کو بتا دیا تو انہوں نے آلو ابالنے کو چڑھا دیے۔

وہ دھیمے لہجے میں باتیں کرتا ہوا اس ناکافی ناشتے کے لیے پیشگی معذرت کرتا رہا جو ابھی ہم دونوں کے سامنے لایا بھی نہیں گیا تھا۔ میں نے کہا کہ بھائی محبت سے جو بھی مل جائے گا نعمتوں سے بڑھ کے ہو گا۔

بلوچی بولا۔ "دوست! بڑا کڑکی ہے ویسے تو سرکس چل ہی نہیں رہا اور جو تھوڑا بہت آتا ہے وہ تینوں آپس میں بانٹ لیتے ہیں۔ وہ لوگ ورکروں کو وعدے وعید کے سوا دیتے ہی نہیں کچھ۔ بے زبان جانوروں تک کو بھوکا مار رکھا ہے۔ وہ لوگ بس سب کو آدھا پیٹ دیتا ہے۔"

میں نے سوچا تینوں سے اس کی مراد وہ تینوں ہوں گے۔ رنگ ماسٹر' باڈی بلڈر اور بیلا بونی۔

اخباروں پر پڑے کھیروں اور آٹے کی گیندوں کو دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی تھی۔ یہ وہ ناشتا تھا جسے رنگ ماسٹر طاقت سے بھرپور ایک دم بم فولادی ناشتا بتا رہا تھا۔

میں نے پوچھا۔ "جب کچھ ملتا ہی نہیں ہے تو سب لوگ کیوں ٹکے ہوئے ہیں؟"

بادل بولا۔ "کدھر جاوے؟ سب لوگ کی شناختی پرچیاں سرکس کے ساتھ ہی ہیں۔ پرچی کے بغیر کہیں کسی جگہ کوئی گھسنے ہی نہیں دے گا۔ دم لیاقت نہیں ہے یہیں کام ملے گا' نہیں کوئی کدھر ٹکنے دے گا۔"

مجھے بونی اور رنگ ماسٹر کی سنگت یاد آ رہی تھی۔ میں نے ویسے ہی کچھ نہ کچھ کہنے کو کہہ دیا کہ یہ دو ایک طرف ہیں اور باڈی بلڈر ایک طرف ہے۔ میرے خیال میں تو وہ زیادہ خطرے میں ہے۔ رنگ ماسٹر کے پستول سے ابھی مرتے مرتے بچا ہے۔

بادل میری بات سن کر ہنسا۔ کہنے لگا۔ "آپ کیا سمجھتے ہو' یہ جو آتو بجار کو گالی نکالی تھی یہ تو سب ناٹک تھا اصل میں تو وہ آتو کی عورت ہے۔ رنگ ماسٹر کو تو پھنسا رکھا ہے۔ یا سمجھو کسی کی بھی نہیں ہے۔ بس کھلی چھوڑی ہوئی ہے۔ تھوڑی دیر کو فلک شیر کے خیمے میں گئی ہے۔ ادھر سے اپنی تسلی کرا کے بجار کے خیمے میں جا کے پڑ جائے گی۔ چوما چاٹی کر کے اس مردار کو منائے گی۔ کمپوڈر کو ٹھنڈے مار مار کے بجار کے بازو پر ایک دم نئی بینڈیج کرائے گی۔ اسے بھلے ہی بخار ہووے نہیں ہووے سر پہ ٹھنڈے پانی کی پٹی رکھے گی پھر شام تک ادھر ہی پڑی سوتی رہے گی۔"

"اور شام کے بعد؟"

"شام کے بعد سرکس کا شو چلے گا۔ شو کے پیچھے وہ فلک شیر کے ٹینٹ میں جا سوئے گی۔ سب کو پتا ہے۔ آتو بجار کے گولی پڑنے کی خبر دینے کو وہ بونا بھاگا بھاگا گیا تو سیدھا رنگ ماسٹر کے ٹینٹ میں گیا تھا۔ سب کو خبر ہے شو کے پیچھے وہ ادھر ہی ہوتی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہے۔"

"عجیب بات ہے!"

بادل بولا۔ "ایسا ہی نظام ہے۔" انتظام کا لفظ کہتے ہوئے اس نے برا منہ بنایا تھا۔

"یہ بتاؤ اب جو گولی چلی ہے اور بجار زخمی ہو گیا ہے تو رنگ ماسٹر کے اس کے بیچ دشمنی نہیں ہو گی؟"

"ہاں برابر دشمنی ہو گئی مگر یہ وقتی ہے۔"

میں نے دھیرے سے کہا۔ "عورت پہ ان کی دشمنی نہیں ہوتی۔ سیبوں پہ ہو گئی۔"

"عورت؟ کیسی عورت؟ وہ عورت مورت نہیں ہے پارٹنر ہے بھئی سمجھے؟ سب چیز میں وہ بھی حصہ بٹاتی ہے۔ ان لوگ کا دوستی دشمنی سب ٹائم ٹائم سے ہوتا ہے۔ کتنی دفعہ وہ مردار اس کو اٹھا کے پھینک چکا ہے کبھی یہ اس پر فیر کرتا ہے کبھی وہ کرتا ہے' مرتا کوئی نہیں' بھاگتا کوئی نہیں۔ ہر بار سیزن ختم ہونے پر یہ لوگ دوست بن جاتا ہے۔ حصہ بخرا کرتا ہے۔ ہم لوگ کو تسلی دیتا ہے۔ بولتا ہے انتظار کرو۔ بونی اپنی کہتی ہے۔ باڈی بلڈر اپنی بولتا ہے۔ میں رنگ ماسٹر کی کمر توڑوں گا بس دیکھتے رہو۔ فلک شیر کہتا ہے آتو بجار کو زندہ نہیں رہنے دینا ہے۔ ابھی یہ بھی ہو سکتا ہے بجار کے خیمے میں اس وقت وہ خود بھی بیٹھا ہو۔ تین گلاس سامنے رکھے اپنا بوتل کھولے لگا پڑا ہو یا کھڑے ہو ہو کے ٹھک ٹھک ایڑی بجا بجا کے بجار کا بونی کا گلاس بھرتا ہووے۔ آنکھ مار مار کے ٹھٹھے لگاتا ہووے۔ ان لوگ کا ہمیشن سے ایسا ہی ہے۔"

اور میں کیا کہتا۔ میں نے کہا۔ "ان کو مار کے نکالو۔ سرکس تو تم ہی لوگ چلا رہے ہو۔ بس چلاتے رہو۔"

بلوچی نے کوئی جواب نہ دیا۔ مجھے اپنی سنجیدہ آنکھوں سے دیکھنے لگا۔ چینیوں جیسے دکھائی دیتے دو بیرے کھانے کی چیزیں اور چائے کی کیتلی گلاس اٹھا کر لا رہے تھے۔ انہوں نے صندوق پر سب چیزیں لگا دیں۔ بادل نے ہمیں اشارہ کیا کہ کرسیاں آگے سرکا لو اور شروع ہو جاؤ۔

آلو کی دال اور پوریاں تھیں۔ زعفرانی رنگ کا حلوہ تھا اور چائے تھی۔

بادل نے بہت کہنے پر ہمارے ساتھ چائے پی لی۔

ناشتے سے فارغ ہو کے چینیوں جیسی صورت والوں کا شکریہ ادا کر کے ہم باورچیوں کے علاقے سے نکل آئے۔

اتنی دیر میں بادل کو ہم نے مختصراً اپنی پریشانی بتا دی تھی کہ کچھ لوگ بے وجہ ہمارے دشمن ہو گئے ہیں انہوں نے پولیس کو کچھ دے دلا کے پیچھے لگا دیا ہے۔ وہ خود بھی اور برما کی پولیس بھی ہماری تلاش میں نکلی ہوئی ہے۔ اگر دن کے دن بلوچی ہمیں پناہ دے دے گا تو ہم موقع ملتے ہی آگے نکل جائیں گے۔

بادل بلوچی دو تین منٹ سر جھکائے خاموش بیٹھا رہا مگر جب سوچنے کے بعد بولا تو اس کے لہجے میں کسی طرح کا شک شبہ نہیں تھا۔ ایک قبائلی مرد کی سی مضبوطی تھی کہنے لگا۔ "زندگی میں پہلی بار تمہارے چہرے پر نگاہ ڈالی ہے دوست! مگر ہم الیکٹریشن ہوں جس طرح نظروں ہی نظروں میں سرکٹ سمجھ لیتا ہوں اس طرح سمجھ گیا ہوں کہ تم ہمارے سے عیاری غداری نہیں کرے گا۔ مرد کا بچہ ہے۔ ایسا ہے کہ وہ تینوں مردار کو تو تم لوگ ابھی یاد بھی نہیں ہوئے گا پی پلا کے دو چار گھنٹے بعد وہ لوگ ٹینٹ سے باہر آئے گا تو تم دونوں کو بالکل بھول چکا ہوئیں گا۔ بڑے خیمے میں سویرے کام سے پہلے جو آدمی اکٹھا ہو گیا جنھوں نے تم کو دیکھا تھا وہ ورکر لوگ ہے۔ دل کا صاف ہے۔ پولیس آ کے کچھ بھی پوچھے گی تو بس انکار میں سر ہلائے گا وہ لوگ' ویسے ہم بھی جا کے بول دوں گا کہ یہ عورت مرد میرا مہمان ہے۔ ان لوگ کا خیال کرنے کا ہے۔"

ہم بے فکر ہو گئے۔ "بس۔ پھر پروا نہیں۔" اچھی طرح روشنی ہو گئی تھی۔ سرکس گراؤنڈ میں صفائی والے اور جانوروں کو خوراک دینے والے پوری طرح مصروف ہو گئے تھے۔ بادل ہمیں چھوٹے خیموں کی بھول بھلیوں میں لے چلا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ عام ورکر بادل کو دیکھ کر مسکراتے ہیں اور سلام کرنے میں پہل کرتے ہیں۔ سرکس کا یہ الیکٹریشن شاید اپنے مزاج کی شرافت کی وجہ سے بہت مقبول تھا۔ یہ چند ہی منٹ میں معلوم ہو چکا تھا کہ اگر کبھی کسی نے کام کرنے والوں کا حق ان لٹیروں سے مانگنے کی ہمت کی تو وہ یہی بلوچی ہو گا۔

ایک خاصے بڑے سایہ دار پنجرے کے پاس جسے سلاخوں کی بجائے بھاری پلائی وڈ اور اسٹیل کی باریک جالی سے بنایا گیا تھا۔ ہم نے ایک دلچسپ چیز دیکھی۔ سبز پتوں اور شاخوں کے ڈیزائین سے پینٹ کیا ہوا ایک دہرا خیمہ تھا جو ایک ہی نظر میں رشنا کی اور میری توجہ کا مرکز بن گیا تھا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہمارا میزبان بادل اس پینٹ کیے ہوئے خیمے کے پاس جا رکا۔ بولا۔ "یہ سانپوں کے بادشاہ ناگی شا کا خیمہ ہے۔" اس نے پلائی وڈ اور جالی والے پنجرے کی طرف اشارہ کیا۔ بولا۔ "اس پنجرے میں اس کے اژدہے' ناگ' سانپ' سنپولئے' کوبرے' موبرے رہتے ہیں۔"

میں نے معنی خیز انداز میں رشنا کی طرف دیکھا۔ رشنا دھیمے دھیمے مسکرانے لگی۔

میں نے اس پینٹ کیے ہوئے خیمے جیسی کوئی چیز کبھی نہیں دیکھی تھی۔ عام سے کینوس کا خیمہ تھا جسے ہر طرف سے سبز' زرد' براؤن' کاہی' دھانی حقیقی فطری رنگوں اور شکلوں میں روغنی پینٹ سے سجا دیا گیا تھا کہ دیکھ کر گھنی جھاڑی کا گمان ہوتا تھا۔ تروتازہ بھی اور سوکھتے ہوئے پتے بھی اور ساتھ میں نئی کونپلیں' شاخیں اور کلیاں اور جنگلی جھاڑیوں کے پھل اس مہارت سے بنائے گئے تھے کہ دیکھ کر طبیعت فرحت محسوس کر سکتی تھی۔ پینٹ تازہ لگتا تھا۔

بادل نے بتایا کہ ناگی شا کے دو ہی شوق ہیں ایک تو سانپ پالنا' سانپ کا تماشا دکھانا اور دوسرا اپنے خیمے کے پتوں' شاخوں' کونپلوں میں جب بھی موقع ملے' نگ بھرنا۔

ناگی شا کا خیمہ دو کمپارٹمنٹ کا تھا۔ یعنی دروازے کے بیچوں بیچ ایک قنات کھینچ دی گئی تھی جس نے خیمے کو دو برابر حصوں میں بانٹ دیا تھا۔ ایک حصے پر پردہ لہرا رہا تھا۔ دوسرے کا پردہ سمٹا ہوا تھا۔ اس پردے پر ریلوے اسٹیشنوں کے ہاتھ رومز وغیرہ پر کالے پینٹ سے بنے عورت مرد کے پتلوں جیسے نقش بنے ہوئے تھے یعنی یہ حصہ مردانہ اور وہ زنانہ ہے۔

بادل نے اشارے سے بتایا کہ زنانہ حصے میں ناگی شا کی بیٹی رہتی ہے جو اس کی اسسٹنٹ بھی ہے۔

بادل کی آواز پر اپنے خیمے کے کسی کونے کھدرے سے جو نکل کے آیا وہ عجیب وضع کے کپڑے پہنے تھا۔

فلمی خانہ بدوشوں کو تو شوخ رنگ سارٹن کی شلوار' نکا اور پھولی ہوئی گھیر دار آستینوں والی چوڑے کالر کی جھلملاتی قمیص پہنائی جاتی ہے اور سر سے شوخ رنگ کا ریشمی رومال باندھا جاتا ہے۔ یہ شخص جو مسکراتا ہوا برآمد ہوا دھاری دار صوفیانہ رنگوں میں بھاری سرج کی گھیر دار شلوار سیاہ سانپ کے چمڑے کی چوڑی بیلٹ' گہرے نیلے رنگ کی سنجیدہ سی خانہ بدوش قمیص' سیاہ چمکیلے کپڑے کا رومال اور شوخ سبز کاہی دھانی رنگوں کی

واسکٹ پہنے تھا۔ واسکٹ کے کپڑے پر پتوں سے بھری گھنی جھاڑی کا وہی ڈیزائن بنا تھا جو ناگی شا کے خیمے پر دہرایا گیا تھا۔

میں نے دل میں سوچا جھاڑی سے نکل کر آتے سانپوں کے بادشاہ کو ایسا ہی لباس پہننا چاہیے۔ لگتا تھا ایک قد آدم سانپ دو ٹانگوں پر چلتا جھاڑی سے برآمد ہو رہا ہے۔

ناگی شا مسکراتا ہوا نکلا اور اس نے دونوں ہاتھ پھیلا کر بادل بلوچی کا استقبال کیا۔ "آؤ میرے باشا آؤ بادل شا۔ سویرے سویرے کیسے نکل پڑے میرے باشا۔" دونوں میں بہت مراسم ہوں گے۔ ادھر بادل بڑھ کر ناگی شا سے بغل گیر ہوا۔

ناگی نے معانقہ کرتے ہوئے کہا اس کے شانے پر سے میری طرف دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ "خوش آمدید باشا۔ آپ کون ہو؟"

بادل بلوچ نے ابھی میرے تعارف میں کہنا ہی شروع کیا تھا کہ یہ ہمارے مہمان ہیں کہ اچانک ناگی شا کی نظر رشنا پر پڑی اور اس کی ہنسی ایک دم رخصت ہو گئی۔ چہرہ ست گیا اور تکلیف یا سخت حیرت میں "ہہ!" کہہ کر وہ بلوچی کے کندھے سے چمک کر ایسے ہٹا جیسے بجلی کے زندہ تار سے بچنے کو ہٹا ہو۔

بادل اس کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ ناگی شا نے گھبرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "بادل! بادل! یہ کون ہے؟ یہ مرد کے پیچھے کون کھڑا ہے؟"

بادل نے خفگی سے کہا۔ "ناگی! تجھے نہیں دکھتا کون ہے۔ ارے عورت ہے۔ میرے مہمان کی عورت۔"

"نہیں۔ نہیں۔ او باشا نہیں۔ بالکل نہیں۔ عورت نہیں سانپ۔ مرشد کی قسم سانپ ہے۔ ہرنے درخت کا بیلارا سانپ ___ کبھی ایسا نہیں دیکھا عورت کی جون میں بیلارا۔ اے میرے مرشد مولا۔ یہ کدھر سے آیا؟ بیلارا۔ او بابا کدھر سے آیا بیلارا۔"

اور اسی طرح چیختا بک بک کرتا دوڑ کر اپنے خیمے میں جا چھپا۔

"یا الٰہی۔" میں نے سوچا۔ "اب یہ کیا مصیبت آ گئی۔"

رشنا نے میری طرف دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں کہا کہ یہ کوئی کر جاننے والا جانکار ہے۔ ہم غلط آ گئے۔ یہاں سے نکلنے کی کرو۔

بادل نے خیمے میں آواز دی۔ "ناگی شاہ۔ او ناگی! ادھر آ بھئی کیا تو پاگل ہو رہا ہے؟ صبح ہی صبح نشہ تو نہیں کیا تو نے؟"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اندر سے اس کی گھٹی ہوئی آواز آئی۔ "تو نہیں سمجھتا۔ مرشد کی قسم تجھے کچھ پتا ہی نہیں بادل شا۔"

بادل کو طرارہ آ گیا۔ "یہ تم کس نمونے کا آدمی ہے؟ تمہارے ٹینٹ کے سامنے مہمان آیا کھڑا ہے اور تم پاگل چریا آدمی جیسا بات کرتے ہو۔ یہ کیسا بے شرمی ہے؟"

ناگی شا کے ٹینٹ کے زنانہ کمپارٹمنٹ پر ڈالا ہوا پردہ ہلا۔ ہلکے اور سنہرے سبک رنگ کا ڈریسنگ گاؤن پہنے لمبے قد کی ایک لڑکی خوش مزاجی سے آنکھیں ملتی جماہیاں لیتی پردہ ہٹا کر باہر آئی۔

"ہاں بادل کیا ہوا؟"

بادل کی جھونجھل اسے دیکھ کر کم ہو گئی۔ بلکہ وہ ہلکے سے مسکرایا بھی بولا۔ "ناگی شا کو خبر نہیں کیا ہو گیا ہے۔ میں مہمانوں کو تمہارے ٹینٹ پر لایا ہوں اور وہ مہمان عورت کو سانپ بولتا ہوا اندر چھپ گیا ہے۔"

اندر سے ناگی پکار کر کہنے لگا۔ "سانپ نہیں بولا۔ بے بی! بیلارا بولا ہے۔ دیکھ لے اگر تیری سمجھ میں آئے تو۔ عورت کے بھیس میں بیلارا ہے تو خود ہی دیکھ لے بے بی۔"

لڑکی نے مسکرا کر رشنا کی طرف دیکھا۔ اسے آنکھ مار کر دھیرے سے بولی۔ "بابا کی بات کا برا مت ماننا بی بی! تم آ جاؤ میرے ساتھ۔" پھر وہ چیخ کر باپ سے کہنے لگی۔ "بابا رے بیلارا ہوا بھی تو میرا تمہارا کیا بگاڑے گا۔ ہم کو مرشد کی دعا ہے۔ میں عورت کو لے جا رہی ہوں ساتھ۔ تم اس کے مرد کو دیکھو، کچھ کھلانے پلانے آرام دینے کا سوچو۔ ایسی بات بول کے مہمان کو ناراض تو نہ کرو۔"

ناگی شا بیٹی کے جانے کے بعد بھی ایک دو منٹ بعد تک اپنے ٹینٹ میں چھپا رہا پھر آیا تو بیٹی کے کمپارٹمنٹ کی طرف چوکنا ہو کر دیکھتا دھیرے دھیرے قدم رکھتا ہوا آیا مگر اب وہ خوف زدہ نہیں تھا۔ ہلکی مسکراہٹ اس کے چہرے پر تھی۔ میرے پاس آ کھڑا ہوا اور اولاد پر فخر کرنے والے باپ کی طرح لیکن آواز دبا کر بولا۔ "دیکھا میری بے بی کو؟ کیسی دلیر، شیر کی بچی ہے؟ لے گئی اپنے ساتھ بیلارا کو۔"

بادل نے اس کے کندھے پر تھوڑی خوش مزاجی، تھوڑی جھونجھل سے ہاتھ مار کر کہا۔ "ناگی شا! اب یہ چریا جیسی بات ختم کرو۔ مہمان سے تمیز سے بات کرو۔ تم بچہ

نہیں ہے جو ابھی بھی کھیل تماشے کرتا ہے۔"

"ناگی شا نے بادل کے شرم دلانے، ڈانٹنے پر بڑھ کے مجھ سے معانقہ کیا مگر وہ مجھے گلے لگاتے ہوئے سوں سوں کر کے جیسے میرے بدن کو سونگھے جا رہا تھا۔ گلے مل کر الگ ہوا تو رازداری سے بولا۔ "تمہاری تو وہ عورت ہے باشا۔ تم تو سمجھو اس کو سونگھ چکھ کے بیٹھے ہو۔ مرشد کی قسم تمہیں بتاؤ تو بھلا کیا اس کے پاس سے جلتی ہوئی شکر کی بو نہیں آتی؟ قسم تمہیں مرشد کی بتاؤ؟ ارے بیلارا کی ____"

بادل نے ہاتھ بڑھا کر اب ناگی شا کا گال تھپتھپا دیا اور روکھے پن سے کہا۔ "بس کرو ناگی۔ بس بہت ہو گیا۔"

بادل نے بات اتنی قطعیت سے کہی تھی کہ ناگی سن کر اور اس کے تیور کو دیکھ کر اب قابو میں آ گیا۔ وہ ہمیں اندر ٹینٹ میں لے گیا۔ بادل بلوچ نے اسے بتایا کہ ہم دونوں ناشتا کر کے آئے ہیں۔ رات کے جاگے ہوئے ہیں ناگی اگر ہمارے سونے کا بندوبست کر دے گا تو بہت اچھا ہو گا۔

ناگی شا کا خیمہ اندر سے ایسے سجا تھا جیسے شکار کے لیے نکلے ہوئے کسی چھوٹے موٹے نواب یا راجے کا خیمہ ہو۔ بہت سی قیمتی چیزیں بے ترتیبی سے رکھی تھیں۔ ایک جانب مہاگنی کی لکڑی سے بنا اسکرین تھا جس میں ہاتھی دانت کے ٹکڑوں سے پھول پتیاں اور جانوروں کی شبیہیں جڑی ہوئی تھیں۔ اسکرین کے پیچھے ہلکی مگر شان دار مسہری تھی جسے شکاری خیموں کے حساب سے قدرے تنگ بنایا گیا تھا۔ یہ شاید فولڈ بھی کی جا سکتی ہو گی۔ مسہری کے پاس پتائیاں اور فٹ اسٹول رکھے تھے ان کا مسہری سے یا خیمے کے دوسرے فرنیچر سے کوئی جوڑ نہیں بیٹھ رہا تھا مگر تھے سبھی قیمتی۔ خیمے کی ہر چیز کا یہی حال تھا۔

مجھے ناگی شا نے اونچی پشت کی ہتھوں والی کرسی پر جا بٹھایا۔ خود ایک آرام کرسی میں نیم دراز ہو گیا۔ بادل بلوچ مخمل کی گدیوں والے دیوان پر چوڑا ہو کر جا بیٹھا۔ بادل نے مختصراً بتا دیا کہ ہم سرکس گراؤنڈ تک کس طرح آئے ہیں۔

ناگی شا نے مجھے جس کرسی پر بٹھایا تھا اس کے ہتھوں کو اس طرح بنایا گیا تھا جیسے کالا چیتا شکار پر گھات لگائے بس جست کرنے ہی والا ہو۔ میں نے ہتھوں پر ہاتھ پھیر کر کاری گری کی تعریف کی تو ناگی شا بولا۔ "یہ کرسی حضور مہاراجا بریٹھا پور نے اس خادم کو گفٹ کی تھی۔"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

میں نے ایسی شکل بنالی جیسے مجھ پر بڑا رعب پڑ رہا ہو۔ یہ دیکھ کر ناگی شا شروع ہو گیا اور ٹینٹ میں سجی ایک ایک چیز کی تاریخ بتانے لگا کہ یہ پارچہ قالین اس وقت ہاتھ آیا تھا جب رایان صاحب فلاں نگر نے میرے ایک تماشے پر خوش ہو کر کہا تھا کہ مانگ کیا مانگتا ہے اور میں نے رایان صاحب کے نیچے بچھے اس قالین پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ وہ شیشہ اسٹینڈ بیگم صاحبہ ڈولا گنج کی عطا ہے۔ نہاتی ہوئی عورت کی یہ پینٹنگ ایک انگریز میجر صاحب نے گفٹ کی تھی۔ یہ گل دان فلاں نے دیا تھا۔ غرض ناگی شا کے ٹینٹ کی ہر چیز کسی نہ کسی قدر دان کا تحفہ تھی اور ناگی شا کے قدر دانوں میں جاگیرداروں' رجواڑوں اور حاکموں سے لے کے ڈیرے دار طوائفیں اور علاقے کے پولیس افسر تک شامل تھے۔ ہر ایک نے اپنے مزاج یا ناگی شا کی پسند کے مطابق تحفہ دیا تھا۔ صاف معلوم ہو گیا تھا کہ ناگی شا کی پسند ناپسند کا بھی کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔

اب جب کہ کچھ دیر میں نے وہاں گزاری تھی مجھے وہ خیمہ شکار پر نکلے ہوئے راجے نواب کا نہیں کسی بڑھیا قسم کے کباڑیے کا سٹور لگتا تھا۔

پانچ دس منٹ تک ادھر ادھر کی باتیں کرنے اور اپنے ٹینٹ کی ہسٹری بتانے کے بعد ناگی شا مجھے مہاگنی کے اسٹینڈ کے عقب میں بچھی رجواڑا ٹائپ مسہری کے پاس لے گیا اور اس کی تاریخ بتانے کے بعد بولا۔ "او باشا۔ آرام کرو۔ پان سات گھنٹے کے لیے یہ مسہری میں نے آپ کو گفٹ کی ہے۔ اگر جلدی اٹھ جاؤ تو میرے ساتھ لنچ بھی کر لینا نہیں تو آپ اور آپ کی بیلا رانی بیگم الگ اپنا کھانا چائے کر لینا ہم دونوں باپ بیٹی آج شام میں تماشے کی ریہرسل کریں گے۔"

ناگی شا اور بادل بلوچ مجھے خیمے کے اس حصے میں چھوڑ کر چلے گئے۔ اس وقت میں نے ہلکی آواز میں ٹیپ ریکارڈرز بجائے جانے کی اور لڑکیوں کے ہلکے ہلکے ہنسنے' باتیں کرنے کی آوازیں سنیں۔ رشنا اور ناگی شا کی بیٹی میں لگتا تھا خوب دوستی ہو گئی ہے۔

ایک بار رشنا اونچی آواز میں ہنسی اور ساتھ ہی ٹیپ کی آواز بڑھ گئی۔ پرانا گیت گایا جا رہا تھا۔ "سرو تا کہاں بھولیائے پیارے ننا دوئیا" رشنا نے ہنس کر پوچھا۔ "سرو تا کیا ہوتا ہے؟" پھر وہ اور ناگی کی بیٹی ہنسنے لگیں۔

نہ معلوم کس وقت میری آنکھ لگ گئی۔ جرمن سفارتخانے کے رہائشی علاقے سے جس ہیجان اور پریشانی میں فرار ہوا تھا کچھ اس کی تھکن کچھ رات بھر کی جگار میں جو میں سویا تو شام کر دی۔ آنکھ کھلی تو خیمے کے کھلے پردے سے جاتی سرخ نارنجی اور سنہری

دھوپ خیمے میں جھانک رہی تھی۔ پہلے چند لمحوں میں تو خبر نہ ہوئی سمجھ ہی میں نہ آیا کہ میں سرکس کے کس خیمے میں کیوں ہوں۔ پھر مسہری کے قریب کرسی پر کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ میں نے کروٹ بدلی اور اٹھ بیٹھا۔ رشنا ایک دم تر و تازہ اور مسکراتی ہوئی بیٹھی مجھے دیکھے جا رہی تھی۔

رشنا۔ دیوانی لڑکی۔ میں نے یاد کیا۔ یہ اس لڑکی مورنی کی ہونے والی بھابی ہے مورنی جو سخت زخمی ہونے کے بعد مانگ یان کالج میں محصور ہو گئی تھی اور پھر مغربی ملکوں کی مداخلت کے نتیجے میں محاصرہ ہٹا لیا گیا تھا۔ ایمبولینس اس مورنی اور بابا کی پوتی کوسومی کے ساتھ میرے ہم وطن ساتھی میر باز خان کو لے کر عافیت سے نکل گئی تھی۔ اگر یہ دیوانی رشنا نہ ہوتی تو مداری بابا کے دشمن اس قبائلی جنگلے کے بدمعاش بیٹے رامل نے مجھے ختم ہی کر دیا ہوتا۔ یہ وہی رامل تھا جسے ہمارے کاکسیز بازار کے پچھواڑے ہونے والے واقعے میں بابا نے ریچھ کے قالب میں آکر زخمی کر دیا تھا۔ اب تک تو یہ رامل مجھے بے ہوشی کی حالت میں ختم کرنے کے بعد بورے میں بند کر کے پانی میں پھینک بھی چکا ہوتا۔ رشنا نے بہت ہشیاری سے کام لیا تھا۔ اس نے میری جان بچائی تھی۔

میں نے رشنا کی طرف مسکرا کر دیکھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اپنی انگلیاں میرے بالوں میں الجھا دیں اور بڑی اپنائیت سے ایک لفظ کہا۔ "سردار۔"

"پاگل ہے تو تو ___ اور وہ مورنی بھی باؤلی ہے ___ میں بھلا کس بات کا سردار ہوں؟"

میں نے چھیڑنے کو کہہ دیا۔ "وہ ہے نا جنگلے سرپنچ کا بیٹا رامل سردار۔"

رشنا نے مجھے گھور کے دیکھا اور نیولے کی طرح خی خی کی آواز نکال کر بولی۔

"رامل کی بھین کا یہ کاوہ کا فش ٹولا! وہ کدھر سے آیا سردار۔"

ہم دونوں کچھ دیر ہلکے پھلکے موڈ میں اسی طرح باتیں کرتے رہے پھر بھوک لگی تو کھانے کی تلاش میں سانپوں کے بادشاہ کے ٹینٹ سے نکلے۔ سانپوں والے کے ٹینٹ کے باہر لکڑی کے موٹے کندے پر بیٹھی گیارہ بارہ برس کی ایک لڑکی ہمیں دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ رشنا نے بتایا یہ ناگی شا کی بیٹی روکسانا کی شاگرد لڑکی ہے۔ روکسانا کہہ گئی ہے یہی ہمارے کھانے پینے کا بندوبست کر دے گی۔ روکسانا کی شاگرد شاید ہماری زبان نہیں جانتی تھی۔ وہ اشارے سے ہمیں پیچھے آنے کو کہتی ہوئی ایک طرف چل پڑی۔

روکسانا کی شاگرد ہمیں اپنے ماں باپ کے ٹینٹ میں لے گئی۔ یہ بہت غریب سا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ٹینٹ تھا مگر میز پر اچھا خاصا کھانے پینے کا سامان سجا ہوا تھا۔ وہاں شاگرد لڑکی کے ماں باپ میں سے اس وقت کوئی نہیں تھا۔ لڑکی نے ہمیں بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خیمے سے نکل گئی۔ اس کے دوڑنے کی آواز سن کر ہم صبر اور سکون سے بیٹھ گئے۔ ہم سمجھے تھے وہ شاید اپنے ماں باپ کو بلانے گئی ہے مگر پانچ سات منٹ بعد وہ جو واپس آئی تو چینیوں جیسی شکل کا ایک کک اس کے ساتھ تھا۔ کک تام چینی کی کیتلی اور دو فنجان اٹھائے آیا تھا۔ اس نے چائے کے برتن میز پر سجا دیے اور ہمیں اشارے سے کھانا شروع کرنے کا کہہ کر چلا گیا۔ لڑکی کچھ دور پیچھے اسٹول پر جا بیٹھی اور ہمیں کھاتے دیکھتی رہی۔ وہ کچھ دیر بعد آتی اور جائزہ لے کر چلی جاتی کہ کہیں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے۔

بھوکے تھے اور بہت دیر بعد کھا رہے تھے ہم نے خوب سیر ہو کر کھایا۔

کھا پی کر شاگرد لڑکی کے خیمے سے نکلے اور ہم سرکس گراؤنڈ کا جائزہ لینے کو ایک طرف چل پڑے۔ لڑکی برتن سنبھالنے میں لگی تھی۔ ہمیں اس طرح جاتے دیکھا تو دوڑ کر آئی اور راستہ روک کے کھڑی ہو گئی۔ اس نے اشارے سے بتایا کہ ناگی شا اور بادل بلوچی دونوں تاکید کر گئے ہیں کہ ہم لوگ سرکس گراؤنڈ میں کہیں ادھر ادھر نہ نکلیں۔ کھانے پینے کے بعد سیدھے ناگی شا کے خیمے میں جائیں۔ رشنا اس لڑکی کے اشارے مجھ سے زیادہ سمجھ رہی تھی۔ جب اس نے یہ بتایا کہ ہر حال میں ہمیں ناگی کے ٹینٹ میں واپس چلنا ہے تو پھر میں نے حجت نہ کی۔

اندھیرا ہونے تک ہم دونوں ناگی شا کے شان دار بے جوڑ فرنیچر میں گھرے ہوئے ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ رشنا میرے گھر والوں کے بارے میں جاننا چاہتی تھی۔ میں اس کی شادی اور مورنی کے بھائی یعنی رشنا کے ہونے والے شوہر کے بارے میں پوچھتا رہا۔ رشنا بتانے لگی کہ وہ بس ٹھیک ٹھاک ہی آدمی ہے۔ دل کا کھرا ہے مگر اپنے آپ میں مگن رہتا ہے۔ کسی اور کی پروا نہیں ہوتی اسے۔ وہ بولی۔ "سردار! تجھ ایسی کوئی بات نہیں اس میں۔ بس ایسا ہے کہ شادی کر کے مجھے دو تین بچے دے دے گا۔ روٹی کپڑے کا کرتا رہے گا ساری زندگی۔"

میں نے پوچھا۔ "یہ بتا اور کیا چاہیے ہوتا ہے زندگی میں۔ کھرا آدمی ہے۔ خیال رکھے گا۔ بچے پیدا کرا دے گا اور کیا چاہیے تجھے؟"

کہنے لگی۔ "وہ ماشوک تو نہیں نا بن سکتا میرا۔ جیسا تو ہے۔"

میں نے اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگائی۔ "رشنا! تو سرکس والوں کی طرح

بات نہ کر۔ یہ تو مجھے سب ہی کھسکے ہوئے پاگل لگتے ہیں۔ ارے لڑکی! زندہ رہنے کے لیے سرکس کا دھوم دھڑکا نہیں چاہیے۔ بس گزارے والا کام ہو جائے تو عمر بسر ہو جاتی ہے۔"

پھر رشنا نے عجیب بات کہی۔ وہ میری طرف سرک آئی۔ بالکل بھڑ کر بیٹھ گئی۔ بولی۔ "ایک بات تو خوب سوچ کر مجھے بتانا۔ ابھی نہیں چاہے میری شادی کے بعد جواب دے دینا مگر جواب دینا ضرور۔"

میں نے پوچھا۔ "ہاں۔ بول کیا بات ہے؟"

کہنے لگی۔ "ایک لڑکا مجھے تیرا چاہیے۔ سمجھا تجھ سے چاہیے۔ دے گا؟"

میں نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا خیمے میں قیمتی بے ڈھب چیزوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔ "یہ کیا بکتی ہے؟ رشنا تو فضول باتیں مت کیا کر۔"

وہ سنجیدہ تھی کہنے لگی۔ "چوری چھپے کا نہیں لوں گی۔ اپنے آدمی کو راضی کر کے اس سے پوچھ کے لوں گی۔"

"ماری جائے گی تو۔ اپنے آدمی سے ایسی بات کہنا بھی مت۔ وہ گردن کاٹ دے گا تیری۔"

رشنا ہنسی۔ "کوئی نہیں کاٹتا گردن وردن۔ بس معمولی ناراض ہوئے گا۔ ایک دو روز بات نہیں کرے گا مجھ سے۔ میں منالوں گی تو وہ ہاں بول دے گا۔ بتایا نا دل کا کھرا ہے وہ۔"

مجھے اس کی یہ بات اور بھی عجیب لگی۔ "اچھا؟ وہ دل کا کھرا ہے تو اس کے ساتھ یہ کرے گی؟"

"اس کے ساتھ کچھ نہیں کروں گی۔ یہ تو میرا اپنا شوق ہے۔ ہمارے لوگ ان باتوں پہ ایسا شور شرابا نہیں کرتے۔"

مجھے یاد آیا۔ پہلے بھی میں ایسی بات ان کے قبیلے کے بارے میں سن چکا تھا پھر بھی مجھے اس میں اپنی توہین ہوتی نظر آئی تھی۔ میں نے کہا۔ "سن! اس بات کو پھر کبھی نہ دہرانا۔ اب تو تو نے کہی ہے۔ آگے بالکل مت کہنا ___ میں جنگلوں میں نہیں پروان چڑھا ہوں۔ میرا اک کنبہ ایک قبیلہ ہے۔ میری اولاد ہو گی تو وہ اس کنبے قبیلے کا حصہ ہو گی۔ ہم لوگ اپنے کنبے کو اس طرح بانٹتے پھینکتے نہیں پھرتے۔"

مجھے اپنے بابا یاد آئے جو اس وقت اپنی اس اولاد کو مجھے مشرقی پاکستان میں اور

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

شاید برما میں ڈھونڈتے پھر رہے ہوں گے۔ میرا چہرہ دیکھ کر اس بے وقوف لڑکی کو اندازہ ہو گیا کہ جو بات میں کہہ رہا ہوں اس میں کسی طرح کا شک و شبہ نہیں ہے۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر میرا ہاتھ تھام لیا اور جھک کے میرا رخسار چوم لیا۔

اسی وقت خیمے کی ہلکی روشنی ایک دم تیز ہو گئی۔ کوئی طاقت ور ٹارچ لیے ناگی شا کے خیمے میں داخل ہوا تھا۔

یہ روکسانا تھی۔ ناگی شا کی بیٹی۔ اس کی سانسیں پھولی ہوئی تھیں۔ لگتا تھا دوڑتی ہوئی آئی ہے۔ رشنا کو اور مجھے ایسی بے تکلفی سے بیٹھے دیکھ کر وہ ٹھٹکی پھر بولی۔ "معاف کرنا' ایک دم گھسی چلی آئی۔ اجازت نہیں لی مگر بہت کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے۔ تم دونوں کو پوچھتے ہوئے کوئی لوگ آئے ہیں۔ وردی تو نہیں پہنے مگر وہ کہہ رہے ہیں ہم سرکاری لوگ ہیں۔ پولیس جاسوس ہیں۔"

رشنا اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ بولی۔ "بکواس کر رہے ہیں۔ وہ سرکاری نہیں ہیں۔ ہمارے دشمنوں کے آدمی ہیں۔"

"اس لیے تو۔" روکسانا بولی۔ "اس لیے بادل نے مجھے بھیجا ہے۔ وہ کہتا ہے ہمارا یہ ٹینٹ سب سے حفاظت والی جگہ ہے۔ میں روشنی بند کر کے ٹینٹ کے پردے گرا کے چلی جاتی ہوں۔ آپ دونوں خاموش بیٹھے رہنا۔ ہم کوئی بندوبست کر رہے ہیں۔ پریشان مت ہونا۔"

روکسانا نے ٹینٹ کی روشنی بجھا دی تھی۔ اس کے جاتے ہی میں نے ہاتھوں پیروں سے ٹٹولتے ہوئے خیمے کا ایک چکر لگایا۔ یہاں اتنا زیادہ سامان تھا کہ دشمن گھس آیا تو میں لڑکی اور اپنا دفاع نہیں کر پاؤں گا۔ مجھے کھلی جگہ چاہیے۔ یہ تنگ جگہ اور کاٹھ کباڑ ان آنے والوں کو نہیں روک سکے گا۔ وہ تو آتے ہی روشنی کریں گے اور چیزوں سے ٹکرائے بغیر سیدھے ہمیں آدبوچیں گے۔ یا ہو سکتا ہے گولی مار دیں۔

رشنا نے مجھے خیمے کا جائزہ لیتے محسوس کر لیا۔ وہ بے آواز چلتی ہوئی میرے پاس پہنچی اور میرے کان سے منہ لگا کے کہنے لگی۔ "جگہ ٹھیک نہیں ہے شیر! کھلے میں ہم زیادہ اچھے رہیں گے۔"

میں نے کہا۔ "ہاں ___ پہلے میں باہر جا کے یہ دیکھتا ہوں کہ نکلنے کا راستہ کون سا ٹھیک رہے گا۔"

وہ بولی۔ "یہ کام تو بیلارا زیادہ اچھی طرح کرے گی۔ میں سانپ کی کایا میں نکلتی

ہوں اور دیکھ بھال کے آ جاتی ہوں۔"

اس نے سانپ کی جگہ بیلارا کہا تھا جو نام ناگی شا نے استعمال کیا تھا۔ میں نے اسے سمجھایا کہ سانپ کی جون میں آ کے وہ بے شک دشمنوں کی نظروں سے بچی رہے گی لیکن سرکس کے شو کا وقت ہو چلا ہے۔ ادھر خیموں میں' پنجروں کے آس پاس چہل پہل شروع ہے۔ وہ کسی کے پیروں میں نہ آ جائے۔ سرکس کے جانور لائے لے جائے جا رہے ہیں۔ جانوروں کی جھپٹ میں آ کے وہ زخمی نہ ہو جائے۔ مجھے مورنی بے چاری کے ساتھ ہونے والی باتیں یاد آ رہی تھیں۔

رشنا کہنے لگی۔ "اگر کسی نے دیکھ بھی لیا تو سمجھے گا ناگی شا کا کوئی سانپ نکل بھاگا ہے۔ کوئی شور ہو گا جانوروں کے کھروں و ٹاپوں سے اور لائی لے جاتی پنجرہ گاڑیوں سے میں ہشیار رہوں گی۔ مگر شیر! یہ سمجھ لو تم اگر نکلے تو دیکھ لیے جاؤ گے۔"

وہ میرے برابر کھڑے سے بیٹھ گئی اور میں سمجھ گیا کہ وہ اب انسان سے سانپ بن چکی ہے۔ تھوڑی دیر بعد میں کمرے میں اکیلا رہ گیا۔

آدمی اکیلا ہو تو دل میں ہزار طرح کے وسوسے آتے ہیں۔ مجھے اپنا کوئی خوف نہیں تھا۔ میں تو ٹینٹ میں چھپا بیٹھا تھا۔ وہ لڑکی رشنا اگر انسان کی کایا میں تھی اور اگر دوسرے جاندار کی کایا میں تھی تو دونوں ہی صورتوں میں وہ خطرے میں تھی۔ میں نے خود کو ملامت کی کہ اس کا کہا ایک دم ہی کیوں مان لیا۔ مجھے سوچنا چاہیے تھا لڑکیوں کو مردوں کے کام پر نکل جانے دیا۔ یہ اچھا نہیں کیا میں نے۔

آدھے گھنٹے سے زیادہ ہو گیا تھا۔ اب مجھے خیمے کی پناہ میں بیٹھنا دوبھر ہو رہا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ آخر کس صورت سے باہر جاؤں۔ اجنبی آدمی کو تو وہ تلاش کر رہے ہیں میں اگر شیر کا قالب اختیار کرتا ہوں تو دیکھنے والوں کو کوئی خاص حیرت بھی نہیں ہو گی۔ ہم سرکس میں ہیں شیر یہاں برابر چلے گا۔

میں نے اور وقت ضائع نہ کیا ناگی شا کے قالین پر خود کو شیر علی بنگش سے شیر نر بنایا اور ٹینٹ سے باہر نکل آیا۔

دور سرکس کا بینڈ بج رہا تھا اور تماشے والے بڑے ٹینٹ کی روشنیوں سے سرکس گراؤنڈ کا یہ رخ ایک دم اجلا ہو رہا تھا۔ میں نے ناگی شا کے ٹینٹ سے نکل کے دیکھا۔ اس کی سانپوں والی پنجرا گاڑی یہاں سے ہٹا دی گئی تھی۔ دونوں باپ بیٹی ریہرسل کے بعد اب شو کی اصل تیاری میں ہوں گے اسی لیے سانپوں کا پنجرا۔ کھیل دکھانے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

والے اصل خیمے کے پاس لے جایا گیا ہے۔

میں ابھی جانے کے لیے کوئی مناسب سمت سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک سامنے سے شو کے زرق برق کپڑے پہنے شتر مرغ کے پروں سے سجا انوکھا سا ہیٹ لگائے روکسانا اپنے خیمے کی طرف بڑھتی نظر آئی۔ اس کی بیلٹ میں چھوٹا ٹیپ ریکارڈر لگا تھا۔ اونچی آواز میں وہی پرانا گانا بج رہا تھا۔ "سروتا کہاں بھولیائے۔" میں نے خود کو ایک چھولداری کی اوٹ میں کر لیا۔ روکسانا تیزی سے بڑھی آ رہی تھی۔ وہ یقیناً ہمیں کوئی اہم خبر سنانے آ رہی ہو گی۔ میں نے سوچا خود کو انسان بنالوں۔ واپس خیمے میں چلا جاؤں ورنہ ہم دونوں کو وہاں نہ پا کر روکسانا الجھن میں پڑ جائے گی۔ پھر وہ بات جاننا بھی ضروری تھی جو روکسانا سنانے آ رہی ہو گی۔ ابھی میں اچھی طرح اوٹ میں ہو کر خود کو دوبارہ شیر علی بنگش ہونے کا حکم دے بھی نہیں پایا تھا کہ روکسانا ٹھٹک کر کھڑی ہو گئی۔ وہ فرش زمین کو بہت محویت سے تکے جا رہی تھی۔ پھر اس نے اپنی پشت کی طرف ہاتھ لے جا کر کمر سے ایک دوشاخہ چھڑی نکالی جس میں سرخ نیلے پیلے نگ جڑے ہوئے تھے۔ یہ سپیروں کی دو شاخہ چھڑی تھی مگر کیونکہ سرکس کے شو میں ناگوں کو پکڑنے اٹھانے میں استعمال کی جاتی تھی اس لیے خوب جھلملاتی سجائی ہوئی بنائی گئی تھی۔ روکسانا نے بہت احتیاط اور مہارت سے اپنی وہ جگمگاتی چھڑی چلائی اور کہیں زمین پر سے سبز رنگ کے ایک چھوٹے سانپ کو اس کا پھن قابو کر کے اٹھالیا۔

اوہ خدا! یہ تو رشنا تھی۔ سبز سانپ کی کایا میں وہ لڑکی رشنا تھی جسے ناگی شا کی بیٹی روکسانا نے اپنی چھڑی سے پکڑ کر قابو کر لیا تھا۔

کیا کروں؟ میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔ کیا میں شیر علی بن کر روکسانا کے سامنے چلا جاؤں۔ اسے آمادہ کروں کہ وہ سبز بیلارا سانپ کو جسے ابھی اس نے پکڑا ہے چھوڑ دے؟ مگر وہ پوچھے گی کیوں؟ میں کیا جواب دوں گا؟ یہ بات تو کسی کو بتائی نہیں جا سکتی تھی کہ رشنا نے سانپ کا جسم اختیار کیا ہوا ہے۔ اگر کایا بدلنے کا راز اسی طرح ایک دو آدمیوں کو اور معلوم ہو گیا تو پھر سورج ڈوبتے ہی رشنا بے چاری کی موت یقینی ہے۔ کیا خبر کس پل یہ راز چھپے کے بعد ساتویں آدمی کو معلوم ہو جائے' پھر ساتویں کو معلوم ہوتے ہی کسی طلسم سی ساحرانہ انتظام سے کایا بدلنے والا انسان سورج ڈوبتے ہی پیلا پڑ جائے گا اور دیکھتے ہی دیکھتے ختم ہو جائے گا۔

میں اگر شیر بنا ہی بنا روکسانا کے سامنے آ جاؤں تو کیسا رہے؟ وہ اچانک اپنے

سامنے پنجرے کے بغیر کھلا شیر دیکھے گی تو شاید گھبرا کے ہاتھ سے لپٹے ہوئے سبز بیلارا سانپ کو رشنا کو۔ چھوڑ دے گی۔

میں نے کھلے میں نکلنے سے پہلے اپنی آواز سنانی چاہی اور بنگالی شیر کی بیزار سی اووو نہہ کی آواز نکالی۔ روکسانا پر اس آواز کا کوئی اثر ہوا یا نہیں یہ مجھے نہ معلوم ہو سکا کیونکہ رائل بنگال ٹائیگر کی میری ایک اووو نہہ کے ساتھ ہی بہت کچھ ہو گیا۔ سات فٹ اونچے سامان کے کریٹ کے پیچھے چھپے کالی جرسیوں پتلونوں والے دو آدمیوں نے جھپٹ کر روکسانا کو جالیا۔ ایک نے پیچھے سے خوف زدہ لڑکی کی گردن میں اپنی بانہہ ڈال کر اسے کھینچ کھینچ کر ہٹانا شروع کیا تو دوسرے نے اس کے سینے پر لمبی نال والا ریوالور رکھ دیا اور ہاتھ بڑھا کر ٹیپ ریکارڈر بند کر دیا۔ وہ اسے اشارے سے خاموش رہنے کا حکم دے رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی کبھی کبھی وہ ریوالور کی نال سامنے دکھائی دیتے شیر کی طرف یعنی میری طرف کر لیتا تھا۔ غنیمت تھا کہ ابھی تک اس نے فائر نہیں کیا تھا۔

ادھر روکسانا یہ پہچاننے کی کوشش کر رہی تھی کہ اچانک سامنے نکل کر آنے اور اووو نہہ کہہ کر سب کو دہلا دینے والا یہ کون سا شیر ہے۔ زندگی بھر سرکس سے متعلق رہی تھی۔ یہ لڑکی یہاں کے ایک ایک کٹیلے کو پہچانتی ہو گی۔

مگر حملہ آوروں نے روکسانا کو نہ مجھے کوئی وقت دیا تھا۔

وہ دونوں اسے لیے ہوئے لمبے کریٹ کے پیچھے چلے گئے پھر اگلے ہی لمحے کریٹ کے پیچھے گاڑی کا انجن بیدار ہوا اور اس سے پہلے کہ میں جھپٹ کر وہاں پہنچ سکتا۔ ایک تیز رفتار اسٹیشن ویگن روشنیاں جلائے جیسے اچھل کر اس کریٹ کے عقب سے نکلی اور خیموں' چھولداریوں کی طنابیں گراتی' کھمبے توڑتی ہوئی غراتی' فائر کرتی نکل گئی۔

فائروں کی آوازیں برابر آ رہی تھیں۔ لڑکی کو اغوا کرنے والے شاید ڈرانے کو گولیاں چلا رہے تھے۔

لڑکی کو نہیں لڑکیوں کو اغوا کیا گیا تھا۔ میں نے دیکھا تھا روکسانا کے پنجے میں ہرے بیلارا سانپ کا۔ رشنا کا۔ پھن تھا اور بیلارا سانپ روکسانا کے بازو سے لپٹا ہوا تھا۔

اپنی دوست رشنا کو اور روکسانا کو بھی بچانا ضروری تھا۔ میں دھاڑتا ہوا اسٹیشن ویگن کے پیچھے چلا۔

فائروں نے اور شیر کی دھاڑ نے نہ صرف سرکس والوں کو ادھر متوجہ کر دیا تھا بلکہ کھیل کا ٹکٹ خریدنے کو لائن میں لگے ہوئے لوگ بھی لائن توڑ کر نکل آئے تھے اور

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

غراتی ہوئی تیز رفتار گاڑی کو اور اس کے پیچھے دھاڑتے اور جست و خیز کرتے شیر کو دیکھ کر شور مچانے لگے تھے۔

کسی نے چیخ کر کہا۔ "شیر نکل گیا رے بھاگو۔"

اور پھر جو بھگدڑ مچی ہے تو جس کا جدھر منہ اٹھا دوڑ پڑا۔ عورتوں' بچوں نے چیخنا رونا اور گھگیانا شروع کر دیا تھا۔ میں نے فرار ہوتی گاڑی کو بڑے شامیانے کے پیچھے غائب ہوتے دیکھا۔ دور سے چاندنی میں ہائی وے چمکتی دکھائی دے رہی تھی۔

اغوا کرنے والے اگر ہائی وے تک پہنچ گئے تو پھر میرے لیے انہیں پکڑنا ممکن نہیں ہو گا۔

میں نے دیکھا وہ ہائی وے کی طرف ہی نکل رہے تھے۔ ایک آخری کوشش میں' میں نے جست ماری تو اغوا کرنے والوں کی گاڑی کے قریب تھا۔ میں اس سے بہ مشکل چار فٹ دور رہ گیا تھا۔ میں نے روکسانا کے خوف زدہ چہرے پر امید اور جوش کی کیفیات بھی دیکھیں۔ وہ نہ معلوم کیا سمجھ رہی تھی۔ اغوا کرنے والوں میں وہ بدمعاش جو گولیاں چلا تا رہا تھا۔ اب شیر کو ___ مجھے نشانہ بنانا چاہتا تھا مگر اڑتی سنسناتی گاڑی میں بیٹھ کر دیوانہ وار جست و خیز کرتے کٹیلے کو نشانہ بنانا آسان نہیں تھا۔ اس نے ایک فائر بھی کیا جو ظاہر ہے مس ہوا مگر اس کے فائر سے بچنے کو میں نے کچھ کیا جو ظاہر تھا جس سے میری رفتار بگڑ گئی تھی اور میرے اور ان کے درمیان فاصلہ بڑھ گیا تھا۔

وہ نکل جائیں گے۔ میں نے غصے میں ایک دھاڑ ماری۔ وہ بدمعاش لڑکیوں کے ساتھ نکل جائیں گے مگر اس ناامیدی اور طیش میں بھی میں نے قریب ہی پارکنگ ایریا میں سبز رنگ کی ایک جیپ دیکھی جس پر خوف کے عالم میں ایک ڈرائیور بیٹھا الٹے سیدھے ہاتھ چلا رہا تھا۔ وہ اپنی گاڑی کو بیک کر کے تار کھینچی پارکنگ کی جگہ سے نکالنا چاہتا تھا اور شیر کی دھاڑ سنتے ہوئے اور مجھے' شیر کو' اتنے قریب دیکھتے پا کر لحہ بہ لحہ سخت دہشت زدہ ہوتا جا رہا تھا۔ اور بار بار الٹے سیدھے گیئر لگا رہا تھا۔ اتنی سی دیر میں دو مرتبہ اس کی جیپ بند ہو چکی تھی۔

میں نے یہ نئی جیپ گاڑی دیکھی اور اسے حاصل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ان فراریوں کو پکڑنے میں جیپ اچھی رہے گی۔

مگر پہلا کام پہلے خوف زدہ ڈرائیور کو جیپ سے اتارنا ضروری تھا۔

میں نے اغوا کرنے والوں کی گاڑی کا پیچھا چھوڑا اور فوراً ہی خوف زدہ ڈرائیور کی

طرف مڑ گیا۔ ڈرائیور نے مجھے آتے دیکھا اور انجن چلتا ہوا چھوڑ کر ہو ہو کرتا جیپ سے اتر کے بھاگا پھر ٹھوکر کھا کر گرا۔ میں بنکارتا دھاڑتا غرض کئی قسم کی خون خشک کرنے والی آوازیں نکالتا پیچھے دوڑا اور ایک دم اس کے سر پر جا کھڑا ہوا۔ ڈرائیور کی آواز بند ہو چکی تھی۔

وہ ساکت و صامت پڑا تھا۔ بے چارہ اب تو کانپ بھی نہیں رہا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ بے ہوش ہو چکا ہے۔

میں نے ادھر ادھر دیکھا۔ یہاں اندھیرا بھی تھا اور بہت دور تک کوئی مجھے دیکھنے والا بھی نہیں تھا۔ جتنے نظر آ رہے تھے پیٹھ دکھاتے بھاگے جا رہے تھے۔ یہی موقع تھا۔ میں بیٹھ گیا اور میں نے خود کو شیر سے انسان کی جون میں آنے کا حکم دیا۔ اب میں شیر علی بنگش تھا۔

انجن چلتی جیپ پر سوار ہونا اور اسے بھگاتے ہوئے ہائی وے پر لے آنا اب کیا مشکل تھا۔ گاڑی ٹاپ کنڈیشن میں تھی۔ میں نے دیکھا پٹرول ٹینک تقریباً فل تھا۔

یہ بدمعاش اگر بھاگ کر واپس رنگون شہر بھی جانا چاہیں گے تو میں ان کا پیچھا کروں گا مگر ان کی فرار ہوتی اسٹیشن ویگن کی سرخ روشنیاں بہت دور دکھائی دے رہی تھیں۔

میں نے گاڑی دوڑاتے ہوئے دیکھا تھا کہ بے ہوش ڈرائیور اسی طرح زمین پر پڑا ہے لیکن یہ بھی دیکھا تھا کہ اسی وقت چھولداری کھینچے احاطے سے ایک اور سبز رنگ کی جیپ نکل کر آئی تھی۔ اس نے شاید میری والی جیپ دیکھ لی تھی۔ اس نے متوجہ کرنے کو زور سے ہارن دیا تھا اور جب میں نے اس کے ہارن پر توجہ نہیں دی تھی تو اس نے میرا تعاقب شروع کر دیا تھا۔

یعنی اب صورتحال یہ تھی کہ اغوا کرنے والے بدمعاشوں کے تعاقب میں میں تھا اور میرے تعاقب میں ہرے رنگ کی ایک اور جیپ تھی۔

یہاں کا نقشہ کس نے دیکھا تھا۔ اگر دیکھا بھی ہوتا تو بات شروع ہو چکی تھی۔ میرے لیے رات میں سمتوں کو سمجھنا دوسروں سے کہیں زیادہ مشکل ہوتا ہے۔ بس آگے بھاگتی اسٹیشن ویگن کی سرخ بتیاں میرا ہدف تھیں۔ وہ جیپ جو میں نے دہشت زدہ ڈرائیور سے حاصل کی تھی بے شک اچھی حالت میں تھی مگر فراریوں کی بھاری گاڑی میں زبردست رننگ پاور ہو گی وہ لوگ اطمینان سے دوڑتے جا رہے تھے اور میرا ان کا درمیانی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

فاصلہ برابر بڑھ رہا تھا۔

میں نے اپنی حاصل کی ہوئی جیپ سے اس دوسری گاڑی کو دیکھا۔ وہ لوگ بھی ضدی پن کے ساتھ میرے پیچھے لگے آ رہے تھے۔ ان کو معلوم تھا کہ ان کا آدمی' وہی دہشت زدہ ڈرائیور پیچھے رہ گیا ہے اور آگے والی جیپ کو جو چلا رہا ہے اس نے جیپ چرائی ہے۔ ایک بار مجھے خیال ہوا تھا کہ میرا تعاقب کرنے والی ہری جڑواں جیپ کی طرف سے مجھے ڈرانے کو فائر ہوا ہے۔ وہ مجھے روکنا چاہتے تھے اور میرے لیے آگے والوں تک جا پہنچنا ضروری تھا۔

ہم ہائی وے پر چھے سات میل نکل آئے تھے کہ اچانک دو عجیب باتیں ہو گئیں فرار ہوتی اسٹیشن ویگن کی پچھلی سرخ بتیاں مجھے نظر آنا بند ہو گئیں۔ حالانکہ سڑک پہلے سیدھی چلی آ رہی تھی اور آگے بھی سیدھی تھی۔

جتنی دور تک انگریزی محاورے کے مطابق اس جنگلی بط کے تعاقب میں جا سکتا تھا میں گیا پھر اس تعاقب کو بے سود سمجھ کر میں نے ختم کر دینا چاہا مگر اب صورت حال یہ تھی کہ میں جس کا پیچھا کر رہا تھا وہ غائب ہو چکا تھا اب صرف میرا تعاقب ہو رہا تھا میری جیسی ہرے رنگ کی جیپ میں آنے والوں نے دو فائر کیے تھے اور یہ دونوں ڈرانے کو نہیں کیے گئے تھے۔ وہ مجھے زخمی یا ہلاک کر دینا چاہتے تھے یا پھر وہ جیپ کا کوئی ایک ٹائر اڑا دینا چاہتے ہوں گے۔

اب جبکہ اسٹیشن ویگن والوں کی بجائے میں اکیلا فراری رہ گیا تھا تو مجھے اپنی فکر ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ ہائی وے کے دونوں طرف جنگل گھنا ہوتا جا رہا ہے۔ یہ اعلا درجے کی برساتیک کا جنگل تھا۔ جس میں داخل ہونے کے لیے باضابطہ سڑکیں ہائی وے سے اندر جاتی نظر آ رہی تھیں۔ بعض جگہ ان سڑکوں کو روشن رکھنے کے لیے کھمبوں پر ٹیوب لائٹس لگا دی گئی تھیں۔ میں نے محسوس کیا کہ اندر جاتی سڑکوں میں ایک طرح کی ترتیب رکھی گئی ہے۔ میں نے تاروں کی مدھم روشنی میں اور کہیں کہیں سڑکوں کے شروع میں نصب بجلی کے ان کھمبوں سے حساب لگا کر اپنا راستہ طے کر لیا اور ایک بار جب ہائی وے دائیں ہاتھ کو گھومی تو میں نے جیپ کی تمام روشنیاں گل کر دیں۔ رفتار مجھے قدرے ہلکی کرنی پڑی تھی مگر میں پیچھے آتے لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو کر راستہ طے کرنے لگا تھا۔ ایک اور ہلکے موڑ پر جب مجھے بجلی کے کھمبے کے پاس سے ایک سڑک اندر جنگل میں گھستی دکھائی دی تو بسم اللہ پڑھی اور میں نے جنگل میں گھسی سڑک پر جیپ

ڈال دی۔

ہلکے اجالے میں میل دو میلے گاڑی کی روشنیاں جلائے بغیر بھاگتے جانے کے بعد جب اطمینان ہو گیا کہ میرا پیچھا نہیں کیا جا رہا تھا تو میں نے نہ صرف روشنیاں جلا لیں بلکہ اپنی رفتار بھی بڑھا دی۔

اب یہ جنگلی سڑک نہیں رہی تھی۔ میں دیکھ رہا تھا کہ یہ چوڑی ہوتی جا رہی تھی اور دائیں بائیں بوگن ویلیا کی سدا بہار قسم کی پھولوں بھری جھاڑیاں بڑھتی جا رہی تھیں۔ میں نے خوف کے ساتھ سوچا سڑک مجھے کسی ٹمبر اسٹیٹ کے رہائشی علاقے میں لیے جا رہی تھی۔ ہو سکتا ہے جانے آنے کا ایک یہی راستہ ہو ایسا نہ ہو میں پھنس جاؤں۔

دس منٹ بعد میری جیپ کی روشنیاں ایک سفید کولونیل عمارت کو روشن کر رہی تھیں۔ سرخ بجری' سرو بلند و بالا پام اور چھالیہ کے بے شمار درخت۔ یہ باغ وغیرہ سب ایک شان دار ولا کا پھیلاوا تھا اور ولا کو میں ایک ہی جھلک میں دیکھ کر مرعوب ہو چکا تھا۔

میں نے گاڑی کی روشنیاں اس ایک جھلک کے بعد بجھا دی تھیں مگر جو کچھ دیکھا وہ اتنا خوب صورت تھا کہ میرا جی چاہا اسے پھر دیکھا جائے۔ احتیاط و حتیاط کو بہ قول کسے بالائے طاق رکھ کر میں نے پھر ہیڈ لائٹس روشن کر دیں۔

ولا کے دامن میں پھیلے ہوئے اس حسین باغ میں سفید مرمر کا ایک مغلئی طرز کا حوض دکھائی دیا۔ اس خنکی میں بھی فوارہ چل رہا تھا اور غضب خدا کا۔ میری طرف پشت کیے کمر تک آتے اور اپنے چمکیلے بال چھٹکائے ایک خوب تنومند تگڑی سی عورت صرف چڈی پہنے حوض کے فوارے کی پھوار میں کھڑی تھی۔ لاحول ولا قوۃ۔

یہ میں کہاں آ گھسا ہوں؟ کوئی بہت ہی غیر محتاط لوگ ہیں۔ عورتیں اس طرح صرف ایک زیر جامے میں کھلے میں کھڑے ہو کر تو نہیں نہاتیں۔ یہ بہت غلط ہے۔ بھئی اگر بہت زیادہ ماڈرن سمجھتی ہو خود کو تو بابا بکنی ہی پہن لی ہوتی۔ اوپری جسم تو اس طرح کھلا ___ بھلا بتائیے اچھی خاصی ہوش مند عورت دکھتی ہے کوئی بچی بھی نہیں اور پہنے کھڑی ہے صرف ایک کچ چھا ___؟

روشنی دیکھ کر عورت ایک دم میری جیپ کی ہیڈ لائٹس میں گھوم گئی۔ اس کا چہرہ اور ___ بدن میری طرف تھا۔ اوہو۔ عورت نہیں یہ تو ایک تن و مند سکھ تھا۔ لمبی لہراتی ہوئی داڑھی وغیرہ کے ساتھ۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سردار جی نے مسکراتے ہوئے اپنے بال جھٹکے اور پکار کر پوچھا۔ ”ہاں وئی کیا صلاح ہے؟“ یہ پوچھتے ہوئے گاڑی کی ہیڈ لائٹس میں اس کا چاندی چڑھا ایک دانت چمکا تھا۔

وہ مجھے اتنا مضحکہ خیز یا اس قدر دلچسپ لگا کہ میں نے بھی اسی کی طرح آزاد بے فکر انداز میں پکار کر کہا۔ ”بڑی نیک صلاح ہے۔“

وہ پکارا۔ ”آ جا فیر۔ پانی اتنا ٹھنڈا وی نئیں ہے۔ مجا آ جائے گا۔“ اس کا دانت پھر چمکا تھا۔

میں نے ہنس کر کہا۔ ”نہیں سردار! نہانے کی نہیں صرف دیکھنے کی صلاح ہے۔ تمہیں نہاتے دیکھ لیا بہت ہے۔“

وہ بھی ہنسا بولا۔ ”اور جنٹریا نہاتے دیکھنے میں کیا مجا؟“

”اوہو!“ میں نے اپنی ہیڈ لائٹس کے پیچھے سے کھڑے کھڑے لہک کر کہا۔ ”دیکھنے ہی میں تو مزا ہے سردار جی۔ تم نے سنی نہیں وہ مشہور بولی۔“

”کیا کہا؟ بولیاں؟“ وہ پھوار میں بھیگتے ہوئے چہک کر بولا۔ ”توں اپنا ہی لگتا ہے یار! سناوئی کیا مشہور بولی ہے۔“

میں نے مزے سے کہا۔ ”وہ کہتے ہیں نا___ گوری چھپڑوں نہا کے نکلی‘ تے سلفے دی لاٹ ورگی۔“

”اوہک اوہک اوہک۔“ کہہ کے اس نے دونوں ہاتھوں کی شہادت کی انگلیاں اٹھا کر بھنگڑا ناچنے کا پوز بنایا اور پھوار میں کھڑے کھڑے ٹھٹھا مار کے ہنسا‘ بولا۔ ”یار تو کدھر نکل آیا ادھر اندھیرے میں سے___ مجے دار آدمی لگتا ہے وئی___ سنا اوئے توں اپنا گرائیں ہے کیا؟“

”سمجھو تو ایک طرح سے ہوں بھی اور نہیں بھی ہوں۔“

وہ کود کر حوض کے دائرے سے نکل آیا۔ ”نا یار نا۔ ایہو جیئی دل توڑنے والی بات تے ناں کر۔ بول دے گرائیں ہوں تیرا گلے گلے گرائیں ہوں۔“

میں نے کہا۔ ”چل تو ہی خوش رہ___ ہاں گرائیں ہوں تیرا___ گلے گلے۔“

وہ قریب آ رہا تھا اور ہنس بھی رہا تھا۔ اس کا چاندی چڑھا دانت پھر چمکا۔

میں نے اسی پر لطف کیفیت میں کہا۔ ”لے اور سن لے بھئی سردار! ایک اور سن لے یہ ذرا بہت زیادہ شاعرانہ ہے___ مطلب مستی ذرا کم ہے اس میں شاعری زیادہ

ہے سلفے کی لاٹ سے تو کم ہی مستی ہے۔“

وہ سردی میں ہولے ہولے سوں سوں کرتا آ کھڑا ہوا‘ بولا۔ ”سنا دے‘ فیر آپاں اندر چلاں گے ادھر اب سردی شروع ہو گئی ہے۔“

میں نے کہا۔ ”کوئی خاص نہیں روشنی میں تمہارے دانت کا لشکارا دیکھ کے کچھ یاد آ گیا تھا۔“

وہ جھٹ سے بول پڑا۔ ”ہاں اوئے سمجھ گیا۔ او خوئی نا؟ تیرے لونگ دا پیا لشکارا تے ہالیاں نے ہل ڈک لیے؟“

میں نے کہا۔ ”ہاں وہی محبوب کی لونگ کہہ لو یا سردار کا دانت کہہ لو ایکوئی گل اے۔“

وہ ٹھٹھا مار کے ہنسا۔ ”یہ ہوئی بات___ میرے دند دا پیا لشکارا___ ہاہاہا۔ حد ہو گئی وئی۔“ اس نے ہاتھ بڑھا کر میری بانہہ تھپکی۔ ”چل آ دوست اندر چلئے___ ناں کی ہے تیرا؟“

میں نے اپنا نام بتا دیا۔

بولا۔ ”ادھر کدھر سے آ رہا ہے؟“ پھر جیپ کی طرف دیکھ کے بولا۔ ”بڑی جبردست جیپ ہے تیری۔“

میں نے کہا۔ ”ایک دوست کی ہے۔“

”دوست کی ہے تو خیر ہے۔“ وہ ہاتھ پکڑ کر مجھے ولا کی طرف لے چلا۔ ”میرا نام انحد سنگھ ہے۔“

میں نے نام کی تعریف کی اور پوچھا۔ ”یہ انحد حلوے والی سے ہے یا دوسرے سے۔“

وہ ننگے پیر تھا کنکروں پر پنجوں کے بل چلتا ہوا بولا۔ ”یار دونوں ہی صحیح ہیں۔ حلوے سے سمجھ لے۔ تو مسلمان ہے تو وئی توں خوش ہو جائے گا۔ چھوٹی ہ سے کوئی اور پرسن ہو جائے گا۔ اصل میں شیر کھان ہم تو یار صوفی آدمی ہیں۔ ایک صوفی نے___ میرے پتا کے مرشد حجرت اصگر علی شاہ البیلے صاحب نے یہ نام رکھا تھا۔ وہ بولتے تھے انہد‘ ان حد‘ اپرم پار ٹرم ہوتی ہے صوفیوں کی۔“ اسنے اپنے چھے سے لٹکتی چابی سے ولا کا دروازہ کھولا اور کندھا چھو کر مجھے خود سے پہلے دہلیز پار کرائی۔ ”آ جاؤ جناب ہاں جی‘ تو آئی سمجھ میں؟ اس ان حد نام کی کرپا ہے‘ اس انحد سنگھ کا بیڑا تر گیا ہے جناب! بڑا کاروبار پھیلا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہے مالک کے کرم سے کوئی حد حساب ہی نہیں ہاہاہا۔"

ہم جس ہال میں آ کھڑے ہوئے تھے وہ واقعی سردار ان حد سنگھ کی زبردست خوش حالی کی کہانی سنا رہا تھا۔ سنگ مرمر اور اعلیٰ درجے کی ٹیک کی لکڑی نے دور تک اور اوپر تک خوش ذوقی اور امارت کی ایک دنیا سجا رکھی تھی۔ سیمنٹ تو خیر دیواروں' فرشوں' چھتوں کے اندر استعمال ہوئی ہو گی وہ تو دیکھنے والوں کو کہیں نظر نہ آئی تھی دیواروں پر ٹیک کے اعلیٰ قسم کے وہی نیئر والے تختے' اس طرح جڑے تھے کہ خوب پالش کی ہوئی لکڑی ہی چمک مارتی تھی۔ گھومی ہوئی دہری سیڑھی اور بالکونی پر لکڑی کا ایک خوبصورت گورکھ دھندا بناتی تھی۔ فرش پر سنگ مرمر جڑا تھا اور چھت خدا معلوم کس میٹریل کی تھی کہ ایک کندنی سی چمک چھت کے اندر سے پھوٹتی محسوس ہو رہی تھی۔

ان حد سنگھ نے بے حد پیسا خرچ کر کے یہ ولا بنوائی تھی۔ ٹیک کا اعلیٰ فرنیچر' ایک فانوس جسے سردار جی نے اپنی گفتگو میں ایک بار جھومر کہا تھا' اور بالکونی کے بالکل نیچے دیوار پر ایک زبردست سرسیدی' سفید ڈاڑھے والے سکھ کی روغنی پینٹنگ' یہ نمایاں چیزیں تھیں۔ گمان غالب ہے کہ پینٹنگ کسی مہنگے غیر ملکی پورٹریٹ کرنے والے سے بنوائی گئی ہو گی۔

ان حد سنگھ بدن سے ننگا بس ایک کچھا پہنے اس خوابوں میں نظر آنے والی عمارت کے ہال میں میرے ساتھ داخل ہوا تھا اور میٹ پر اپنے گیلے ننگے پاؤں پونچھتا ہوا سفید داڑھی والے تصویری بڑے میاں کو دونوں ہاتھ جوڑ کر تعظیم دے رہا تھا۔

تصویر والا اپنی زندگی میں ایک خاصا شان دار بارعب بوڑھا رہا ہو گا۔

ان حد سنگھ آہستہ سے بولا۔ "یہ میرے دادا صاحب ہوری ہیں ___ سردار ودھاوا سنگھ جی ترکھان۔"

میں نے سر ہلا کر اپنے میزبان کی دی ہوئی اطلاع وصول کی۔ سب کچھ صحیح تھا مگر یہ ترکھان؟ کیا میرے میزبان کا دادا بڑھئی تھا؟ مطلب عام سا گاؤں کا بڑھئی؟

ان حد سنگھ نے اسی رو میں اگلے ہی لمحے وضاحت کر دی' بولا۔ "جناب دادا ہوری صاحب جیسا ترکھان سولہ اٹھارہ پنڈ ادھر تے سولہ اٹھارہ پنڈ ادھر دوسرا کوئی نہیں تھا۔ منجی' اشٹول والے ترکھان نہیں تھے ودھاوا سنگھ جی۔ کیبنٹ بناتے تھے اور مالک کے کرم سے ایسی ایسی کیبی نٹ جناب کہ بر منگھم گلاس گور کی سوالہ اٹھارہ کاؤنٹی تک سے بڑے بڑے گورے ودھاوا سنگھ جی کے پاس خود چل کے آتے تھے کیبی نٹ بنوانے۔"

"تو آپ لوگ یوکے میں رہے ہیں؟"

"لوگ نہیں دوست! میرا دادا صاحب سمجھو پوری لائف ادھر ہی۔ میرے والد کو اپنا شاگرد بنایا تھا۔ اسے بھی ادھر ہی ولیت میں جمانا چاہتا تھا۔ پھر ملک آباد ہوا تھا جبھی سے میرا والد اپنے بابے کے پیچھے پڑا ہوا تھا کہ انگریجاں دا ملک چھوڑ ___ چل اپنے گھر چل اپنے آباد ملک میں۔"

"تو پھر؟"

"بس جی۔ بج رگ لوگ تھے۔ بڑا بوڑھا جھک وی مارے تو سنتان کو ___ مطلب اولاد کو تنکتے نہیں نہ نکالتا چہیے۔ میں ابھی پیدا نہیں ہوا تھا تے دونوں ونج رگ' گئے پٹیالے ___ میرے والد صاحب ہوری اجے بچے ہی تھے سمجھو کوئی باویس سال کے ___ خیر جی ابھی شکیت کرنے کا کوئی مجا نہیں جو ہوئی سو ہوئی۔ پٹیالے میں لٹ لٹا کے ایک انگریج پڑوسی کے بلائے پہ وہ دونوں باپ بیٹا برما آ گئے اپنے آباد ملک کو دور سے سلام کیا۔ ادھر مالک کے بھنڈار کھول دیے سمجھو۔ ودھاوا سنگھ جی کے اور پتر وسایا سنگھ جی کے نام پہ لاٹری جیسی نکل آئی۔ وسایا سنگھ جی میرے پتا تھے۔ گجر گئے۔ ان کے پیچھے دادا صاحب ہوری سولھے برس اور جیسے مجھے پال پوس کے بڑا کیا کاروبار پر بٹھایا پھر شیر نے انہیں کھا لیا۔

"شیر نے؟"

ہاں جی۔ جنگل بیلے تو یہی سب کھطرے شطرے رہتے ہیں۔ جیپ میں جا رہے تھے۔ جاتی جرورت سے اترے' شیر نے مار دیا ___ لو جناب! آپ کھڑے کیوں ہو؟ بیٹھو سرکار! دادا صاحب ہوری کے بعد اب ان حد سنگھ ترکھان ٹیک کی یہ سپر اسٹیٹ سنبھالے ہوئے ہے۔ شکیت کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ پر ایک بات کہوں گا مدھوری بائی کا کصہ بیچ میں نہیں نہ آتا تو ان حد سنگھ ترکھان کی سمجھو سورگ میں کٹ رہی تھی۔ سورگ سمجھتے ہو؟ جنت۔ جنت؟"

مین نے پوچھا۔ "مدھوری بائی کا کیا قصہ ہے؟"

سردار جی بولے۔ "کصہ کچھ نہیں چھاتی میں سوراخ ہو گیا ہے ان کے کارن۔"

میں نے ذرا غور سے انحد سنگھ کی ننگی چھاتی دیکھی۔

وہ پھیکی سی مسکراہٹ سے بولا۔ "باہر سے چھاتی کا سوراخ کب دکھے گا شیر

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کھان صاحب! چلو چھوڑو۔ یندہ (زندہ) رہے تو سنا دیں گے مدھوری بائی پاک پٹن والی کی اشٹوری۔"

میں نے گھبرا کے پوچھا۔ "یہ بیچ میں یہ پاک پٹن کہاں سے آ گیا؟"

ان حد سنگھ نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں چوم کے آنکھوں پر رکھ لیں' بولا۔ "سنا ہے بڑا بینیا شہر ہے پاک پٹن شریف ___ سنا ہے' ایک سچے پیارے کا ادھر مجار ہے ___ پر بھائی صاحب ایسا ہے نا کہ ہری دوار میں بھی دروا جا کھلا دیکھ کے کوکر' مطلب کتی اندر آ جاتی ہے۔ خیر مدھوری بائی کی اشٹوری فیر کسی ویلے سناواں گے ___ اور مے!" ان حد نے منہ اٹھا کے کسی رمے کو آواز دی تھی۔ "رمیا اوئے! او دیکھ بھئی۔ مالک کی شان آئے نیں ___ ساڈھے گھر مہمان آئے نیں۔"

رمایا رمیا آیا تو اطمینان ہوا۔ یہ سکھ نہیں تھا۔ ایسا نہیں کہ میں ان سے بیزار ہو جاتا ہوں۔ ناں ناں سکھوں سے میں الجھتا نہیں ہوں۔ بڑے زندگی سے بھرپور بلکہ خوب چالی بھرے ہوئے لوگ ہوتے ہیں۔ قصہ یہ تھا کہ ایک سردار ان حد سنگھ صاحب نے ہی سانس پھلا دی تھی۔ یہ رما اگر رما سنگھ ہوتا تو دونوں اپنی باتوں سے مجھے ایسا تھکا دیتے کہ اس خوبصورت ولا کو دیکھنے کا مزا ہی جاتا رہتا۔

رما رمیا کو خوب معلوم تھا کہ جب کوئی مہمان آتا ہے تو اس کی ذمہ داریاں کیا ہوتی ہیں۔ "وہ آؤ جناب! آؤ جی سر جی!" کہتا ہوا آگے آگے چلنے لگا۔ میں نے ایک بار اپنے میزبان کی طرف دیکھا تو اس نے مسکرا کر ہاتھ کا اشارہ کیا کہ جائیے جیسا وہ کہہ رہا ہے کیجئے۔

رمیا مجھے زینے کے نیچے ایک ہلکے انگوری کمرے میں لے گیا۔ بعد کو معلوم ہوا کہ اگر میں ہندو ہوتا تو میرے کمرے کا رنگ ہلکا بسنتی اور مسیحی بھائی ہوتا تو نفیس پنک ہونا چاہیے تھا۔ میں دوسرے ہی کسی دین سے منسلک ہوتا یا بے دین ہوتا تو مجھے آسمانی کمرے میں ٹھہرایا جاتا۔ کمرے کی ہر چیز' باتھ روم کے ٹائلز' حد یہ ہے کہ جس ڈھب کے شب خوابی کے کپڑے اور ہاؤس کوٹ دیے گئے وہ بھی کمرے کے رنگ پر سوچے اور ڈیزائن کیے گئے تھے۔ خود سردار ان حد سنگھ کا کمرہ سفید بے داغ تھا۔ وہ اپنے سکھ بھائیوں کو بھی مہمانوں کے کسی سفید کمرے میں ٹھہراتا تھا۔ میں نے کہا کہ سکھ بھائیوں کا تو کھٹا زرد رنگ ہوتا ہے۔ ان حد نے سمجھایا کہ ہاں کھٹا رنگ ہوتا ہو گا سکھوں کا پر میں تو صوفی بندہ ہوں۔ حجرت البیلے شاہ ہوری کا مرید۔ میں تو اپنے لوگوں کو اپنے ہی رنگ میں رنگا دیکھنا

چاہتا ہوں۔

رمیا نے غسل خانہ تیار کر دیا تھا اور اس نے بستر پر میرے پہننے کے لیے ہر طرح سے تیار استری کیا ہوا شب خوابی کا لباس اور خوبصورت انگوری' پھولوں اور گہرے کاہی آستینوں کالروں والا ہاؤس کوٹ پھیلا دیا تھا۔ وہ کہنے لگا کہ سر جی! میں آدھے گھنٹے میں سردار صاحب کے کمرے میں گلاس' بوتلیں اور برف پہنچا دوں گا۔ گویا سردار اپنے مہمانوں کی پہلی تواضع شراب سے کرتا ہو گا۔

میں نے کہا۔ "رمیا بھائی! تم بے شک اپنے سردار صاحب کے لیے بوتل' گلاس' برف پہنچاؤ پر میں صرف چائے' کافی' شربت پینے والوں میں سے ہوں۔ اس بات کا خیال رکھنا۔"

رمیا نے مسکرا کر کچھ اس طرح سر ہلایا جیسے اس سے کسی معذور آدمی نے کہا ہو کہ میری فکر مت کرو' میں اپنی وہیل چیئر پہ آ جاؤں گا۔

دنیا بھر کے بیسنگ' سالٹ اور بڑھیا صابن سردار کے اس مہمان خانے والے باتھ روم میں مہیا تھے۔ میں نے آدھے گھنٹے سے بھی زیادہ وقت لگا کر غسل کیا اور مہمانوں والا لباس پہن کر ہال میں پہنچ گیا۔ رمیا میرا منتظر تھا۔ وہ سیڑھی چڑھا کر مجھے سردار ان حد کے سفید کمرے میں لے گیا۔ سردار پوری طرح تیار موتی جیسی پگڑی کسے داڑھی چڑھائے۔ سفید ریشمی ہاؤس کوٹ میں کمرے سے نکل کے آیا۔ روایتی پنجابیوں کی طرح جی آیانوں کرتا ہوا مجھ سے بغل گیر ہوا۔ میں سمجھ رہا تھا وہ میرے انتظار میں ایک آدھا پیگ لگا کے بیٹھا ہو گا مگر شاید رمیا نے بتا دیا تھا کہ میں اس کے حساب سے "بے ذوق" ہوں۔ نہیں پیتا' مہاگنی کی بہت زبردست ٹرالی میں ایک طرف شراب سے متعلق چیزیں سجی تھیں اور دوسری طرف پیالی اور تھرموس رکھے تھے۔

ان حد سنگھ نے ٹرالی کی طرف اشارہ کیا' بولا۔ "اگر آپ بہت دھارمک' مطلب جس قسم کے بھائی ہو تو میں یہ بوتلیں شوتلیں واپس بھیج کے آپ کے ساتھ چائے پی لوں گا اور جو آپ کی اجازت ہو گئی تو اپنا شغل کر لوں گا۔"

میں نے کہا کہ بھائی تم اپنا شغل کرو' میں اپنا کرتا ہوں۔ تو خوش ہو کے ان حد نے اپنا کاروبار پھیلا دیا۔

پہلا پیگ پیتے ہوئے اس نے مجھے اپنے ان مختلف مسلمان' خاص طور پر پٹھان ملاقاتیوں کا حال بتایا جو یہاں برما اور وہاں یو کے میں اس سے ملے تھے۔ ان حد ایک بار

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہندوستان بھی گیا تھا۔ ہنس کے کہنے لگا۔ "پٹیالے میں میرے دادا صاحب اور والد صاحب ہوری کے ساتھ جو حالات پیش آئے تھے اس کی ڈی ٹیل سننے کے بعد میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ نہ پٹیالے اور نہ کبھی نیو دلی جاؤں گا۔ سنا ہے ادھر نیو دلی راج دھانی میں بھی بہت پٹیالے والے بس گئے ہیں۔ میں صرف بامبے اور پونے گیا تھا۔ بامبے تو فلم میں کام کرنے کے شوق میں ہم پونے ___ چلو پونے شہر کا نام آگیا ہے تو فیر بتا ہی دیتا ہوں۔ پونے شہر میں وہ اپنی ___ اس ___ مدھوری بائی کا کلب تھا۔"

"کیا کلب؟" میں نے پوچھ لیا۔

ان حد نے ہاتھ اٹھا کر مجھے صبر کرنے کا مشورہ دیا۔ وہ بڑی مستعدی سے دوسرا پیگ بنانے لگا تھا۔

دوسرا پیگ بنانے اور سپ کرنے میں سردار نے کچھ وقت لیا' پھر جیب سے سفید بے داغ رومال نکال کر پہلے اپنے ہونٹوں پر پھر آنکھوں پر اور چہرے پر پھیرا۔ حالانکہ چہرہ اس کا تروتازہ تھا۔ کوئی پسینہ چکناہٹ کچھ نہیں تھی۔ ہاں لگتا تھا کچھ نروس ہوتا جا رہا ہے۔ اس نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور بولا۔ "پاگلوں ورگی بات ہے مگر سناتا ہوں۔"

میں نے اثبات میں سر ہلا کر اس کی حوصلہ افزائی کی' یعنی مدھوری بائی عورتوں کا باڈی بلڈنگ کلب چلاتی تھی۔"

میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ "عورتوں کا ___ مطلب باڈی بلڈنگ؟"

میرے میزبان نے چھوٹا سا سپ لیا اور اداسی کے ساتھ ہاں میں سر ہلایا۔

"آہو ___ باڈی بلڈنگ ___ جنانیوں کا۔"

آگے ہم دونوں چپ ہوگئے' مگر بات چیت جاری رکھنے کے لیے کچھ کہنا ضروری تھا۔ مجھے اس وقت کچھ نہیں سوجھا تو میں نے کہا۔ "چلو ___ کوئی حرج نہیں ___ بعض عورتیں چلاتی ___" جملہ احمقانہ ہو گیا تھا اس لیے میں نے ادھورا چھوڑ دیا۔

"نہیں نا۔ یہی تو اصل پرابلم تھی شیر کھان! کوئی عورت بھی نہیں چلاتی تھی۔ کم سے کم اس جمانے میں تو کوئی بھی عورت یو کے میں بھی ایسا کلب کوئی نہیں چلاتی تھی۔"

میں نے پھر ہاں میں سر ہلا دیا۔

کچھ دیر خاموشی رہی۔ ان حد نے اس خاموشی سے فائدہ اٹھا کر اپنے گلاس

میں بچی شراب ایک ہی گھونٹ میں انڈیل لی۔ لگتا تھا اب اس میں کچھ ہمت آگئی ہے۔ وہ اداسی سے ایک بار ہنسا' کہنے لگا۔ "ایک فلم کی شوٹنگ کے چکر میں پونے گیا تھا۔ ادھر میرا ایک سکھ دوست تھا۔ سکھوں کو کم ہی دوست بناتا ہوں مگر وہ ترکھان تھا پونے کے مین فرنیچر ایریا میں دکان لیے بیٹھا تھا۔ شوٹنگ نمٹ گئی تھی۔ میرا رول ہی کتنا تھا بس کسی اسسٹنٹ کو پیسے کا آسرا دے کے ایک دو سائلینٹ سینوں میں کیمرے کے آگے سے گجر گیا تھا۔ تو مطلب شوٹنگ پیک اپ کر کے میں اپنے سکھ ترکھان بھائی کی ورک شاپ میں بیٹھا تھا کہ ادھر سے مدھوری بائی آگئی۔"

"اچھا۔"

ان حد نے تقریباً غصے سے کہا۔ "اچھا نہیں بہت اچھا اور بہت ٹائٹ پتلون پہنے تھی۔"

"کون پہنے تھی؟" مجھے ان حد کا غصے کا وہ انداز نہ آیا تھا اس لیے میں نے پوچھا کہ کون پہنے تھی۔ میں کوئی بھی بونگاری ایکشن دینا چاہتا تھا۔

اسے اپنی حماقت کا احساس ہو گیا تھا اس لیے چھوٹی سی ڈکار لے کر اس نے سوری کہا اور اب کے بہت نرمی سے کہنے لگا۔ "تم نے ہجاروں ___ نہیں درجنوں جنانیوں کو پتلون پہنے دیکھا ہو گا۔ میں نے ہجاروں کو دیکھا ہے' مگر وہ پتلون نہیں پہنے تھی۔ ناں' ناں ___ شیر کھان! پتلون اسے پہنے ہوئے تھی۔"

اس نے یہ بات اتنی شدت سے بلکہ تقریباً مذہبی جوش سے کہی تھی کہ میری ہنسی چھوٹ گئی۔

ان حد بے بسی میں میری صورت دیکھنے لگا۔ دھیرے سے بولا۔ "ہنس او ___ مہمان ہو میرے' مگر واہگورو کا واسطہ جرا بتاؤ بھیا جی' اس میں ہنسی کی کون سی بات ہے؟"

میں نے جلدی سے کہا۔ "سوری۔ تمہاری بات پر نہیں ہنسا کچھ اور سوچ رہا تھا۔"

انحد سنگھ نے سر کے اشارے سے ہاں کہی۔ وہ اب مے نوشی کے اس مرحلے میں تھا کہ ہر معقول ___ اور نامعقول بات سے اتفاق کر سکتا تھا۔

کہنے لگا۔ "اس کے نچلے ہونٹ کے پاس ایک چھوٹا جیا تل ہے۔" یہ کہتے ہوئے ان حد سنگھ کی آواز بھرا رہی تھی۔ میں ڈر رہا تھا۔ یہ بتاتے ہوئے کہیں رو نہ پڑے۔

میں نے فوراً ہاں میں سر ہلایا یعنی اگر تل ہے تو کوئی بری بات نہیں ہے بلکہ یہ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تو بہت اچھا ہے۔

"ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ میں کہاں بیٹھا تھا؟" اب سردار جی بھولتے جا رہے تھے۔

میں نے یاد دلایا کہ وہ پونے شہر میں اپنے سکھ ترکھان دوست کی ورک شاپ میں بیٹھے تھے۔

"ہاں جی۔ تو وہ ورک شاپ میں آئی میں جراری لیک سنگ موڈ میں ____"

میں نے بات کاٹی۔ "کون سنگھ؟"

"او' کوئی سنگھ نہیں یار۔ ری لیکسنگ موڈ میں' مطلب آرام نال پگڑی ڈھیلی کر کے' بش شرٹ اتار کے' اشٹول پہ ٹانگ پھیلا کے آرام نال بیٹھا تھا کہ وہ ____ مدھوری بائی آئی بولی' سردار جی! آج میں تمہیں لے کے ہی جاؤں گی اور جب تک میرے کلب کا کام اشٹارٹ نہیں نہ کرو گے تمہیں چھوڑوں گی نہیں ____ ادھر واپس ہی نہیں آنے دوں گی۔ آپ سمجھے شیر کھان بھائی؟ اصل میں کیا ہوا تھا؟ وہ مجھے دکان والا سکھ سمجھ رہی تھی۔"

"ہاں۔" میں نے سر ہلا کے سمجھ داری سے کہا۔ "جبکہ تم دکان والے سکھ نہیں تھے' مہمان والے سکھ تھے۔"

میں نے سوچا ہاں بھئی ہوتا ہے' ایک سکھ سے دوسرے سکھ کو تمیز کرنا کبھی مشکل ہو جاتا ہے۔

ان حد نے بھی سر ہلا کے میری بات سے اتفاق کیا اور کہا۔ "سامنے میرے واقف کا اوجاروں کا بیگ اور ناپ تول والے پھی تے شی تے پڑے تھے۔ میں نے بھائی صاحب! آؤ دیکھا نہ تاؤ اوجاروں کا بیگ اور پھی تے شی تے اٹھائے اور کہا میڈم! ٹھیک ٹائم پہ آئی ہو۔ چلو چلتا ہوں۔ آج کام اشٹارٹ ہی کر کے آنا ہے۔"

میں دلچسپی لیتے ہوئے آگے جھک آیا تھا اور شاید مسکرا رہا تھا۔

میرا میزبان بھی مسکرا کر بولا۔ "لو جی' میں نے اس کو جب میڈم کہا نا تو اس نے اپنی مدھوری بائی نے نین گھما کے۔" یہاں سردار نے اپنی آنکھیں چلا کے دکھائیں۔ "سمجھے بھائی جی! نین گھما کے خبر ہے میرے کو کیا کہا؟ کہنے لگی۔ میڈم کیوں بولتے ہو بے بی بولو جو تم ہمیش بولتے ہو' میں تو جی شیر کھان لہرا گیا۔ سمجھو۔ میرا واقف' وہ سورا سکھ ترکھان اس کو' ایڈی سوہنی کڑی کو بے بی بولتا ہے۔ خیر دیکھ لوں گا۔ میں نے اس کو تو فورا

بے بی بول کے راجی باجی کیا فیر ایک پرچے پہ انگریجی میں دکان والے سکھ کو لکھا کہ میں ایمرجینسی میں ایک جگہ جا رہا ہوں۔ تمہارے اوجاروں' پھیتوں کا بیگ لے جا رہا ہوں شام کو واپس کر دوں گا۔ تو بس جی میں اس اپنی' بے بی کے ساتھ ورکشاپ سے نکل آیا۔ وہ میرے کو انگریجی میں پرچا لکھتے دیکھ رہی تھی گاڑی میں بیٹھتے ہوئے بولی۔ تم کو ہندی مراٹھی نہیں آتی جو تم انگریجی میں لکھ رہے تھے؟ میں نے کہا بے بی! سولھے برس کی ایج تک آدھا ٹائم یوکے میں گجارا ہے فیر یہ بھی ہے کہ میرے دادا ہوری نے ہی مجھے پڑھنا' لکھنا سکھایا تھا' اسکول کی شکل تو میں نے دیکھی نہیں دادا ہوری کو دو جبان آتی تھی پنجابی اور انگریجی' بس وہی میرے کو آتی ہے۔ وہ بڑی امپریس ہوئی۔ انگریجی میں کہنے لگے میں نے یہ پہلا ترکھان دیکھا جو بدیسی بھاشا میں پرچی لکھتا ہے۔ میں نے بھی اسی جبان میں کہا کہ بے بی ابھی تو دیکھتی جاؤ میں پرچی لکھنے کے علاوہ بھی بدیسی جبان میں بہت کچھ کرتا ہوں۔ ہنسنے لگی' بولی۔ تم بہت کیوٹ ہو۔ میں نے کہا۔ خیر۔ کیوٹ تو میں نہیں ہوں۔ سولھے برس سے آگے کا کوئی بھی سکھ کیوٹ نہیں ہوتا۔ ہاہاہا۔" وہ خود ہی اپنے فقرے کی داد دیتے ہوئے ہنسنے لگا۔ میں نے بھی ساتھ دیا۔

ہم دونوں ہنس چکے تو انحد سنگھ ایک دم سنجیدہ ہو گیا' بولا۔ "میں نے مردوں کے باڈی بلڈنگ کلب بہت دیکھے ہیں۔ ایک کلب کا ممبر بھی ہوں پر جنانیوں کا باڈی کلب شیر کھان میں نے اس روج پہلی بار پونے شہر میں دیکھا۔ وہ بے بی مدھوری بائی اپنی اسپورٹس کار میں مجھے کلب لے گئی۔ دو گورکھے چوکی دار بندوق شندوق کے ساتھ گیٹ پر جمے ہوئے تھے' خیر جی اس نے ایک کو اشارہ کیا۔ اس گورکھے نے میرا بیگ اٹھا کے اندر کمپاؤنڈ میں پہنچا دیا۔ سامنے برآمدے میں نیکر' جرسی پہنے ایک موٹی اور کالی پہلوان جئی عورت ٹہل رہی تھی۔ بے بی نے اشارہ کیا وہ مجھے گھورتی ہوئی آئی اور زمین پہ رکھا میرا بیگ اٹھا کے چل پڑی۔ میں اس کے پیچھے ہو لیا تو رک گئی اور گھورتے ہوئے کھسے سے بولی۔ "ایے سکھ! تم ادھر ٹھہرو اندر جانے کا نہیں ہے۔" میں نے مدھوری بائی کی طرف دیکھا اس نے کہا۔ "بے بی! یہ تو کاٹتی ہے۔" مدھوری بائی میرے کو آنکھ مار کے بولی۔ "یہ ادھر کی کوالٹر ماسٹر حوالدار ہے۔ یہ اندر کسی مرد کو نہیں چھوڑے گی جب تک میں اس کو آرڈر نہیں دوں گی۔" میں نے کہا۔ "بے بی! آرڈر دو نا۔" وہ بولی۔ "صبر صبر۔ میری کوالٹر ماسٹر حوالدار اندر دیکھ کے آئے گی کہ کوئی جنانی ____ مطلب سب جنانیاں جو تمہارے رستے میں آئیں گی وہ ڈی سنٹ حالت میں ہیں کوئی آدھی ڈھکی آدھی کھلی جیسی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تو نہیں ہے۔" میں نے کہا ٹھیک ہے۔ ویسے تم آرڈر کرو تو میں آنکھ بند کر لیتا ہوں۔ تم بے بی میرا ہاتھ پکڑ کے بلائنڈ مین کی طرح لے چلو جدھر بھی لے جانے کا ہے' وہ بولی۔

"تم بہت چالاک ہو سردار جی! اور بھائی شیر کھان! اس نے کمپاؤنڈ میں کھڑے کھڑے ہاتھ بڑھا کے میرا گال توڑ لیا۔ مطلب جتنا گال نجر آ رہا تھا' مطلب جتنا داڑھی کے بال سے کور نہیں ہوا تھا' وہ توڑ لیا۔ میں نے بھائی جی' گھبرا کے گورکھا چوکی دار کی طرف دیکھا وہ سورے ادھر نہیں دیکھ رہے تھے' وہ آنکھیں جھپک رہے تھے اور تمباکو میں چونا ملا کے مسل رہے تھے۔

خیر جی وہ نیکر جرسی والی موٹی پہلوان حوالدار آئی مدھوری بائی کو آنکھ مار کے بولی۔ "سب ڈھکیلی' سب صئی۔" مجھے ہنسی آ گئی ایک تو اس کے ڈھکیلی بولنے پر دوسرے یہ بھی تھا کہ سبھی ایک دوسرے کو آنکھ مارتے' عورت ہووے۔ "نہیں ہووے' گورکھا ہووے' سب آنکھ مار رہے تھے۔"

مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ سردار ان حد سنگھ ان لوگوں سے کچھ مختلف ہے جو جتنا پیتے جاتے ہیں اتنے ہی جھکی اور خوں خوار ہوتے جاتے ہیں۔ اس کی باتیں نشہ بڑھنے کے ساتھ مزے دار ہوتی جا رہی تھیں۔ میں نے اس سے یہ بات کہہ دی تو ہنسنے لگا پھر فوراً ہی سنجیدہ ہو کر بولا۔ "یار شیر کھان! جبھی میں افسردہ ہونا اشٹارٹ ہوئے گا تو اتنا گم جدہ (غم زدہ) ہو جائے گا کہ تو جنٹریا! میرے ساتھ ہچکی لے لے کے روئے گا۔"

میں نے کہا۔ "جب کی جب دیکھی جائے گی ابھی تو مزا آ رہا ہے۔"

فوراً ہی اس نے پوچھا۔ "ہاں تو میں کدھر تک پہنچا تھا؟"

میں نے بتایا کہ نیکر جرسی والی حوالدار نے آنکھ مار کے بتایا تھا کہ اندر کلب میں سب عورت کا باڈی ڈھکا ہوا ہے۔

"ہاں' سب ڈھکیلی' سب صئی اور اس نے مدھوری بائی کو آنکھ ماری۔ مدھوری بے بی نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ ایسا پنجے پھنسا کے اور آنکھ جھپک کے انگریجی میں بولی کہ لے سردار جی تیرا ہاتھ پکڑوانے کا شوق بھی پورا کر دیا۔ میں دھیرے سے وہی جبان میں بولا کہ ہور دیکھو میرے کون کون شوق پورے کراؤ گی۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا' ٹال گئی۔"

مجھ سے رہا نہ گیا۔ میں نے آنکھ جھپک کے انحد سنگھ سے کہا۔ "سردار جی! بڑے چنٹ ہو یار!"

وہ اداس ہو کے کہنے لگا۔ "سنتے جاؤ۔ ابھی کدھر چنٹ ہوا' ہوں۔ چنٹ تو میں نے آگے چل کے ہونا ہے۔ ہاں جی تو مدھوری بے بی نال گئی مگر جناب! قسم سچے گرو کی' ہاتھ اس کا ایسا تپ رہا تھا جیسے گرم راکھ میں سے ابھی ابھی وہ نکالی ہو ___ شکر قندی۔"

ایک ضروری بات جو میں نے' اتنے دن ہو گئے' اپنے پڑھنے والوں کو نہیں بتائی یہاں میں بتا دینا چاہتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ شکر قندی ___ بھوبھل میں بھونی ہوئی شکر قندی ___ میری کمزوری ہے۔ عام لوگ جنہیں نعمتیں سمجھتے ہیں ایک طرف چیزیں وہ سبھی ہوں اور ایک طرف بھوبھل میں بھنی شکر قندی پڑی ہو تو میں نعمتیں چھوڑ دوں گا شکر قندی سے پیٹ بھر لوں گا۔

اب جو بھوک کا نائم قریب آتے ہوئے ان حد سنگھ نے شکر قندی کا نام لے دیا تو جیسے میری سٹی گم ہو گئی ___ یا اس موقع پر جو بھی کہا جاتا ہے۔ میرا وہ حال ہو گیا۔ ان حد کچھ اور بھی کہے جا رہا تھا مگر جب اس نے دیکھا کہ شکر قندی سننے کے بعد میری توجہ کہیں بھی نہیں ٹک رہی اور میں بے چین ہو گیا ہوں تو وہ چپ ہو گیا۔ تھوڑی دیر سوچنے کے بعد بولا۔ "ایسا لگتا ہے میری بات میں اب مجا نہیں رہا۔"

میں نے کہا۔ "نہیں سردار جی' تیری بات بہت گرما گرم چل رہی ہے بس' ایک گڑبڑ ہو گئی۔"

"تو نے گرم راکھ میں بھنی شکر قندی کا نام لے دیا۔ یوں سمجھ لے مجھے پاگل کر دیا۔"

"اوئے!" سردار گلاس رکھ کے اٹھ کھڑا ہوا اور ہلکا سا لڑکھڑاتا میری طرف چلا۔ "اوے شیر! ___ توں شکر قندی کا رسیا ہے؟"

"بس پاگل ہو جاتا ہوں' خوشبو پا لوں کہیں دیکھ لوں' نام ہی سن لوں تو بس ___"

اس نے وہیں کھڑے کھڑے کچھ لڑکھڑاتے ہوئے کمرے کے فرش کی طرف منہ کر کے آواز لگائی۔ "رے! اوئے رمیا!"

میں نے پوچھا کہ اسے کیوں بلاتے ہو؟

بولا۔ "یار تیرے واسطے شکر قندی جو منگانی ہوئی۔"

"کہاں سے منگانی ہوئی؟"

کہنے لگا۔ "کہیں سے بھی۔ بھلے ہی رنگون جائے گڈی لے کے ___ گرم راکھ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کی شکر قندی تو اب آنی ہی آنی ہے۔"

میں نے کہا۔ "نہیں تو کھانا لگوادے سردار! جو بھی ہے بس میرا کام چل جائے گا۔ یہ رنگون اور شکر قندی اور بھو بھل سب رہنے دے۔"

وہ اکڑ کے بولا۔ "اسیں مہمان کی بے اج تی نہیں کرتے ہوتے۔ اصل نسل ترکھان ہیں۔ قسم پیدا کرن والے کی۔"

میں نے کہا۔ "مہمان کی بہت عزت بڑھے گی اگر تو فٹا فٹ کھانا لگوا دے گا تو۔"

پوچھنے لگا۔ "اچھا؟ ایمرجینسی ہے؟"

میں نے ہاں میں سر ہلایا اس نے دروازے پر کھڑے رمیا کو کھانا لگانے کا کہہ دیا۔ میرا جی چاہا اب جبکہ کھانا لگنے ہی والا ہے تو جو بے ہودگی قصہ سناتے ہوئے سردار کو ٹوک کے مجھ سے ہوئی ہے اس کا ازالہ کیا جائے۔ میں نے کہا کہ ہاں سردار جی! آگے سناؤ۔ تو تم پہلی بار زنانیوں کے باڈی بلڈنگ کلب میں گھس رہے تھے اور بے بی مدھوری تمہارے پنجے میں پنجا پھنسائے ہوئے تھی' پھر؟ آگے کیا ہوا؟

انحد سنگھ بولا۔ "اشلاپ! ابھی سب کچھ ادھر ہی رکے گا ہم دو وئیں بندے کھانا کھائیں گے پھر میں آگے کی آگے سناواں گا مگر یار آگے تو سمجھو گجب ہی ہو گیا۔ ایسا بم بلاسٹ ہوا ہے ___ چل بھئی شیر! تو ڈائننگ ایریا میں چل ادھر اپنے منہ پر کلون کا گیلا ناول لگا کے جرافریش ہو لے آ میرے نال آ۔"

ان حد سنگھ کے والد کی ہر چیز کی طرح اس کا ڈائننگ ہال اور متعلقہ کمرے وغیرہ بھی حیران کر دینے والے تھے۔ کوئی پینتالیس پچاس آدمیوں کی ضیافت کی میز اور اس کے متعلقات دیکھ کر تو میں سمجھو چندھیا گیا۔ کیسی چکا چوند والی جگہ تھی۔ تین بہت زبردست فانوس اس ٹیبل پر جھکے آتے تھے۔ ہم دو ہی کھانے والے تھے اور ہمیں کھانا کھلانے کے لیے رمیا کے علاوہ چار اور بندے لیوری یعنی گھریلو خادموں کی اجلی جگمگاتی وردیوں میں موجود تھے۔ ان حد میزبان کی کرسی پر تھا اور میں چیف مہمان کی سیٹ سنبھالے تھا۔ دو مرتبہ ان حد سنگھ نے افسوس کے لہجے میں کہا کہ یار! اگر جرا پہلے بھی معلوم ہو جاتا کہ شیر کھان کو شکر قندی چیے تو میں ادھر ادھر بندے دوڑا کے کوئی بندوبست کر دیتا۔

میں نے اس کی مہمان نوازی پر اس کا بہت شکریہ ادا کیا۔ جس کے جواب میں

وہ اسی طرح معذرت کرتا رہا۔ کھانے میں جتنی چیزیں تھیں میرے ٹیسٹ کے مطابق تھیں۔ میز پر آنے' کرسیاں سنبھالنے سے پہلے انحد نے اپنے چیف خانساماں سے میرا تعارف کرایا تھا۔ یہ شرعی حلیے اور پیشانی پر سجدے کے نشان والے بنگالی' مونجور میاں تھے۔ منظور میاں نہ صرف ہیڈ کک تھے بلکہ ولا میں آنیوالے سو فیصد حلال گوشت کے پوری طرح ذمہ دار بھی وہی تھے جو مہمان جھٹکے کا گوشت کھانا چاہتے تھے ان حد سنگھ نے ولا کے عقبی لان سے ملا ان کے لیے "جھٹکا گرل ہاؤس" الگ بنا رکھا تھا۔ جو لوگ گوشت کھانے والے برتن اسی ایریا میں رکھے جاتے تھے۔ اس طرح مے نوشی کے برتن بھی ڈائننگ ہال میں نہیں آ سکتے تھے۔ ایکبار کسی نئے ملازم کی غلطی سے شراب کے تین استعمال شدہ گلاس منظور میاں کے علاقے پینٹری میں دیکھ لیے گئے۔ منظور میاں نے تینوں گلاس چمٹے سے پکڑ کر ولا کے پچھواڑے کوڑے دان میں پھینک دیے۔ ان حد سنگھ نے بتایا کہ او یار! اس روز مونجور میاں کا کصہ دیکھ کے میرے کو بھی مجا آگیا بار بار لاحول پڑھتا تھا اور میرے کو دھمکی دے رہا تھا کہ اگر کبھی دوبارہ یہ "کفر" ہوا تو میں واپس چاٹو گرام چلا جائے گا۔

خیر تو کھانا شروع ہوتے اور ختم ہوتے پتا بھی نہ چلا میرے میزبان نے اپنی مزے دار باتوں میں مجھے الجھائے رکھا۔ میں نے حلال و حرام کے احتیاط پر اس کے انتظام کی تعریف کی تو بولا۔ "شیر کھان! میں البیلے شاہ ہوری کا مرید ہوں۔ صوفی ہوں۔ کسی کا بھی دل نہیں توڑ سکتا' ایک پنڈت بھی اشلاف میں رکھ چھوڑا ہے کوئی برہمن مہمان آجاتا ہے تو پنڈت جی اس کے مطلب کا شدھ کھانا بنا کے اسے اپنے ہاتھ سے کھلانے کو تیار رہتا ہے۔"

کھانا ختم کر کے ہم اپنی اپنی کافی کی پیالیوں سے کھیل رہے تھے اور باتیں کر رہے تھے' میں گفتگو کو دھیرے دھیرے بے بی مدھوری کے باڈی کلب کی طرف لانے کی کوشش میں تھا کہ باہر کے ملازموں میں سے ایک خاموشی سے آیا' اس نے کھانے کھلانے والے ایک وردی پوش کے کان میں کچھ کہا۔ وردی پوش نے آہستہ آہستہ میز کی طرف آکر اور پھر موقع نکال کر اپنے مالک کے کان میں کچھ کہا مالک نے مسکرا کر میری طرف دیکھا تو میرا تجسس بڑھا میں نے پوچھا۔ "کیا ہوا' کوئی مجھے سنانے لائق بات ہے؟"

میزبان نے اسی طرح مسکراتے ہوئے کہا۔ "کوئی نہیں' وہ تمہاری ___ مطلب تمہارے دوست والی جیپ کا کوئی قصہ ہے۔"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

دیکھنے والے کے لیے میرا رنگ فق ہو چکا ہو گا۔ میں نے چوری کی جیپ ولا میں لا کے کھڑی کر دی اور یہاں مزے سے مہمانیاں کر رہا ہوں اتنا بے پروا اور احمق تو میں کبھی بھی نہ رہا تھا۔ میں نے ہکلا کر کہا۔ "اصل میں وہ جیپ کے بارے میں سردار جی! آپ سے بات بھی کرنی تھی۔"

وہ بولا۔ "پہلے کھانا تو کھا لیں پھر ہو گی سب باتیں کہیں گے، سنیں گے سرکار۔"

"جیسی مرجی جناب!" کہتا ہوا وہ اٹھا۔ ہم دونوں ولا سے نکل کر لان پر، پھر فوارے کے قریب پہنچ گئے۔ جیپ اسی بے ڈھب طریقے سے ڈرائیو ولا پر کھڑی تھی جیسی میں نے روکی اور چابی لگی چھوڑ دی تھی۔ دور دور تک سناٹا تھا، کوئی ملازم، چوکیدار کہیں نہیں تھا۔

چوری کی ہری جیپ کے پاس پہنچ کے میں نے اپنے میزبان کا سامنا کیا اور سیدھے سبھاؤ کہہ دیا کہ۔ "سرکار جی! میں نے آتے ہی وہ بات غلط کہی تھی کہ یہ جیپ میرے کسی دوست کی ہے۔ یہ دوست کی نہیں چوری کی ہے۔ میں سرکس کے پارکنگ ایریا سے لے کے بھاگا ہوں۔ وجہ یہ تھی کہ دشمن میرے پیچھے تھے اور اتنا وقت نہیں تھا کہ مالک سے اجازت لیتا یا لفٹ مانگتا۔"

وہ پوری تقریر سن کے توقع کے مطابق منہ اٹھا کے ہاہاہا کر کے ہنسا۔ "او یار شیر کھاں! تیرے جیسا چلاک نالے بے پرواوی کوئی نہیں۔ یار حد ہی کر دی۔ مجھے بتا دیتا کہ چوری کی ہے تے میں اسی ویلے کوئی بندوبست کر دیتا۔ چلو خیر کوئی گل نئیں۔ ابھی بھی بندوبست کر دیاں گے۔ یار نے چوری کی ہے، سمجھو ہم نے آپی چوری کی ہے۔ بول فیر کیا صلاح ہے؟"

میں نے کہا۔ "ادھر ادھر کر دو۔ یہاں سے تو غائب کرواسے۔"

وہ سوچ میں پڑ گیا۔ تھوڑا ٹھہر کے بولا۔ "کسے ہور کے علاقے میں رکھوا نہیں سکتے۔ پلس برآمد کر لے گی۔ فیر وہ لوگ کیا سوچیں گے۔ پڑوسی ہیں۔ ان حد سنگھ کا نام کالا پڑ جائے گا ہاں دوست؟"

میں نے کہا۔ "یہ تو ہے۔ سن یار ایسا نہ کریں۔ ہائی وے پر چھوڑ آئیں؟"

ان حد نے گھڑی دیکھی کہنے لگا۔ "ہم لوگ کی نمبر اسٹیٹ والوں کی الگ پرائیویٹ سیکورٹی ہے۔ وہ اب سائڈ کی روڈوں پہ نکل آئے ہوں گے۔ ہائی وے تک

پہنچتے پہنچتے سمجھو چار پانچ پٹرولنگ پارٹیاں ہمیں ملیں گی۔ میری اچھی سلام دعا ہے وہ نائم نوٹ کریں گے اس جیپ کو دیکھ لیں گے اور میرے یار شیر کھان تجھے بھی یاد رکھیں گے۔"

میں واقعی الجھن میں پڑ گیا۔ اسے رکھ نہیں سکتے، کہیں چھوڑ نہیں سکتے، حد یہ ہے ہائی وے تک جانا ممکن نہیں ہے۔ وہ جن کی جیپ ہے انہوں نے نمبر اسٹیٹوں کی سیکورٹی والوں کو اور بری ہائی وے پولیس کو ظاہر ہے اب تک رپورٹ کر دی ہو گی۔

میں نے پریشان ہو کر آخری انتظام سوچا، پوچھا۔ "پیچھے ادھر کہیں تمہارے ایریا میں کوئی کھڈ، غار وغیرہ کچھ ہیں؟"

ان حد کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ "بڑے کھڈ ہیں ان میں ایک کھڈ تو سمجھو پوری ایک ویلی ہے۔" پھر ہنس کے کہنے لگا۔ "یہ پنجابی کی ویلی نہیں ہے۔ انگریجی کی ہے۔ ویسے یار شیر! وہ بھی صحیح ہے۔ ہاں نا؟ خالی ویلی؟"

وہ ہاہاہا کر کے اسٹارٹ لینے والا تھا کہ میں نے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "سن تو سردار! اسے، جیپ کو لے جا کے کھڈ میں نہ گرا دیں؟"

سردار نے جیپ کی چمک دار پالش پہ ہاتھ پھسلایا۔ "یار! انی سوہنی گڈی کو اینج برباد کر دیے؟ دل نہیں کردا۔"

میں نے کہا۔ "یہ نہیں برباد کی تو دوست سمجھو میں برباد ہو جاؤں گا۔"

"او ناں، او ناں۔ ایہو جی بات سوچنی وی نہیں چاہیدی۔ سمجھاوئی شیر کھان! ابھی آپاں یندہ (زندہ) ہیں۔ بربادی کی بات جبان پے وی نہیں لانی چاہیدی۔ سمجھا بھائی شیر کھان؟ چل آ!" یہ کہتا ہوا وہ جیپ کی ڈرائیور سیٹ کی طرف چلا۔ "آفیر! لا چابی دے۔"

میں نے کہا۔ "اسی میں لگی ہو گی، پر جانا کدھر ہے؟"

ان حد سنگھ نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ "او خوئی یار پچھواڑے کھڈ میں سٹ کے آتے ہیں سوری کو۔"

میں اس کے برابر بیٹھ گیا اور وہ جیپ کو گھما کے ولا کی گراؤنڈز میں ایک طرف لے چلا۔ ظاہر ہے ولا کا مالک تھا اسے معلوم تھا کہ کہاں سے کدھر نکلنے کا راستہ ہے۔ پانچ سات منٹ میں ہم گراؤنڈ سے نکلنے والے ایک کھلے پھاٹک تک پہنچ گئے۔ پھاٹک کھلا تھا مگر پائپ کی سرے پر وزن لگا کر کہ بنائی گئی ایک بیریئر راستہ روکے تھی۔ ان حد نے بیریئر

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کے پاس جیپ روک دی تو میں نے اتر کر وہ رکاوٹ اٹھا دی گاڑی اب ناہموار سطح مرتفع پر نکل آئی۔

اور دس منٹ آہستہ آہستہ جیپ چلاتے ہوئے امیزبان ایسی جگہ لے آیا جو گاڑی کی ہیڈ لائٹس میں بھی نظر نہیں آئی تھی۔ میں نے گھبرا کے ان حد سنگھ کی طرف دیکھا۔ اس نے گاڑی روک دی اور بولا۔ "لو جناب یہ آپ کے ان حد سنگھ کی حد آ گئی۔"

جہاں جیپ روکی گئی تھی اس جگہ سے بہ مشکل دس بارہ فٹ دور زمین کی حد تھی۔ آگے خلا نظر آ رہا تھا۔ میں نے جا کر دیکھا نیچے ڈیڑھ دو سو فٹ تک اندھیرے میں یا تاروں کی ہلکی روشنی میں اس عظیم الشان کھڈ کی تہ کا شائبہ نظر آتا تھا۔ ان حد سنگھ نے ٹھیک کہا تھا۔ "یہ کھڈ نہیں پوری ایک وادی تھی۔"

میں اس عظیم کھڈ کو محویت سے دیکھ رہا تھا کہ ان حد سنگھ کی مسرت بھری آواز سنائی دی۔ "پتا ہے شیر کھان! ابھی کیا کرنا ہے؟ یہ دیکھ میں اپنا وہسکی کا پاکٹ فلاسک لے آیا ہوں۔" اس نے پتلون کی پچھلی جیب سے چاندی کی چھوٹی، چپٹی کپی جیسی فلاسک نکال کے دکھائی پھر کہنے لگا۔ "اس کی ساری وہسکی یہ رومال پہ چھڑک کے آپاں سیٹ پہ ڈال دیں گے پھر جیپ کو تھوڑی دور دھکا دے کے وہسکی والے رومال کو آگ دکھا کے بائی جان! گڈی کو آخری دھکا دے دیاں گے۔ ویلی کے تہ تک جاتے جاتے گڈی نے آگ پکڑ لینی ہے۔ سمجھو ڈبل ایکشن ہو جائے گا نا۔ نالے ٹٹ جانی ہے' نالے سڑ ما جانی ہے۔"

وہ یہ سب سمجھاتے ہوئے اپنے سفید بے داغ رومال پہ وہسکی چھڑک رہا تھا۔ اس نے شرارت سے مجھے دیکھتے ہوئے فلاسک سے منہ لگا کے ایک بار چھوٹا سا گھونٹ بھی لیا تھا۔

رومال کو شراب میں تر کر کے وہ میری طرف آیا۔ "لا کوئی ماچس لائٹر کچھ ہے تیرے پاس؟"

"میرے پاس تو نہیں۔ میں سگریٹ نہیں پیتا۔"

"اوہ یار تو سگریٹ نہیں پیتا اور میں تو ہوں ہی سکھ۔ میرے پاس ماچس کا کیا کام۔ فیر کی کرئے؟ او بھائی! او جرا جلدی آنا۔"

میں نے مڑ کے دیکھا کوئی طاقت ور ٹارچ لائٹ ڈالتا ہوا ادھر ہی آ رہا تھا۔

میں نے دھیرے سے پوچھا۔ "ان حد سنگھ جی! یہ سیکورٹی والا تو نہیں ہے؟"

"نہیں یار! شاید اپنا ہی گیٹ مین ہے۔ سیکورٹی والا ادھر کیوں آنے لگا۔"

وہ دو آدمی تھے۔ ایک نے جس کے ہاتھ میں ٹارچ تھی ان حد سنگھ کو سلام کیا

اور خود اپنے اوپر ٹارچ کی روشنی ڈال کے اپنی پہچان کرائی۔ وہ کسی قسم کی نیلی وردی پہنے ہوئے تھا۔

اس کو دیکھ کر ان حد سنگھ نے اور ساتھ ہی میں نے بے اختیار ہنسنا شروع کر دیا۔

بات ہی ایسی تھی۔ یہ آنے والا بھی سکھ تھا۔

ہنسی رکی تو میرے میزبان نے ٹارچ اٹھاتے ہوئے اپنے گیٹ مین سے ٹھیٹھ سکھوں والی پنجابی میں کہا کہ "اپنے ساتھ والے اس آدمی سے لائٹر یا ماچس لے کے ذرا ادھر آ اور جیپ کو دھکا لگا۔"

گیٹ مین نے بشاید عادتاً اپنے ساتھ آنے والے کے چہرے پر ٹارچ کی روشنی ڈالی اور اس سے کچھ کہنا شروع کیا مگر میں اب کچھ بھی سننے سمجھنے کے قابل نہیں رہا تھا۔

جس چہرے پر ٹارچ ڈالی جا رہی تھی وہ اس ڈرائیور کا چہرہ تھا جسے دہشت زدہ کر کے میں سرکس گراؤنڈ میں بے ہوشی میں پھینک آیا تھا۔ جیپ کا وہ اصل ڈرائیور ٹارچ کی تیز روشنی میں کھڑا بے بسی سے آنکھیں پٹپٹا رہا تھا۔ نہ معلوم کیوں اب تک وہ خوف زدہ تھا۔

میں نے ان حد سنگھ کی بانہہ تھام لی۔ "سردار جی! بات سنو۔ اسی آدمی سے جیپ چھینی تھی۔"

ان حد سنگھ ہنسا۔ "اہو۔ اوتے مینوں پتا ہے۔"

"کیا مطلب؟" تمہیں پتا ہے۔ کیسے پتا ہے؟"

سامنے کھڑے خوف زدہ ڈرائیور نے دھیرے سے کہا۔ "یہ صاحب ہی کی تو جیپ ہے۔"

ان حد سنگھ نے بہت غصے سے اسے ڈانٹا۔ "تو چپ کرا وئے۔ بھلا توں ادھر کیوں آ گیا؟"

سکھ گیٹ مین نے زمین پہ جلتی ہوئی ٹارچ چھوڑ دی اور اپنے ساتھ آئے ڈرائیور کو بازو سے پکڑ کر دور ہٹا لے گیا۔

میں نے کچھ شکوے' کچھ کھسیاہٹ میں کہا۔ "تو سردار جی! میرے ساتھ کھیل کر رہے تھے تم؟ پہلے ہی منٹ سے؟ آں؟" وہ ہنسنے لگا۔

میں نے نہ معلوم کیوں شکوے والا لہجہ برقرار رکھا۔ "یہ جیپ کو آگ لگانے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

والا کھیل کرنے بھلا اتنی دور کیوں آئے وہیں کچھ کر لیتے ہاں؟"

یوں لگا جیسے میں نے بات نہ کہی ہو ان حد سنگھ پر ضرب لگائی ہو۔ وہ لرز گیا۔ جذبات سے کانپتی آواز میں بولا۔ "شیر کھان! واگوروں کی' اس پیدا کرنے والی کی قسم ہے میں کھیل کرنے نہیں آیا۔ اس جیپ کو تو آگ لگانی ہی لگانی ہے۔" پھر اس نے اپنے آدمیوں کی طرف دیکھ کر طیش میں آواز دی۔ "سن اوئے کتے یا! یہ پچھے پچھے آ کے دوست کے آگے بے اج تی کراتا ہے۔ لاماچس دے مینوں۔"

اسی لمحے مجھے اپنی حماقت کا شدت سے احساس ہو گیا اور میں نے بڑھ کر ادھر آتے ڈرائیور کے ہاتھ سے ماچس چھین لی۔

میرے بہت قریب سے اندھیرے میں سے ان حد کی بے مروتی میں یکسر روکھی آواز آئی۔ "ماچس مجھے دے دو شیر کھان صاحب!"

وہ بہت قریب کھڑا تھا اور وہ بہت ملول تھا میں بڑھ کر ان حد سے بغلگیر ہو گیا۔

"اویار! تجھے مذاق مخول کرنے کا شوق تو بہت ہے پر مذاق سہارنے کی سکت بالکل نہیں۔ ایک فقیرے کا برا مان گیا؟ چل چھوڑ اسے۔ آ ٹہلتے ہوئے واپس چلیں گے۔ بہت مزے کا موسم ہو رہا ہے۔"

مگر وہ سکھ تھا۔ اتنی آسانی سے بات کیوں سمجھتا۔ کہنے لگا۔ "تو نے ابھی ولا کے لان پہ کیا کہا تھا؟"

"وہ خبر نہیں کس بات کا حوالہ دے رہا تھا۔" میں نے کہا۔ "تو بتا کیا کہا تھا۔ مجھے اس وقت کچھ یاد نہیں۔"

اس نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ "تو نے یہ نہیں کہا تھا کہ جیپ کو برباد نہیں کیا تو سردار جی میں برباد ہو جاؤں گا۔"

میں نے دو انگلیوں کے ہک بنا کر اس کی دستار پہ دستک دی۔ "ہیلو' ہیلو کوئی ہے اندر اس کھوپڑی میں۔ یا ٹیک کا برادہ ہی بھرا ہے؟"

وہ ابھی تک آزردہ تھا بولا۔ "مخول ناں کر۔ میری بات کا جواب دے۔"

"اوے ان حد سنگھ! وہ تو میں نے یہ سمجھ کر کہا تھا کہ جیپ کسی غیر کی ہے۔ اس وقت مجھے نہیں معلوم تھا کہ تیری ہے۔ مطلب دوست کی جیپ ہے۔"

"اور کیوں بھلا؟ بھولتا کیوں ہے؟ ولا میں آتے ہی تو نے آپ ہی نہیں کہا تھا کہ یہ دوست کی جیپ ہے میں جواب میں بولا تھا کہ آہو! دوست کی ہے تو خیر ہے۔"

"چل بابا! تو جیت گیا۔ ٹھیک ہے دوست کی ہے یہ جیپ بلکہ میری اپنی ہے۔ بس یہ میری ہے جیپ اور اب میں کہہ رہا ہوں کہ اسے برباد نہیں کرنا ہے۔"

ان حد سنگھ ہنس پڑا۔ "چل تیری ہے اور توں آپی کہہ رہا ہے کہ برباد نہیں کرنا ہے تو پھر نہیں کرنا۔ سن اوئے!" اس نے ڈرائیور کو آواز دی۔ "یہ لے جا گڈی۔ اسی دو وئیں پیدل آ رہے ہیں۔"

آواز ہی سے لگ رہا تھا کہ وہ اس وقت نارمل ہے۔ یعنی جس حد تک کوئی سکھ نارمل ہو سکتا ہے۔

میں اور ان حد چل پڑے۔ وردی والا گیٹ مین ٹارچ دکھاتا آگے آگے چل رہا تھا۔

ہم ولا میں آئے تو ان حد کہنے لگا۔ "تیری جیپ کے چکر میں بھرا پیالہ کافی چھوڑ کے جانا پڑا۔ چل کسی کمرے میں بیٹھ کے کافی پئیں گے نالے تجھ سے تیرے دشمنوں کا حال چال پوچھیں گے۔"

میں اپنے دشمنوں کا حال اسے کیا بتاتا' کہاں تک بتاتا بس اس لالچ میں راضی ہو کر چلا آیا کہ سردار جی شروع ہو گیا تو مدھوری بائی کی ادھوری کہانی پوری ہو جائے گی۔ مگر وہ بار بار کوشش کرنے پر بھی قابو میں نہیں آیا۔ وہ مدھوری کے وہ بادی بلڈنگ یا پونے شہر یا اپنی چھاتی کے سوراخ پر بات کرنے کو تیار ہی نہیں ہوتا تھا۔ گھوم پھر کر میرے دشمنوں کی بات کرنے لگتا تھا۔

میں سمجھ گیا وہ اس وقت کافی پی رہا ہے پوری طرح ہوش و حواس میں ہے۔ دوبارہ جب ان حد کی بوتل کھلے گی تو اس کی مدھوری بے بی بھی چھم چھم کرتی آ جائے گی۔

میں نے اسے سانپوں کے بادشاہ ناگی شا کی بیٹی روکسانا اور اپنی دوست رشنا کے اغوا کی پوری کہانی سنائی۔ پوری سے مراد یہ کہ رشنا کے سانپ کی کایا میں ہونے کا حال تو کسی کو بتایا نہیں جا سکتا تھا میں نے یوں کہہ دیا کہ دونوں لڑکیاں اپنے خیمے کی طرف آ رہی تھیں تو میری آنکھوں کے سامنے دو دشمن ہتھیار لے کے آئے' لڑکیوں کو بے بس کر کے اپنی اسٹیشن ویگن میں بھر کے ہائی وے پر نکلے' میں تمہاری ہری جیپ چرا کے ان کا پیچھا کرتا رہا۔ پھر جب تمہارے آدمیوں نے مجھے پکڑنے کو تعاقب شروع کر دیا اور اغوا کرنے والوں کی اسٹیشن ویگن نظروں سے اوجھل ہو گئی تو میں تمہارے آدمیوں سے بچنے

کو بھٹکتا بھٹکاتا ولا میں آ گیا۔

میں نے قبائلی بڈھے بدمعاش جسگے کے بیٹے رامل کی حرامزدگیوں کا حال اور کاکسیز بازار میں میرے والد کے گیسٹ ہاؤس سے شروع ہونے والی پوری سازش ان حد سنگھ کو بتائی کہ کس طرح منافق سلسیل چوہدری اور اس کے گھٹیا بھتیجے بازلر نے مجھے گھر سے بے گھر کر دیا ہے اور اس وقت جب کہ میں برما کے اس خوب صورت ولا میں' ایک محل میں تجھ جیسے دوست کی مہمان نوازی کے لطف اٹھا رہا ہوں میرے والد صاحب میری تلاش میں شاید برما کے یا مشرقی پاکستان کے جنگلوں کی خاک چھانتے پھر رہے ہوں گے۔

آدھی رات گزر چکی تھی۔ ان حد سنگھ ہنس کر کہنے لگا کہ پچھلے پچیس برسوں میں یہ شاید پہلا موقع ہے جو وہ آدھی رات کے وقت پوری طرح ہوش میں بھی ہے اور جاگا ہوا بھی ہے۔

میں نے کہا۔ "میری کہانی ایسی نیند اڑانے والی تو نہیں ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ میرے اپنے لوگ ماں' باپ' بہن اور بھائی کہانی سنے بغیر جاگتے ہوں گے۔ کتنی راتیں آنکھوں میں کاٹ دیتے ہوں گے۔"

سردار بولا۔ "سمجھ لے میں بھائی ہوں اور تیرے لیے جاگتا ہوں۔ ویسے مجھے ان رشتوں کی پوری سمجھ نہیں ہے۔ بس ماتا جی تھوڑی جئی یاد ہے۔ بہن بھائی کوئی تھا نہیں میرے جو بھی تھے دادا ہوری تھے۔ پر یار شیر کھان! اندایا (اندازہ) لگا سکتا ہوں کہ تیرے گھر والوں پہ کیا گجر رہی ہو گی۔ پروا نہیں کر جنڑیا! اس کی ادھر برما میں بھی اور کسے ہور جسگے وی طوفان اٹھادیاں گے رب کرے گا تو اب توں سوجا۔ سویرے کی سویرے دیکھی جائے گی۔"

بہت آرام دہ بیڈ روم' بہت نرم بیڈ' دن بھر کی تھکن الگ میں صبح اٹھا تو بالکل تازہ دم تھا۔ لان کی طرف کھلنے والی کھڑکی سے کمرے میں دھوپ گھسی آ رہی تھی۔ میں نے کھڑکی کھول کر صبح کاٹ دار ہوا میں سانس لینا چاہا تو بہت مستی میں لہک لہک کر گانے کی آواز سنائی دی۔ دیکھا مغلئی فوارہ چل رہا ہے اور حوض کے مرمریں دائرے پر کچھا پہنے' عورتوں کے نہانے والی ربر کیپ میں اپنے بال چھپائے سردار ان حد سنگھ ترکھان جگنی کی تانیں اڑا رہا ہے کہ ربا خیر کرے جگنی ای' ملوا خیر کرے جگنی ای' مالک خیر کرے۔

میری کھڑکی کا شیشہ چمکا ہو گا تو وہ ادھر متوجہ ہوا۔ فوارے کی پھوار میں ہاتھ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

لہرا لہرا کر مجھے صبح کا سلام کیا اور اپنی جگنی میں ایک لائن میرے جاگنے کے بارے میں جوڑ دی۔ "شیرا جاگ پیا جگنی ای' آپ آئی جاگ پیا جگنی ای' مالک خیر کرے۔"

آدھے گھنٹے میں نہا دھو کے' دن کے کپڑے پہن کے ہم ناشتے کی میز پہ آ گئے تھے۔ ان حد نے دنیا بھر میں پھیلے ہوئے پنجابی دوستوں کی طرح صبح ہی صبح نمکین لسی پی پھر کچھ اور کھایا میں پٹھان بھائی گوشت کے بغیر مزہ نہیں آتا۔ مونجور میاں چیف کک نے مجھے چکن تکہ بنا دیا ساتھ میں دو انڈوں کا آملیٹ اسے بھوسی ملے گیہوں اور مکئی کے آٹے کی سخت ڈبل روٹی ساتھ میں کافی یہ ناشتہ کرایا۔ ہم دونوں دوست اب صبح کے چیلنج کا سامنا کرنے کو ہر طرح تیار تھے۔

ناشتے سے اٹھ کر آئے تو دیکھا کہ ولا کے مرکزی ہال اور لاؤنج میں جنگی کونسل اکٹھا ہے۔ سردار ان حد سنگھ ترکھان کے سب ملازم' مونجور میاں بنگالی تک پورے کٹ میں حاضر تھے۔

"یا وحشت!" میں نے اپنے میزبان سے پوچھا۔ "یہاں یہ سب کیوں جمع ہیں؟"

کہنے لگا۔ "حاجری لگا کے کام کے بندوں کی چھانٹی کراں گے۔"

"پھر؟"

"فیر آپاں سارے ہی نکلیں گے۔ روکسانے بی بی تے رشنے بی بی کو تلاش کریں گے۔"

میں نے کہا۔ "سردار جی! روکسانا بی بی اور رشنا بی بی کو کسی ظالم قلعے دار نے اپنے قلعے گڑھ میں بند نہیں کیا ہو گا جو ہم لشکر لے کے اسے چھڑانے جائیں گے۔"

"اویار' سدھی جیسی بات کو تو الجھا کیوں دیتا ہے؟ آپ ای سوچ۔ کیا ہم دو آدمی دشمن کے مقابلے کو کم نہیں پڑیں گے؟ کیا پتا وہ کتنے کی نفری کے ساتھ بیٹھے ہوں۔ ہمیں آدمی تو ساتھ رکھنا ہی پڑے گا نا۔"

میں نے کہا۔ "کتنے کی نفری لے کے بیٹھے ہوں؟ او بھائی تجھے یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ کہیں بیٹھے ہوں گے؟ یہ بھی تو ہو سکتا ہے ابھی جاگ رہے ہوں' ملک سے نکل گئے ہوں' ساری رات ملی تھی ان کو اور گاڑی ان کی جیسی ٹینک کی ٹینک۔ رات بھر بھی چلتی رہے تو بھی پروا نہیں۔"

وہ سوچ میں پڑ گیا۔ "ہالا' بتا فیر تیری کیا صلاح ہے؟"

"میری صلاح یہ ہے میرے دوست! کہ پہلے تو تو ان سب لوگوں کو اپنی اپنی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ڈیوٹی پہ واپس بھیج۔ بہت ہوا تو اپنے ساتھ ڈرائیونگ کی شفٹ لگانے کو ایک آدمی لے لے' وہ موقع پڑنے پر اوپر کے کام کر دے گا ہمیں کھلا پلا دیا کرے گا۔ ہم دو اور وہ ایک مددگار۔ بس یہ تین بندوں کا مشن ہے۔"

"اچھا۔" اس نے مجھ سے اتفاق کرتے ہوئے ہاں میں سر ہلایا۔ "تو ایسا کرتے ہیں وہی بندہ جس سے تو نے اپنی جیپ حاصل کی تھی اسے ساتھ لے لیتے ہیں۔ آدمی ٹھیک ہے میں نے راتی ایویں بے کار میں اس کو گالیاں نکالی تھیں۔"

میں نے کہا۔ "ٹھیک ہے اسے روکو۔ باقی سب کو جانے دو اور سنو اس ڈرائیور کی ضرورت بھی گھنٹے بھر بعد پڑے گی۔"

پوچھنے لگا۔ "گھنٹے بھر تک اسیں کیا کرتے رہیں گے؟"

میں نے کہا۔ "سوچیں گے اور سراغ اٹھائیں گے۔"

ہم دونوں نے واقعی بہت سا وقت سراغ اٹھانے اور سوچنے میں لگا دیا۔

ان حد سنگھ کو ایک بار لائن نظر آ جائے پھر وہ اس پر جی جان سے چل پڑنے والا آدمی تھا۔ میں نے سراغ لگانے کی جو بات کہی تو اس نے اپنے ایک برمی دوست کو فون کر کے بلا لیا جو ٹمبر اسٹیٹ والوں کی پرائیویٹ سیکورٹی فرم میں چیف سیکورٹی افسر تھا۔

ہم تینوں آدمی برما کی سڑکوں کا نقشہ لے کے بیٹھے۔ میں نے سیکورٹی والے کو نقشے میں وہ جگہ دکھائی جہاں اغوا کرنے والوں کی اسٹیشن ویگن سرکس گراؤنڈ چھوڑ کر ہائی وے پر آئی تھی پھر جہاں تک وہ گاڑی مجھے نظر آ رہی تھی اس پوائنٹ کی نشاندہی کر کے باقی کام ہم نے سیکورٹی والے پر چھوڑ دیا۔ اس نے اسٹین ویگن کا میک اپ ماڈل رنگ اور دوسرے نشانات نوٹ کیے پھر نقشے میں دیکھ کر اس نے ان مختلف جنگلاتی علاقوں کی فہرست تیار کی جن سے ہو کر فراریوں کی یہ ویگن گزر سکتی تھی۔ قریب ترین ریلوے اسٹیشن اور ہوائی اڈا اور پھر دوسرے نمبر پر آنے والے ریلوے اسٹیشن اور ائرڈروم وغیرہ کے نام لکھنے کے بعد اس نے ایک اعتبار سے تفتیش کے لیے کیس اچھا خاصا تیار کر کے ہمارے سپرد کر دیا۔ پھر وہ ولا کے ڈرائیور وے پر کھڑے اپنے ہاف ٹرک گاڑی کے وائرلیس پر اس نے اپنے ماتحت سیکورٹی والوں کی کوئی چونتیس پینتیس چوکیوں سے جو اس بھاگنے والی اسٹیشن ویگن کے راستے میں آتی تھیں رابطہ قائم کرنا شروع کر دیا۔ ہم سمجھ رہے تھے کہ ہم ناشتے کے ایک ڈیڑھ گھنٹے بعد ولا سے چل پڑیں گے مگر وائرلیس پر بات

کرتے اور متوقع دونوں راستوں اور ان ٹمبر اسٹیٹوں کے نام اور فون نمبر اکھٹے کرنے میں دوپہر ہو گئی کہ جن اسٹیٹوں کے علاقے سے مفرور اسٹیشن ویگن گزر گئی تھی۔

کسی سیکورٹی پوسٹ سے یہ خبر نہ مل سکی کہ اس حلیے کی اسٹیشن ویگن گزرتی دیکھی گئی ہے۔

ہم نے سیکورٹی ماہر کے ساتھ دوپہر کا کھانا کھایا۔ کھانا کیا کھایا گیا تمام عرصے مختلف امکانات پر بحث ہوتی رہی۔ فرار ہونے والے ماہر بدمعاش تھے۔ انہوں نے گزرتے ہوئے نہ شہادتیں چھوڑی تھیں نہ کوئی نشان۔ چیف سیکورٹی والے کا خیال تھا کہ وہ چونتیس پینتیس چوکیاں جہاں سے نہیں نہیں کا جواب آیا ہے سادھوؤں' ولیوں اور خاصان خدا کی چوکیاں نہیں ہیں کہ بالکل حق بات کہہ رہی ہوں یہ قطعی ممکن ہے کہ اغوا کرنے والے ان چوکیوں میں سے بعض کے علم میں لا کر گزرے ہوں اور پیسے بانٹتے ہوئے گزرے ہوں۔ آخر اسمگلروں کا کاروبار بھی تو اسی طرح چلتا ہے۔

سیکورٹی والا ہمارا کام بہت آسان کر کے چلا گیا مگر آسان ہونے کے بعد بھی اتنا کام تھا کہ ہم دونوں دوست دیوانہ وار جٹے رہتے اور کئی دن کام کرتے تب ہی کوئی صورت کامیابی کی نظر آ سکتی تھی۔

روانہ ہونے کے لیے کسی فوجی مہم کی طرح کی تیاریاں کی گئی تھیں۔ ان حد سنگھ کی لائسنس والی رائفلیں اور پستول' کئی دن کا راشن ایک خیمہ' کئی جوڑے کپڑے' پانی اور شراب حد یہ ہے کہ فرسٹ ایڈ کا سامان تک ہماری دو جیپوں پر لدا ہوا تھا۔

چلنے سے پہلے ہم نے اس برمی سیکورٹی چیف کے تیار کیے ہوئے کیس کے کاغذات کا بہ غور مطالعہ کیا تھا۔

ٹمبر کے جنگلات' کارخانوں اور کاروبار کی پانچ بڑی اسٹیٹوں میں ہمیں فراریوں کو تلاش کرنا تھا یعنی انہیں ان سے متعلق کسی خبر کا سرا تھام کر آگے چل پڑنا تھا۔ پانچ اسٹیٹس' میلوں کے علاقے میں پھیلی ہوئی جائیدادیں۔ وہ ایک طرح کی پانچ خاصی آزاد ریاستیں تھیں بالکل اسی طرح جیسی سردار ان حد سنگھ ترکھان کی اپنی چھوٹی سی ریاست سمجھئے۔

ٹمبر کی پہلی جنگلاتی جائیداد جس میں جا کر ہمیں سراغ اٹھانا تھا ان حد کے ہمسائے مونگ صاحب کی اسٹیٹ تھی۔ کوئی نو میل کے شارٹ کٹ سے گزر کر یہ جنگلاتی جائداد آ جاتی تھیں۔ ان حد سنگھ بولا۔ "یار مونگ صاحب میرے سے اتنا قریب

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہے کہ سمجھو ہر ویلے ڈھیلے سے ڈھیلا بھڑائے ہم دونوں ایک دوسرے کی شکل دیکھتے رہے ہیں۔ مونگ صاحب تمباکو پیتا ہے تو میرا ساہ بند ہونے لگتا ہے اور میں پیاز کھاتا ہوں تو مونگ کی حالت بری ہو جاتی ہے۔ اتنے قریب ہیں ہم لوگ۔"

مونگ کی جائداد کے بعد ایک بنگالی مسلمان زوبر میاں سہلٹ والا کی اسٹیٹ تھی۔ زوبر میاں کبھی عید' بقر عید ان حد کو مٹھائی بھیجتا تھا۔ اور اسے شراب چھوڑنے پر آمادہ کرتا رہتا تھا۔ اس کوشش میں بھی تھا کہ ان حد کو مسلمان بنا لے۔ آدمی بہت شریف تھا۔

زوبر میاں سے ملی ایک زبردست نامی برٹش آرمی کے کسی ریٹائرڈ میجر چارلس پائن وڈ کا جنگلاتی علاقہ تھا۔ یہ بہت باضابطہ' بہت جھکی بلکہ کریک قسم کا بیوپاری تھا۔ وقت سے پہلے ریٹائرمنٹ لے کر پیسا کمانے ادھر آ گیا تھا۔ پہلے ہر کرسمس پہ ان احد سنگھ کو بلایا کرتا تھا اور ان حد سنگھ ٹال جاتا تھا آخر ایک کرسمس پہ سردار جی نے اس کی دعوت قبول کر لی اور پی پلا کے وہ کچھ کیا کہ میجر پائن وڈ نے اپنے دو تین درجہ دور اپنے اس ہمسائے ان حد سنگھ کو پھر کبھی دعوت نہ بھیجی ہیلو ہیلو تک بند کر دی۔

ان حد سنگھ نے بڑے ڈھیٹ پن سے ہنستے ہوئے بتایا کہ اس واقعے میں اس سے زیادہ میجر صاحب کی سینتالیس سالہ ہمشیرہ کا قصور تھا۔ یا شاید خود ان حد کا بھی اتنا ہی قصور ہو گا جتنا میم صاحب کا دونوں ہی بری طرح دھت تھے۔ میجر کی ہمشیرہ نے پہلے تو ان حد کو "کڈی" اور "مائی لٹل سکھ" اور "لٹل برادر چالی کا لٹل نے بر" یعنی ننھا ہمسایہ کہنا شروع کیا اور خوب پیے ہوئے ان حد کو اپنے بھائی چارلس پائن کی لڑکپن کی تصویریں دکھانے اوپر کمرے میں لے گئی تو ظاہر ہے ان حد اتنا بدتمیز نہیں تھا کہ جانے سے انکار کر دیتا پھر وہ اپنے بیڈ سائڈ ٹیبل لیمپ کی ہلکی زرد روشنی میں ان حد کو تصویریں دکھانے لگیں۔ اتنی ہلکی روشنی میں ٹھیک سے نظر کچھ نہیں آتا تھا تو دونوں کو قریب ہو کے خوب جھک جھک کر دیکھنا پڑتا تھا پھر البموں کے ورق لڑنے اور البم سنبھالنے کے لیے بھی چارلس کی ہمشیرہ کو تقریباً ان حد کی گود میں لیٹ جانا پڑتا تھا پھر پتا نہیں کیسے البم مکس اپ ہو گئے اور اب جو اگلا البم ان حد نے کھولا تو "لے بھئی حد ہی ہو گئی۔" پتا نہیں کن انگریزوں مردوں' عورتوں کی تصویریں تھیں جنھیں چارلس کی لٹل بگ سسٹر بھی نہیں پہنچانتی تھی مگر کیوں کہ تصویریں دلچسپ تھیں اور کئی کئی طرح سے تھیں اور ان میں دکھائے گئے جوڑے نہ معلوم کیا کیا کر رہے تھے جسے سمجھنا بہرحال ضروری تھا اس لیے دونوں دیکھنے

والوں کی دلچسپی بڑھتی ہی چلی گئی۔

بہت دیر ہو گئی تھی آخرکار جب محتاط بھائی چارلس نے دونوں کو بلانے کے لیے کسی کو بھیجنے کی بجائے خود اوپر تک آنا مناسب سمجھا اور آکر اندھیرے گھپ کمرے کی بتی جلائی تو ان حد سنگھ کا نشہ واقعی ہرن ہو گیا۔ جیسے تیسے وہ اپنا سوٹ بوٹ سنبھال کر دیوار پھاند کے بھاگا۔ اس گڑبڑ میں سوٹ یک جانہ رہ سکا۔ کوٹ میجر چارلس پائن وڈ کی اسٹیٹ میں ہی رہ گیا۔

ان حد سنگھ کو مجھے یہ سب سنانے کے بعد فکر سی ہو گئی تھی کہہ رہا تھا۔ "یار پائن وڈ اسٹیٹ میں گھسنا مشکل ہو گا۔ چرلس پہلے گولی مار دے گا پھر بات کرے گا۔"

پائن وڈ اسٹیٹ کے بعد ہماری سراغ رسانی کی ترتیب میں چوتھی جائیداد بلی صاحب کی تھی۔ یہ بلی صاحب اصل میں ولیم برانٹ تھا۔ آدھا انگیز آدھا برمیز۔ ان حد سنگھ نے بتایا بلی کے اسٹاف میں بعض بین الاقوامی قسم کے جرائم پیشہ لوگ شامل تھے۔ وجہ یہ تھی کہ بلی صاحب نہ صرف ٹمبر کے بہت بڑے بیوپاری تھے بلکہ رنگون میں ان کا بہت بڑا لائسنس یافتہ جوئے خانہ بھی چل رہا تھا۔ ایک جوئے خانہ ہانگ کانگ میں بھی تھا۔ رنگون کا اسٹاف ہانگ کانگ اور وہاں کا رنگون تبدیل ہوتا رہتا تھا۔ ان حد بتانے لگا کہ اسٹاف میں مرد بھی شامل تھے اور عورتیں' لڑکیاں بھی۔ ٹمبر کے بڑے حلقوں میں سبھی کو معلوم تھا کہ ولیم برانٹ کی یہ زنانہ فورس اس کی آمدنی کا اہم ذریعہ ہے۔ جوئے خانے کی اندھی آمدنی کے ساتھ ساتھ جیٹ طیاروں سے آنے والے ٹورسٹ بلی برانٹ صاحب کی وردی پوش بلبلوں پر جنھیں میزبانوں کا باعزت نام دیا گیا تھا۔ بھاری رقمیں ڈالر' پاؤنڈ' مارک' فرانک اور ین کرنسیوں کی صورت میں خرچ کرتے تھے۔ برانٹ کے یہ دو مہنگے قحبہ خانے حکومتوں کی مرضی اور لائسنس سے چل رہے تھے۔ برما میں اڑوس پڑوس کی ٹمبر جائدادوں والے اس برانٹ اسٹیٹ سے کوئی سروکار نہیں رکھتے تھے۔ صرف ان حد سنگھ سے بھائی برانٹ کے بوتلوں کے کریٹوں کے تعلقات تھے۔ وہ ہانگ کانگ سے اعلیٰ درجے کی شرابیں اور بیشتر بیئر وغیرہ ان حد کے لیے منگاتا اور ان حد جسے ٹرکی پالنے کا شوق تھا' زندہ اسے جھٹکا کیے ہوئے' فریز کیے ہوئے ٹرکی برانٹ صاحب کو تحفے میں بھیجتا رہتا تھا۔

وہ ہنس کر مجھے بتانے لگا کہ میں نے اڑا رکھا ہے کہ میں ان ٹرکیوں کو بادام چگاتا ہوں اور یہ کہ ان کا گوشت مردانہ قوت بڑھانے میں بے مثال ہے۔ بتانے لگا کہ ٹرکی تو

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

پولٹری خاندان میں چکن سے زیادہ بے وقوف برڈ ہوتی ہے اسے ابلے ہوئے کابلی چنے اور بھیگے ہوئے باداموں کا فرق کوئی نہیں معلوم۔ زندہ ٹرکی میری اسٹیٹ سے چنے کھاتی ہوئی جاتی ہیں اور برانٹ کی جوئے اور عورتوں کی کمائی سے خریدی باداموں پہ اسی رغبت سے ٹوٹ پڑتی ہیں۔ برانٹ صاحب ان کا گوشت کھا کھا کے اپنی وردی پوش ملازماؤں بلکہ بے پوشش میزبانوں پہ ٹوٹ پڑتا ہے اور سویرے ہی سویرے فون کھڑکھڑاتا ہے کہ ان حد مین! ٹمارا ٹر کی میجک تھا۔ میجک۔" اصل میں اس کی میزبانیں جادو میجک میں سورے کو اوپ یم پے لگا رکھا ہے۔"

میں نے سوچا اگر یہ سب کچھ ہے تو ولیم برانٹ کی اسٹیٹ ہماری سراغ رسانی کی خاصی اہم منزل ہو سکتی تھی۔

پانچویں اور آخری اسٹیٹ جہاں سے ہم مفرور اغوا کرنے والوں کا سراغ اٹھا سکتے تھے۔ بریگیڈیئر تھاپا کی اسٹیٹ تھی۔ بریگیڈیئر نیپالی نہیں تھا' بہار کا جھابا تھا۔ پورا نام سریندر ناتھ رگھوویر پرشاد جھابا تھا مگر بعد میں اس نے مناسب تبدیلی کر لی تھی۔ اس نے وکٹوریہ کراس کا بہادری کا سب سے بڑا برطانوی اعزاز پانے والے تھاپا نام کے گورکھے سے اپنا جھوٹا سچا تعلق ظاہر کرنے کو فوج سے ریٹائرمنٹ کے بعد یہ تبدیلی کی تھی۔ اسی لیے پنشن بک وہ ہر کسی کو دکھاتا نہیں تھا۔ اپنے بعض لیٹر ہیڈز پر اور کوٹھی کے گیٹ پیتل کی پلیٹ پر اس نے اپنا نام لکھوایا تھا۔ بریگیڈیئر (ر) سریندر ناتھ رگھوویر سنگھ تھاپا ای آئی او آر ایف ڈی وغیرہ وغیرہ تھا یا صاحب بہت اچھی اردو بھی جانتا تھا اور ان حد کو اپنا پورا نام بریگیڈیر سریندر بھاگلپوری بتاتا تھا اگر سردار جی کو گھیر گھار کے اپنی "پاگلوں جئی' غزلیں بھی سناتا تھا۔

ان حد کہنے لگا۔ "اس نقلی تھاپے' جعلی سنگھ' جھوٹے تاباں پاگل پوری کی اسٹیٹ میں ہماری بڑی مہمان داریاں ہوں گی۔ بریگیڈیئر خود کچن میں جا کے اپنے ہاتھ سے حلوے شلوے بنا کے لائے گا کھلائے گا مگر ایے سمجھ لے بھاجی! جیسے ہی اسے پتا لگے گا کہ تو مسلمان بھائی ہے اور پشوری ہے تو فیر روئی اس نے چڑی گانٹھ لینی ہے۔ کلام اپنا سنا سنا کے تیرا بولوئی رام کر دینا ہے۔"

سیکورٹی والے کی بتائی ہوئی حکمت عملی اور نقشوں' چارٹوں اور یادداشتوں کے ساتھ ہم سہ پہر کے وقت دو جیپوں میں نکلے اور کسی باضابطہ سڑک کی بجائے شارٹ کٹ سے مونگ اسٹیٹ کی طرف چل پڑے۔ سردار نے پھر یاد دلایا کہ مونگ اسٹیٹ

صرف نو میل آگے ہے۔

چلنے سے پہلے میرے میزبان نے مونگ صاحب کو فون کر دیا تھا کہ میرا یو کے سے آیا ہوا دوست خان صاحب' لمبی ہائی کنگ پر میرے ساتھ نکل رہا ہے۔ ہم دونوں آپ کی اسٹیٹ پر کچھ دیر رکھیں گے۔ مونگ صاحب روایتی برمی مہمان نوازوں کی طرح پہلے تو خوش ہو کر خوش آمدید اور شکریہ آپ کا' بہت مہربانی کہنے لگا پھر ان حد کے لفظوں پر کچھ دیر پر خلوص میں حجت کرنے لگا کہ مونگ اسٹیٹ تو سنگھ صاحب آپ کا سیکنڈ ہوم ہے۔ یہ دوسرا گھر ہے آپ کا میں ایک رات تو ضرور آپ دونوں کو روکوں گا ہر حال میں پھر جب ان حد نے وقت کم ہونے کا عذر پیش کیا تو مونگ نے کہا۔ "ٹھیک ہے رات کے کھانے کے بعد آپ دونوں کو جانے کی اجازت ملے گی' اس سے پہلے نہیں۔"

ہماری جیپ پہلے ان حد سنگھ چلا رہا تھا اور ڈرائیور دوسری جیپ میں سامان بھرے پیچھے آ رہا تھا مگر شام کے سائے پھیلتے دیکھ کر ان حد سنگھ نے نعرہ لگایا۔ "جو بولے سو نہال" اور کہنے لگا۔ "لو جی کھاں صاحب! اب آپ اسٹیئرنگ سنبھالو اور ڈرائیور والی جیپ کے پیچھے پیچھے چلتے رہو۔ اسیں تے اپنی کھرافات شروع پے کرنے آں۔" اس کی یعنی شراب نوشی کا وقت آ گیا تھا۔

یہ خرافات کا لفظ میرا دیا ہوا تھا۔ ان حد کو بہت پسند آیا تھا۔ کہنے لگا۔ "میری ایک ریگولر رکھیل امبر سر کی رہنے والی ہے۔ اسے اردو جبان سے اور مجھ سے بڑا پیار ہے۔ اگلے ویک اس نے رنگون سے ادھر آنا ہے' محبتاں کرنے۔ جب وہ آئے گی تو چما بعد وچ لیاں گے اسی اونوں یہ لفج' کھرافات سناواں گے کہ دیکھ وئی اسی وی اردو اچ چل پئے نیں۔"

میں نے کہا۔ "چل پڑے کیا مطلب' تم اردو میں پہلے سے چالو ہو۔" ان حد یہ سن کر خوب ہنسا۔

مونگ صاحب کا علاقہ چار ساڑھے چار میل رہ گیا تھا۔ یعنی ان حد اور مونگ کی جنگلاتی جائدادیں تقریباً درمیانی فاصلے پر تھیں۔ جب میرے میزبان نے چھوٹے پڑاؤ کا اشارہ کیا۔

اس نے جیپ سے اتر کر برابر کے ٹیلے کی ایک ہموار چٹان پر پانچ منٹ ریسٹ کیا۔ بوتل کھول کر اپنے لیے ایک پیگ بنایا اور پہلا گھونٹ لے کر بولا۔ "چلو بھائی صاحب

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اب آپ گاڑی سنبھالو۔"

میں نے کہا۔ "کیا یہ کوئی ٹوٹکا تھا جو بھائی صاحب آپ گاڑی سے اتر کر کچھ دیر یہاں بیٹھے ہیں اور پیگ بنایا اور گھونٹ لیا ہے؟"

کہنے لگا۔ "ٹوٹکا نہیں ہے آج اس چٹان کو یادگار چٹان کا سٹے ٹس۔ وہ کیا بولتے ہیں ار دو میں؟ درجہ' یادگاری درجہ دے دیا ہے۔ آج کے پیچھے جبھی بھی اس جگہ سے گجرنا ہووے گا ان حد سنگھ دو ترے منٹ اس چٹان پہ جرور بیٹھ کے شیر کھان کو یاد کرے گا فیر آگے چلے گا۔"

میں ہنسنے لگا تو ان حد سنجیدہ ہو گیا۔ بولا۔ "آپ بھائی صاحب! کیا سمج رہے ہو کہ دو گھونٹ میں چڑھ گئی ہے۔ نہیں کھاں صاحب! ہم ترکھان ہیں۔ ہاتھ سے کام کرنے والے بندے دوستی مشکل نال کرتے ہیں پر جب کرتے ہیں تو ایہو جی پاگل دوستی کرتے ہیں۔ آپ دیکھ لینا۔ جندہ رہ گئے ان حد سنگھ جی تو دیکھ لینا اپنے دوست کو اور اس یادگاری چٹان کو یاد رکھاں گے مالک کے فجل سے۔"

میں نے اسے یقین دلایا کہ میں اسے نشے میں نہیں سمجھ رہا۔ وہ تو مذاق میں ایک بات کہی تھی اور یہ کہ مجھے پورا اطمینان اور یقین ہے کہ میرا دوست ان حد سنگھ مجھے یاد رکھے گا۔

"ہا آں۔" ان حد نے خوب لمبا کر کے اور لہرا کے ہاں کہا۔ وہ اب تک بوتل سے براہ راست چار گھونٹ لے چکا تھا۔ "ہا آں میرے یار شیر کھاں! تو دوست پہ بھروسا کرتا ہے۔ بالکل ٹھیک آدمی ہے۔ اس بے بی مدھوری جیسا بے یقینا نہیں ہے۔"

ان حد پر اب چڑھنا شروع ہو گئی تھی۔ اس نے مدھوری بائی پونے والی کو یاد کرنا شروع کر دیا تھا۔ یہ اشارہ تھا اس بات کا کہ اب سردار جی اپنی سینے کے گھاؤ بلکہ چھاتی کے سوراخ کا ذکر کریں گے۔ خود بہ خود کریں گے اب کچھ پوچھنے کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔

میں نے سامنے جاتی سامان کی جیپ اور رستے پر اپنی توجہ مرکوز رکھی۔ ان حد سنگھ کے ریمارک پر کچھ نہ کہا۔ وہ آدھے منٹ چپ رہا پھر بولا۔ "توں پچھیں گا۔ "بے یقینا" اور "بے بھروسی" کون ہوتا ہے۔ تو لے سن بے بھروسی ہے بے بی مدھوری جسے ان حد پہ اتنا جرا سا بھی وشواس مطلب بھروسا نہیں تھا۔"

میں نے پوچھا۔ "کیسے؟"

ان حد نے چیخ کر اتنی زور سے کہا۔ "لو بھائی جی کہتا ہے کیسے۔" اس کی آواز سن کر آگے چلتی جیپ کے ڈرائیور نے مڑ کے دیکھا۔ ان حد آگے بولا۔ "میں بتاؤں کیسے بھروسا نہیں تھا مدھوری بائی کو؟ وہ کیسے بے بھروسی تھی۔"

"میں نے اس کی طرف دیکھے بغیر ہاں میں سر ہلایا۔

"پہلی بات تو یہ کہ جنانیوں کے باڈی بلڈنگ کلب میں وہ اپنے ان حد کو لے کے جا رہی تھی تو بھائی جی اس نے ان حد کو ورانڈے میں ہی کیوں روک دیا؟ بولو؟ بولو بولو بولو؟"

میں نے کہا۔ "او بھائی وہ خود بھی تو تیرے ساتھ ورانڈے میں رک گئی تھی۔ تو اکیلا نہیں روکا گیا تھا۔"

"ہاں یہ پوائنٹ صئی ہے۔ اچھا جی تو فیر آگے سنو۔" سردار کی رکی ہوئی ریل گاڑی آپ ہی آپ آگے چل رہی تھی۔ "جبی اس جرسی نیکر والی موٹی کو اٹر ماسٹر حوالدار عورت نے مدھوری بائی کو بولا کہ اندر سب جنانی ڈھکیلی ہے' صئی ہے تو میرے کو کھاں صاحب! بڑی ہنسی آئی مگر اپنی مدھوری بے بی نے میرا ہاتھ پکڑا اور بولی کہ ____"

مجھے مدھوری بائی کا فقرہ یاد تھا۔ میں نے اس کی ریل گاڑی تیز چلانے کے خیال سے لقمہ دیا۔ "ہاں وہ انگریزی میں تجھ سے کہنے لگی کہ سردار جی میں نے تیرا ہاتھ پکڑوانے کا شوق بھی پورا کر دیا۔"

"ہاں۔" ان حد نے خوش ہو کے یاد کیا۔ "میں بولا ہور ویکھو میرے کون کون شوق پورے کراؤ گی جانم۔"

اس دفعہ اس نے جانم کا لفظ بڑھا دیا تھا مگر میں نے ٹوکا نہیں۔

"تو جانم! کون کون شوق پورے کراؤ گی؟ اس نے کھان صاحب! جواب نہیں دیا۔ میرا ہاتھ دبا دیا۔ یہ کوئی آپسی اشارہ ہی ہو گا۔ خیر جی اس دو ہی بندے بر آمدے سے گجرائے تھے۔ وہ نیکر والی موٹی ساتھ نہیں تھی۔ تیرے کو عجیب بات بتاؤں شیر! مجھے جنانی باڈی بلڈنگ کلب میں آئے پانچ سات منٹ سے جیادہ ہو گئے تھے اور پورے ٹائم میں بھائی صاحب! ہم کو' ان حد سنگھ جی کو دو سور جیسی شکلوں والے گورکھے اور ایک مج ____ مج جانتے ہو بھائی جی۔" میں نے کہا کہ ہاں بھینس کو کہتے ہیں تو بولا۔ "ہاں جی ایک مج نیکر جرسی پہنے نجر آئی تھی بس جنانی کوئی وی نہیں وکھی تھی۔ واہگرو کی قسم جنانی کوئی نہیں وکھی تھی۔"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

میں نے کہا۔ ”قسم کیوں کھاتا ہے اور چیختا کیوں ہے؟ مگر صحیح کہہ رہا ہے تو بھائی بات ایسی ہی تھی۔“

”خیر جناب ایک بند درواجے کے سامنے گجر رہے تھے تو ان حد سنگھ جی کو ایک جنانی کے کرلانے کی اواج آئی۔ ایج لگدا تھا کوئی جنانی مشقت میں ہے۔ میں سمجھا کوئی بندہ بے چاری کو ستا تو نہیں رہا۔ مطلب اس کے ساتھ جور جبر دستی کرتا ہو۔“

”کس کے ساتھ؟“ میں نے ویسے ہی پوچھ لیا۔

”او بھئی نامعلوم جنانی کے ساتھ۔ جس کی اواج تکلیف کی آ رہی تھی۔ خیر میں نے اپنی مدھوری بے بی کا ہاتھ دبایا۔ ہور جور سے دبایا اور پوچھا بھئی یہ کیا ہو رہا ہے؟“

وہ ایک ذرا لمبا گھونٹ لینے کو چپ ہو گیا۔ میں سامنے دیکھتے ہوئے گاڑی چلاتا رہا۔

”میں پچھا جانم! یہ کیا ہو رہا ہے؟ یہ کون کتا عورت پہ ____“

میں نے پوچھا۔ ”کتا کہاں سے آ گیا۔“

وہ چڑ گیا۔ ”کہیں سے وی نہیں آیا یار۔ مجھے وہم ہو گیا تھا کہ کوئی سور کسی جنانی کے اوپر مطلب ____ جلم کرتا ہے۔ میں اس کی مدد کرنا چاہتا تھا۔ درواجے کو کھلوا کے انکوئری کرنا جروری تھا۔“

میں نے قہقہہ مارا۔ ”تم بڑے چنٹ ہو۔ اس بہانے اس اندر والی جنانی کو تاکنا چاہتے تھے۔ بڑے چنٹ ہو۔“

ان حد نے مجھے آنکھ ماری۔ ”سمجھا کرو شیر کھان! پوائنٹ یہی تھا آپ کے ان حد سنگھ چنٹ کا مگروئی میں نے دوسرے زاویہ سے مدھوری کو سمجھایا۔ وہ بولی ڈونٹ بی سلی۔ مطلب کھوتے جی بات مت کرو۔ وہ تو اندر ایکسر سائج ہو رہی ہے۔ لے بیڑا گرک! میں نے کہا تو بھول گیا تھا ادھر ڈنر بیٹھک اکسر سائج ہوتی ہے۔ تو اسی میں جنانی کے کرلانے کی اواج آ رہی تھی۔ مدھوری بولی تیرے کانوں میں اور کھوپڑی میں بدمعاشی ہے۔ سدھا چلتا رہ۔ کدھر بھی نہ دیکھ، نہیں کج وی نہیں سن۔“

ان حد کے بیان میں نشے کے شروع میں جو بے ربطی آ جاتی تھی اب وہ نہیں تھی۔ وہ مزے لے لے کے اپنا قصہ بیان کر رہا تھا۔

”اچھا جی۔ آگے کی سنو۔ آگے جی اشٹیل کے سفید پینٹ کیے ہوئے درواجے تھے۔ ایک لائن میں کوئی دس بارہ درواجے اور جی ان میں سے بہت سے

درواجوں کے پیچھے سے ایسی اواج آ رہی تھی جیسے جی امبر سر ریلوے جنکشن کے یارڈ میں بھائی صاحب اسٹیم انجن آرام کرتے ہوں۔ لو جی اواج بھی وہی آ رہی تھی نالے اس کے ساتھ ساتھ اسٹیم کے بادل جیسے پیچھے پیچھے سے برابر اٹھ رہے تھے۔ گرم بادل اور انجن کی گرم اواجیں۔ ہاں جی میں نے دھیرے سے پوچھا۔ مدھوری بے بی یہ پونے کا ریلوے جنکشن تو نہیں آ گیا؟ وہ ہنسی جناب موتیاں ورگے دند نجر آئے ادھر میں نے دل میں واج ماری کہ جو بولے سو نہال! پر بھائی شیر کھان! اسی ٹائم اسی سے ایک ہور بات ہو گئی۔“

یہاں ان حد سنگھ اپنی بات کا ڈراما بڑھانے کو رکا۔ بوتل سے الجھ گیا۔

فارغ ہوا تو بولا۔ ”واتوں شیر کھان صاحب! ایک ہور بات ہو گئی۔ کوئی کالی سی خوشبودار چڑیا جیسی سینٹ میں ہور پسینے میں تربتر پھڑپھڑاتی ہوئی اندر اسٹیم انجنوں کی سائڈ سے اڑتی ہوئی آئی اور جناب باہر اسٹیل کے سفید پینٹ کیے ہوئے درواجے پے گر گئی۔ اوئے! اے کی ہو گیا وئی۔ میں کبرا گیا۔ پر دل کڑا کر کے دیکھا تو جناب اسٹیل کے درواجے پر کوئی چڑیا شڑیا نہیں پڑی تھی جنانیوں کا لیڈیز بریج پر مطلب باڈی باڈی۔ وہ لٹک رہی تھی مدھوری کے سے' نالے ہنسی سے وی بولی۔ ”تم باج نہیں آؤ گے سردار؟ یہ اسٹیم باتھ کا ایریا ہے۔ کوئی انجن شنٹنگ نہیں کر رہے۔ جنانیاں بر جشن ایکسر سائج کر کے اشٹیم باتھ لے رہی ہیں۔ توبہ میں نے کہا مدھوری! میں وی کتنا بے وقوف ہوں۔ آخر کو وہ ہوں۔“

میں نے لقمہ دیا۔ ”سکھ؟“ ان حد سنگھ۔ نے خوش مزاجی سے ہاں میں سر ہلا لایا۔

”خیر جناب! اس پونے ریلوائی جنکشن کے شنٹنگ یارڈ سے گجر کے آگے نکلے۔ مدھوری بے بی سختی سے میرا ہاتھ پکڑے ہوئے تھی۔ پہلے میں سمجھا تھا کہ بے بی مدھوری جو ہاتھ پکڑے ہیں تو اس میں کوئی اپناپن کوئی گرمائش ہے پریم کی مگر جناب والا! وہ تو شاید اس طرح میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں جڑے چل رہی تھی جیسے جاٹ اپنے بیل کی ناک میں کڑا ڈال کے چلتا ہے کہ جب کبھی بیل سورے نے اچھل کود کی تو فٹافٹ رسا ڈال کے کھینچ لینا ہے۔

اور میرے بھائی ایک موقع آ وی گیا کڑے۔ میں رسا ڈال کے کھینچنے کا۔ مطلب مدھوری بائی نے اپنے ہاتھ کی پکڑ سے اور کج اپنی باڈی بلڈنگ کی ٹریننگ سے آپ کے اس ڈنگر کو روک لیا نہیں تو بھائی جی کوئی لمبی پسوڑی پے جانی تھی۔“

وہ پھر رک گیا تھا' اپنی بوتل پہ توجہ دینے یا شاید میرا اشتیاق جگائے رکھنے کو۔
دم لے کے اور بوتل کا دم نکال کے ان حد نے سنانا شروع کیا کہ کس طرح پسوڑی ڈلتے ڈلتے رہ گئی تھی۔

بولا۔ "مدھوری بے بی کے ساتھ ورانڈے میں چلتے چلتے ایک موڑ جو مڑیا تو جناب! سامنے کیا دیکھتا ہوں کہ ناگن کی طرح لہرا لہرا کر چلتی ہوئی وہ جو کہتے ہیں نا____ سپ دی ٹور مطلب سانپ کی چال سے چلتی ہوئی پونے شہر کی ڈی سی صاحب کی بیٹی جسم پہ بھوکچھ وی نیں۔ مطلب بہت تھوڑا جیسا پہنے____"

میں نے اسے ٹوکا "تجھے کیسے معلوم ہوا کہ وہ پونے کی ڈی سی صاحب کی بیٹی تھی؟"

کہنے لگا۔ "بعد وچ پتا چلیا اور جو اگر مدھوری بے بی نے مجھے کھینچ کے نہیں رکھا ہوتا تو اور بھی بعد وچ پتا چلنا تھا جیل میں جا کے سوں رب دی۔ جیل میں پہنچ کے بہت لیٹ۔

خبر ہوتی کہ وہ ڈی سی صاحب کی بیٹی تھی۔ خیر جی پہلے پوری بات تو سن لے بھائی جی! تو جناب ناگن جیسی لہراتی چال دیکھ کے آپ کا یہ دوست جوگی ان حد سنگھ بے حد بے حال ہو گیا اور بولوئی رام کر کے چھال مار کے کود پڑا جی میدان میں۔ سوچ لیا تھا کہ ناگن ورگی چال ولی کو گود میں بھر کے اٹھاواں گا۔ ہور جدھر اس نے جانا ہو گا پہنچا دیاں گا۔ یہ وی کھدمت کا ایک اشٹائل ہے۔ تو جناب شیر کھان صاحب! جیسے میں آگے بڑھا۔ مدھوری بے بی نے ہاتھ کی پکڑ سخت کی۔ میرے ہوش حباس' کب ٹھیک تھے جو میں سوچتا سمجھتا۔ بس جی میرا بدن آگے کو بڑھا اور مدھوری بے بی نے جھکولا دے کے اپنی ایک ٹانگ بڑھا کے میرا رستہ کاٹا۔ میں جی ٹھوکر کھا کے جھکا ہی تھا کہ مدھوری نے ہاتھ پکڑے سر پکڑے پکڑے آپ ہی ایک گھٹنا جھکا کے جوڈو کا کوئی داؤ مارا نہیں کہ میں مدھوری کی پیٹھ پر اپنی پیٹھ کے بل آ گیا اور شیر کھان صاحب جی! اس نے اس دھان پان معشوق جیسی لڑکی مدھوری نے مجھے دھوبی پاٹ مار کے ڈی سی صاحب کی بیٹی کے سامنے دے پٹکا۔ فیر جیسے ہی وہ ناگن چال والی سہم کے رکی اور مجھے اس نے ورانڈے کے صاف ستھرے پتھر کے فرش پہ چاروں شانے چت پڑے دیکھا اور کبرا کے اس نے چیخ ماری تو مدھوری نے بھائی جی! حد ہی کر دی اس نے ہاتھ اٹھا کر ڈی سی کی بیٹی کو تسلی دی بولی۔ یہ سردار جی ہوں تم جدھر جاتی ہو جاؤ۔ کبرانے کی بات کوئی وی نہیں۔" پھر جی مدھوری

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بے بی نے ہاتھ بڑھا کے مجھے فرش سے اٹھایا جیسے سمجھاتے ہوئے بولی۔ "تو یہ ہوتا ہے داؤ نمبر تین۔ جراسی مشق کرو گے سردار جی تو اور سمجھ جاؤ گے۔" تو میں جناب اپنے کپڑوں کی مٹی جھاڑتا تھا اور ناگن جیسی چال والی مسکراتی اپنے بہت کم کپڑوں میں اگلا موڑ مڑ کے کدھری چلی گئی تھی۔ فیر بھائی جی! مدھوری بے بی نے بتایا کہ ناگن مطلب سپ دی ٹور والی لڑکی کس کی بیٹی تھی اور میں جیل جانے سے بال بال بچ گیا ہوں۔ مجھے مدھوری کا تھینک فل۔ مطلب ممنون ہونا چاہیے۔"

اور اس وقت آگے والی جیپ کے ڈرائیور نے ہارن بجا کے ہمیں توجہ دلائی۔ ہم نے دیکھا ایک بڑی سی پرانی شیورلے گاڑی سامنے سے چلی آ رہی تھی۔

ان حد سنگھ نے پہچان کے کہا۔ "یہ مونگ صاحب کی گاڑی ہے۔ ہم مونگ اسٹیٹ میں داخل ہونے والے ہیں۔"

ان حد کی آواز پوری طرح بیدار اور باہوش تھی۔

میں سمجھ گیا کہ اب مدھوری بے بی کا زنانہ باڈی بلڈنگ کلب کا قصہ ان حد کی اگلی شراب نوشی تک کے لیے ملتوی ہو گیا ہے۔

مونگ صاحب کی پرانی شیورلے اپنی سائڈ پہ رکی۔ ڈرائیور نے ریس دے کے گاڑی بند کی اور اتر آیا۔ سورج غروب ہو چکا تھا۔ مغرب کے بعد کی تھوڑی روشنی میں گاڑی سے اترنے والے کا لباس اور رکھ رکھاؤ دیکھا جا سکتا تھا۔ یہ کوئی معزز بزرگ بوڑھا تھا جو بار بار کے دھلے ہوئے دیہاتی تراش کے مقامی لباس میں ٹمبر اسٹیٹ کا پرانا ملازم یا مالکوں کا ایسا غریب عزیز دکھائی دیتا تھا جسے کسی لیاقت کی وجہ سے نہیں اس کی غربت سے رشتے داری کا خیال کرتے ہوئے مالکوں نے رکھ لیا ہو گا۔"

میں گاڑی روک کر انجن بند کیے ہوئے بوڑھے بزرگ کے آنے کا انتظار کرتا رہا۔

وہ بالکل قریب آ گیا تب ان حد سنگھ نے پہچان کر نعرہ لگایا اور لڑکوں کی طرح اچھل کر جیپ سے کودا۔ "اوئے مونگ انکل! مائی ڈیئر ڈیئر مونگ نے بر! اس وقت فیر مجھے دھوکا ہو گیا۔ میں سمجھا کہ مونگ لی صاحب نہیں ہے مونگ جو صاحب ہے۔ و مائی مائی آپ دونوں کا شکل کتنا ملتا ہے۔ بس جرا ڈریس سے پتا چلتا ہے کہ مالک کون ہے اور نوکر کون ہے۔ مونگ جو صاحب بہت فیشن میں رہتا ہے۔"

مونگ لی بولا۔ "ہاں بھائی وہ رہ سکتا ہے فیشن میں اسے ہر پہلی تاریخ کو پے جو

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

مل جاتی ہے۔ میں کو پے کون دے گا۔ میں غرب مالک ہے اپنا روٹی آپ ہی کماتا ہے۔ کوئی میں کو کما کے نہیں دیتا۔ جیسا مونگ جو کہ ٹمبر اسٹیٹ کما کے دیتا ہے۔ ہر پہلی تاریخ کو۔"

"چالاک چالاک مونگ لی صاحب اور کنجوس بھی ہے تم۔ چالاک اور کنجوس مکھی چوس۔" ان حد اونچی آواز میں اسے چھیڑ رہا تھا پھر بولا۔ "اچھا انکل نے بر مونگ لی! میرے دوست کھان سے ملو۔ کھان یو کے سے آیا ہے۔ کھان! یہ میرا پڑوسی برما کا سب سے بڑا ٹمبر ٹریڈر اور دنیا کا سب سے بڑا کنجوس مونگلی صاحب۔ ہم لوگ ادھر مے اس کو مونگ نے بر بھی بولتے آں جوا بھی بولا ہے۔"

میں نے اتر کے ہاتھ ملایا۔ مونگ لی نے میری خیریت پوچھی اور ہم دونوں کے بازوؤں میں اپنا ایک ایک بازو ڈال کے اپنی گاڑی کی طرف چلنا شروع کیا۔ اسی وقت اس کی گاڑی کی پچھلی سیٹ سے ایک چینی لڑکی یا عورت یہ کہنا مشکل تھا۔ اتری اور سیدھی میری طرف آئی۔ وہ تنگ چینی روایتی لباس میں تیز تیز چلتی ہوئی آئی۔ میرے سامنے ہاتھ بڑھا کر بولی۔ "گاڑی کی چابی دے دو۔"

ان حد نے کہا۔ "کھانا! یہ انکل نے بر کی معشوق اور ڈرائیور اور ہاؤس کیپر ہے۔ اسے اپنی گاڑی کی چابی دے دو۔ ہم دونوں انکل مونگ لی کی شیورلے میں چلیں گے۔"

مونگ لی کی معشوق یا ڈرائیور ہاؤس کیپر اس چینی لڑکی یا عورت نے بغیر مسکرائے یا پلک جھپکائے بنا میرے ہاتھ سے گاڑی کی چابی لی اور "دینک یو" کہہ کے سیدھی جیپ میں جا بیٹھی پھر وہ مونگ کی کار میں ہمارے بیٹھنے سے پہلے ہی طوفان کی طرح جیپ چلاتی ہوئی یہ جا' وہ جا۔

ان حد نے کہا۔ "بلے او بلے۔ طوفان ہے یہ چینی گڑیا یہ ڈینٹسٹ بھی ہے۔ میں تو مونگ لی صاحب سے کہتا رہتا ہوں اسے بتیس دن کے لیے میری ٹمبر اسٹیٹ کو ادھار دے دو ادھر جتنے داتوں کے مریض ہیں سب کا علاج کر دے گی نالے میرے بتیس کے بتیس دانت نکال کے مجھے بھی فارگ (فارغ) کر دے گی۔"

مونگ لی ڈرائیور سیٹ پہ بیٹھنے سے پہلے کھڑا ہی کھڑا کچھ دیر تک دھیرے دھیرے اپنے سینے کو تھپکتا ہوا ہنستا رہا۔ "تم گندے مغز کے سکھ ہو مسٹر سنگھ! تم جانتے ہو وہ میں کی ہاؤس کیپر ڈرائیور ہے۔ میں کو اپنا کھانے پینے کا 'بستر کا خیال نہیں کرنا پڑتا وہ سب کر لیتی ہے تم اس کو صرف اور صرف۔ اپنے بیڈروم کے لیے لینا مانگتے ہو۔ وہ ادھر

میرے سب رومز کا خیال کرتی ہے' بیڈ روم کو ملا کے سب رومز کا اچھی عورت ہے۔"

"اچھی عورت ہے انکل نے اسی لیے تو بار بار ہر سال ونٹر کے آنے سے پہلے آپ کو ری کو نیسٹ کرتا ہوں کہ ادھار دے دو۔"

"اچھا چپ کرو۔" برمی بڑے میاں ہنستے ہوئے بولے۔ "چپ کرو' چینی عورت کا بات نہیں کرو۔ نہیں تمہارا دوست خیال کرے گا کہ مونگ لی کوئی بہت ڈرٹی آدمی ہے۔"

انحد نے مجھ سے کہا۔ "نا' نا کھان! مونگ لی صاحب بالکل ڈرٹی نہیں ہے صاف ستھرا ہے یہ چینی معشوق ہاؤس کیپر لی صاحب کو روج اسپنج سے باتھ دلاتی ہے۔ روج دو ویری ایک ٹائم صبح ایک ٹائم رات میں۔ اپنے ہاتھ سے بہت مدد کرتی ہے۔ اس کی!"

مونگ لی صاحب نے ہنستے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ "ہاں ہاں یہ ٹھیک ہے۔ شی از ویری ہیلپ فل ___ میں کی بہت مدد کرتی ہے۔ یہ صحیح ہے۔"

انحد نے ٹھٹھا لگایا۔ "دیکھا کھان! میں کیا کج کہہ رہا تھا۔ یہ مونگ بابا وی بڑا چنٹ ہے۔"

اسی پر ہنستے چھیڑ چھاڑ کرتے دس منٹ میں ہم مونگ لی کی اسٹیٹ ولا میں پہنچ گئے۔ یہ پرانے چینی فن تعمیر کی نقل میں بنائی ہوئی ولا تھی۔ باغ بھی چینی باغوں کی طرز کا تھا۔

مونگ کی گاڑی کے استقبال کے لیے گھریلو اسٹاف پورچ میں جمع تھا۔ چینی ہاؤس کیپر سب سے آگے ہماری پیشوائی کو موجود تھی۔

میرا سکھ دوست ولا میں داخل ہوتے ہوئے ہاؤس کیپر کو دیکھ کر شرارت سے مسکرا رہا تھا۔ ہاؤس کیپر ایک دو لمحے تو روکھا سنجیدہ چہرہ بنائے رہی مگر ان حد سنگھ کی روشن چلبلی آنکھوں نے اس کے چہرے کی سنجیدگی برف کی طرح پگھلا دی۔ وہ ادا سے مسکرائی۔ ان حد نے دانت نکال دیے۔

پھر ان حد سنگھ مجھے سنانے کو بڑبڑایا۔ "او کھوتے سنگھ جنڑیا! توں اول نمبر دا کھوتا ہے۔ مونگ لی اچھی خاصی رات رکنے کی دعوت دے رہا تھا۔ فون پے بے وکوف تو نے ایک ہور چانس کھو دتا۔"

مونگ لی نے ہڑبڑا کے پوچھا۔ "پارڈن! کچھ میں کو بولتا ہے مسٹر سنگھ؟"

ان حد سنگھ کہنے لگا۔ "نہیں نہیں سر! اپنی کھوتی قسمت کو روتا ہوں۔"

میں ہنسنے لگا تو وہ خود بھی ہنسا' مونگ صاحب نے بھی قہقہہ لگایا۔

مونگ کا اصرار تھا کہ ہم جو صرف نو میل کی مسافت طے کر کے آئے ہیں ذرا واش روم جا کر فریش ہو لیں۔ اگر نہانے کا موڈ نہ ہو تو منہ ہاتھ دھو لیں۔

انحد مجھ سے کہنے لگا۔ ''میرے تے نہان دا سوال ہی نہیں پیدا ہوندا۔''

میں نے پوچھا۔ ''کیسے؟''

وہ ہنس کے بولا۔ ''اوئے بھولے بادشا! نائم کدھر؟ سکھ پانی میں چلا جاوے تو فیر جلدی نہیں سوکھتا ہوتا۔ یہ کہیں سکھانا کوئی آسان کام ہے؟ چل ڈاڑھی کو تو انگیٹھی کے آگے کر کے خشک وی کیا جاسکدا ہے ہاہاہا۔''

مونگ لی صاحب نے واش روم جانے پر ایک بار اور اصرار کیا تو انحد بولا۔ ''پیارے نے بر! واش روم جانے کی دو شرطیں میں پہلے بھی کئی سال سے پیش کرتا رہا ہوں۔ ایک تو یہ کہ آپ کے والے واش روم میں جاؤں گا۔'' پھر اس نے آنکھیں چلا کر اضافہ کیا۔ ''اور دوسری شرط ہی آپ جانتے ہو اس واش روم میں میری مدد کے لیے ہمیش کے اشتاف کو میرے نال جانا ہووے گا۔ ہاہاہا۔''

مونگ لی شرمندہ سا ہو کر ہنسا' کہنے لگا۔ ''تم تو تا ہے' پیرٹ' پیرٹ ایک ہی بات کتنے سال سے دہراتے ہو۔ یو ڈرٹی مغز والا سکھ! چھوڑو نہیں جاؤ واش روم۔ ادھر آؤ میں تمہارے لیے ڈرنک بناتے ہیں۔''

انحد کا مسخرا پن اب تقریباً ختم ہو چکا تھا۔ اس نے بہت ہلکی' بہت کم کوئی ڈرنک لی ہو گی۔ باقی وقت وہ مونگ سے ولا کے مستقل ملازموں کے بارے میں پوچھتا رہا۔ ولا کے بعد گوڈاؤن سائٹ پر جہاں مونگ کے ٹمبر ماسٹر اور فورمین مزدوروں کو جمع کر کے حاضری لیتے اور کاموں پر بھیجتے تھے۔ ان حد سنگھ نے اس کے بارے میں بھی سوالات کیے وہ ان لاگنگ سائٹوں کے بارے میں پوچھتا رہا جو تیز رفتار ہائی وے یا ہائی وے سے جوڑنے والی سڑکوں کے قریب تھی۔ کہنے لگا کہ اگر کوئی حرج نہ ہو تو ہم تینوں ایک چکر میں لگا لیں۔ ''ہائی وے یا لنک روڈوں پر کام کرنے والے مزدوروں فورمینوں سے مل ملا کے ہمیشہ میرا جی خوش ہوتا ہے۔''

مونگ نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔ پوچھا۔ ''کیا بات ہے؟ تمہاری کسی سائٹ پے یا ولا مین گاڈ فار بڈ۔ خدا ایسا نہیں کرے۔ کیا کوئی برا ہو گیا ہے؟''

ان حد سنگھ نے کہا۔ ''ہاں ایک اسٹیشن ویگن میں بیٹھے بدمعاش میرے ٹرکی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

فارم پر پیٹرول بم پھینک کے بھاگ گئے ہیں۔ ڈھائی سو سے جیادہ ٹرکی برڈ جندہ جل گیا۔''

انحد نے خبر نہیں یہ کہانی کس وقت بنائی ہو گی اس نے کہانی اس دکھ سے بیان کی تھی کہ مونگ بے چارہ بہت دیر تک افسردہ رہا۔ ''پور برڈ۔ پور ٹرکی۔'' کہہ کہہ کے افسوس میں سر ہلاتا رہا۔

ان حد نے بہت جذباتی ہو کے اور جوش میں آ کے پھر یہ کہا کہ اگر وہ اسٹیشن ویگن والے اس کے ہاتھ لگ گئے تو واہگورو کی قسم وہ انہیں زندہ روسٹ کرنے سے کم کوئی ''سجا'' نہیں دے گا۔

مونگ پوچھنے لگا۔ ''ایسا برا کام کون کر سکتا ہے اور کیوں؟''

ان حد نے سوکھا منہ بنا کے کہا کہ اگلے برس امریکا میں ہونے والی ''ٹرکی نمائش'' میں وہ اپنی برڈز بھیجنے والا تھا۔ برما سے اور بھی تین پارٹیاں نمائش میں شریک ہو رہی ہیں۔ انہی میں سے کسی کی حرکت ہے۔ یہ میرے آگے نہیں ٹکتے اسی لیے میں نے ان کو روک لیا۔ انکوائری پوری کر لوں پھر جوابی کارروائی ضرور کروں گا۔ اس نے زندہ روسٹ کرنے والی سزا کا پھر ذکر کیا۔

یہ سب کہہ کر اس نے مونگ صاحب سے تعاون کی درخواست کی کہا کہ میں اتنا چاہتا ہوں کہ اس اس حلیے کی وہ اسٹیشن ویگن اس طرف سے نکلی ہے۔ آپ کے ولا میں کسی نے یا لاگنگ سائٹ پر کسی آدمی نے اس دن' اس وقت لگ بھگ اسٹیشن ویگن دیکھی ہو تو بتائے مجھے ان کا روٹ سمجھنے میں آسانی ہو جائے گی۔ میں اندایا (اندازہ) لگا لوں گا کہ تین میں کون سی سور پارٹی ہے پھر میں کر لوں گا جو کرنا ہے۔

مونگ لی فوراً مستعد ہو گیا۔

شراب نوشی کے لوازم سب ہٹا دیے گئے۔ مونگ لی صاحب نے اپنی چینی ہاؤس کیپر کو بلایا اور اسے ہدایت کی کہ وہ دو دو چار چار کر کے ولا کے خادموں کو جمع کرتی جائے اور کمرے کے باہر خود اپنی نگرانی میں ایک ایک کو ہمارے پاس چھوڑتی جائے۔ سب سے پہلے سوالات ان حد سنگھ نے خود ہاؤس کیپر سے کیے۔ وہ ایک دم سنجیدہ ہو کر اس سے بات کرتا رہا لگتا تھا شوخی شرارت بالکل جانتا ہی نہیں۔ وہ ہاؤس کیپر کو ''بی بی'' اور ''میڈم'' کہہ کر مخاطب کر رہا تھا۔ پوچھ رہا تھا کہ اس دن اور اس وقت کے آس پاس کہ جب اغوا کرنے والوں کی اسٹیشن ویگن کے ولا کے سامنے سے گزرنے کا امکان تھا مختلف نوکروں کی کیا مصروفیات ہوتی ہیں چینی عورت نے خوب فصیل سے بتایا۔ ان حد نوٹ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کرتا گیا تاکہ نوکروں کے بیانات ملائے اگر کوئی نوکر کچھ چھپا رہا ہو یا جھوٹ بول رہا ہو تو اس کی گرفت ہو سکے۔

خود ہاؤس کیپر نے کچن اور اسٹور میں آتے جاتے باہر نظر ڈالی تھی اور اپنی رو میں، کچن بھی دیکھنے کے لیے، باہر دیکھا تھا تو کبھی کبھی دیکھنے پر اسے کوئی اسٹیشن ویگن دکھائی نہ دی تھی۔

انحد نے پوچھا۔ "دیکھنے کا تو تم نے بتا دیا بی بی اب جرا یہ بتاؤ ___ تم تو خود اچھی ڈرائیور ہو ___ یہ بتاؤ تم نے ولا کے سامنے سے گجرتی کسی گاڑی کی آواج ___ طاقت والے انجن کی مطلب جیسا اسٹیشن ویگن کا ہو سکتا ہے ایسے انجن کی آواج اس ٹائم کے بیچ سنی؟"

چینی ہاؤس کیپر نے بتایا کہ آواز سننے کا کوئی چانس نہیں ہے اس لیے کہ وہ کام کرتے ہوئے اپنی بیلٹ سے ایک چھوٹا ٹرانز سسٹر ریڈیو لٹکا کے گھومتی ہے۔ اس کے ہاتھ اور آنکھیں کام پر اور باہر کی سب چیزوں میں الجھے رہتے ہیں اور کان صرف ریڈیو سن رہے ہوتے ہیں۔ کسی کو بھی اس کی توجہ حاصل کرنے کے لیے یا تو آنکھوں کے سامنے آنا پڑتا ہے یا اگر پیچھے ہے تو اس کے کندھے پر تھپکی دینی پڑتی ہے۔

اس کا مطلب ہے ان حد نے نتیجہ نکالا کہ اگر اس بی بی کے نہ دیکھتے وہ گاڑی گزری بھی ہو گی تو اس نے اس کی آواز نہیں سنی ہو گی۔

انحد سنگھ نے آخری فقرے اپنے مزاج کے مطابق کہے اور پھر اس بی بی کو جانے دیا۔ کہنے لگا کہ اب میں یاد رکھوں گا کہ تمہیں پیچھے سے متوجہ کرنے کے لیے تمہارے کندھے "سہلانا" ضروری ہوتا ہے۔

ہاؤس کیپر ہنس پڑی۔ "سہلانا نہیں مسٹر سنگھ ایک بار ٹچ کرنا کافی ہو گا۔"

وہ ٹھنڈی سانس بھر کے کہنے لگا۔ "چنگا جی، فیر دو ترے مرتبہ ٹچ ہی کر لوانگے۔"

اس کے بعد ہاؤس کیپر نے ولا کے نوکروں کو ایک ایک کر کے بھیجنا شروع کیا۔ انحد کے پاس ان میں سے ہر ایک کی مصروفیات کی تفصیل موجود تھی۔ وہ دیکھتا گیا چیک کرتا گیا۔ کئی چوکی دار سمیت، کسی نے بھی کسی اسٹیشن ویگن کو ولا کے سامنے والی سڑک سے گزرتے نہیں دیکھا تھا۔ ہاں بعض دوسرے ٹائپ کی گاڑیاں ضرور گزری تھیں۔ لاگرز کے بھاری بھرکم ٹرک، کھانے پینے کی سپلائی لے جانے والی گاڑیاں پکنک

کرنے والے بے فکروں کی قیمتی سیلون کاریں، جیپیں، کوسٹر وغیرہ مگر اسٹیشن ویگن کوئی نہیں۔

انحد کو ولا کے صرف چوکی دار کی بات عجیب لگی تھی اس نے کہا تھا۔ "میں کوئی بیس منٹ کے لیے اپنے کوارٹر میں گیا تھا۔"

سردار جی نے پوچھا تھا۔ "اور یہ بیس منٹ کا ٹائم وہی تھا جب ویگن یہاں سے گزر سکتی تھی؟ مطلب اگر وہ لوگ ادھر آئے ہیں تو ___"

چوکی دار کیا کہتا۔ اس نے وہی بات دہرا دی کہ میں اتنے سے اتنے بجے تک گیٹ پر نہیں تھا۔ میری جگہ کوئی نہیں تھا۔ کسی کی ضرورت بھی نہیں تھی کیونکہ اس وقت مونگ جو صاحب۔ مالک مونگ لی کا ہم شکل، جو اس ولا کا چیف سپروائزر تھا، گیٹ کے باہر کھڑا ہوا مونگ نام کی پلیٹ پر نیا پینٹ لگا رہا تھا۔

ان حد نے مونگ جو کو نوکروں کی اس فہرست میں شامل نہیں کیا تھا اس لیے کہ اس کی پوزیشن ہاؤس کیپر سے اوپر کی تھی۔

مونگ لی نے مونگ جو، اپنے ہم شکل کو بلایا۔

قیمتی سینٹ کی خوشبو کے ساتھ شوخ پھولوں کے ڈیزائن والی ایک عیاش قسم کی شرٹ اور بادامی ڈے نم کے خوب تنگ سلا ہوا پتلون سونے کے بریسلٹ والی گھڑی، چاندی کی بیلٹ اور گلے میں لہراتے خالص ریشم کے سفید اسکارف میں جو چیز کمرے میں آئی اسے ہم لاہور، پشاور وغیرہ میں کھسرا، کھدڑا، یا ہیجڑا کہہ سکتے تھے۔ برما میں اس زمانے میں ایسے لہراتے ہل کھاتے، چمک دار شوخ کپڑے والوں کو "شی بوائیز" کہا جاتا تھا۔ اس شی بوائے کی شکل اسی پچاسی فیصد مالک مونگ لی سے ملتی تھی۔ ایک فرق یہ بھی تھا کہ مونگ لی بوڑھا تھا اور یہ چوبیس سے اٹھائیس برس تک کا ہو گا۔

وہ اپنے اونچی ایڑی والے پنچ رنگے کاؤ بوائے، بوٹ فرش کے ماربل پر کھٹکھٹاتا "ہائے" کہتا ہوا آیا اور مونگ لی کے صوفے کے بالکل سامنے میں قالین پر ٹانگیں پھیلا کے تھکا تھکا پاس بیٹھ گیا اور بیٹھے بیٹھے لہرانے لگا۔

انحد کی آنکھیں شرارت سے چمکنے لگی تھیں مگر وہ اس وقت کام کے موڈ میں تھا۔ اس نے کوئی فقرہ نہیں لگایا بلکہ نقلی پر اصلی فکرمندی سے کہنے لگا۔ "مجھے پتا ہے مسٹر مونگ جو آپ کی پوری شام بہت بجی ___ مطلب مصروف گجری ہے پر مائی ڈیئر مسٹر مونگ جو جرا سا میرے ساتھ کو آپریٹ کرو گے تو بڑی مہربانی ہو گی۔ یہ بتاؤ مسٹر مونگ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

جو کہ ___ اور یہاں انحد نے اس سے پوچھا کہ مونگ صاحب فلاں دن اتنے بجے سے اتنے بجے تک آپ کیا کرتے رہے تھے۔

مونگ جو اپنے بچے کے لیے فکر مند نئی نئی ماں بننے والی لڑکی کی طرح منہ سکیڑے انحد سنگھ کی بات سنا کیا' پھر ہاتھ نچا کے بولا۔ "لت می سی ___ آچ چھا۔ اس تائم؟ اس تائم میں برے پھاتک پہ کھڑا تھا۔ مستر سنگھ سر! چوکی دار کو ___ ہہ ہہا ___ اسے گیت مین کو' واش روم جانے کا تھا۔ وہ مجھے بول کے گیا تھا کی سر! مستر مونگ جو پلیز مجھے ___ اب دی تیل کیا بتاؤں۔ میں مستر سنگھ! اس تائم ولا کی پلیت پر نیا پینت لگا رہا تھا۔ میں آر تست رہ چکا ہوں ___ آئل پینت میری کھائیں ___ اسپیشل فیلد تھی ___ تو میں ایک دم مین گیت پر کھرا تھا ___ کوئی' لت می سی ___ کوئی چالیس منت سے بھی اوور میں ادھر ہی تھا ___ کیوں؟ کوئی کھاس بات ہے مستر سنگھ؟"

جو خاص بات تھی انحد سنگھ نے بتا دی۔ اپنے فرضی ٹرکی ہاؤس پر پیٹرول بم پھینکے جانے اور ٹرکی برڈز کے زندہ جلنے کا قصہ مونگ جو کو نہیں سنایا کہنے لگا۔ "کچھ ایسا ہاری بل ___ مطلب کھوف ناک ایکسی ڈنٹ کر کے بھاگی ہے وہ اسٹیشن ویگن کہ مستر مونگ جو میں آپ کو اس کے ڈی ٹیل نہیں سنا سکتا۔ ناں جی ناں' بالکل وی نہیں آپ نے سن کے بے ہوش جانا ہے ___ اس لیے مہربانی کر کے پتا بتا دیجئے کہ کیا کوئی اسٹیشن ویگن آپ کے ہوتے ادھر سے گجری تھی اور جو گجری تھی تو ___؟"

"نو نو سر مستر سنگھ سر! کوئی استیشن ویگن نہیں یہ تو تھے یکین نو □ از استیشن ___ ہاں ایک اسپورٹس کار گزری تھی ایک اترائی ہوئی بچ مطلب ___ جانے دیجئے مطلب و طلب۔ ایک لرکی ایک دم بدصورت کسی ہینڈسم کے ساتھ بیٹھی تھی۔ اترا رہی تھی۔ بس وہ اسپورٹس کار اور تین تریکتر ترالی اور بس ___ اور کچھ نہیں۔" ولا کے ایک ایک آدمی سے پوچھ لیا گیا تھا۔ اب رات ہو گئی تھی۔ مونگ لی صاحب نے وقت دیکھ کر کہا۔ "تم دونوں جنٹلمین رات ادھر ہی رکو۔ میں فون پے پہلے ہی بول چکا ہے سنگھ تم کو۔"

مگر انحد سنگھ راضی نہ ہوا کہنے لگا کہ مجھے ایک چکر گودام سائٹ پہ لگوا دو۔ اس وقت سارے ہی ورکر ادھر میں اکٹھا ہو رہے ہوں گے۔ لاگنگ سائٹ والے بھی' کارخانے والے بھی' میں ان سے معلوم کر لوں گا پھر واپس ہو کے ہم دونوں اپنے پیارے میزبان کے ساتھ کھانا کھائیں گے اور چلے جائیں گے۔ اگلی ٹمبر جا کہ او کی طرف ___

یعنی زوبر میاں سلہٹی کے پاس۔

لاگنگ سائٹوں پر رات پڑے کون ہوتا ہے۔ سبھی کھانا کھانے اور صبح چار بجے تک لٹھے کی طرح پڑ کے سونے کے لیے گوداموں کے پاس بنی "لماکھولیوں" میں آگئے ہوں گے۔ اس لیے کام آسان ہو جائے گا۔ یہاں سے معلومات کر کے' اگر آگے جانا پڑا تو زوبر میاں سلہٹی کی ٹمبر اسٹیٹ میں سویرے ڈھائی تین بجے تک پہنچ سکتے تھے۔ وہ ایسا وقت ہو گا کہ وہاں کے ورکر ابھی اپنی "لمباکھولیوں" میں پڑے سوتے ہوں گے۔ زوبر میاں کی عظیم الشان کوٹھی میں کچھ دیر آرام سے بیٹھنے' چائے پینے کے بعد ہم دونوں زوبر میاں کے بیدار ہوتے کاریگروں مزدوروں کو میں جا پکڑیں گے۔ اگر اس وقت نہیں پکڑا گیا تو پھر ان لوگوں سے رات پڑے ہی ملاقات ہو سکے گی۔

ہم مونگ اسٹیٹ کی گودام سائٹ کی طرف چلے۔ گاڑی شیور لے تھی جسے مونگ لی کی "ڈرائیور" ہاؤس کیپر بہ قول انحد سنگھ کی چینی معشوق چلا رہی تھی۔ ان حد ضد کر کے اکیلا اگلی سیٹ پر جڑا بیٹھا تھا اور بار بار ہاؤس کیپر سے کہہ رہا تھا آہستہ چلو اور اگر ٹائم ہو تو باقی ساری عمر گوڈاؤن سائٹ آکر پہنچنے میں لگا دو۔ تمہارے پاس بیٹھنے کا جو موقع اب ملا ہے کیا پتا پھر کبھی ملے نہ ملے۔ وہ اسے بنتو کہہ کے بلا رہا تھا اور بار بار لہک لہک کر گا رہا تھا کہ بنتو دا لک چن ور گیا ___ اور بنتو دا۔ یعنی بنتو کی کمر چاند جیسی ہے۔

اگر وہ اس وقت پئے ہوئے ہوتا تو مونگ لی صاحب ہرگز اسے آگے نہیں بیٹھنے دیتا۔ ایک بار وہ نشے میں تھا اور اسی طرح "بنتو" کے برابر جا بیٹھا تھا تو اس نے بہت پریشان کیا تھا۔ ہاؤس کیپر کو بھی اور مونگ لی کو بھی۔ وہ مونگ لی سے شرط لگا رہا تھا کہ بنتو کی کمر نئے چاند کی طرح "گھومی ہوئی وی ہے۔ نالے چٹی سفید چن ور گی چماکدی ہے۔ ویکھ لو۔ بھاویں ہاتھ لا کے ویکھ لو' بھاویں اکھاں نال ویکھ او۔"

ہم دس بارہ منٹ میں گوڈاؤن سائٹ پہ پہنچ گئے تو چینی ہاؤس کیپر نے گاڑی روک کے دروازے کھولتے ہوئے انگریزی میں دھیرے سے کہا۔ "مالک کا شکر ہے ہم صحیح سلامت پہنچ گئے۔ مسٹر سنگھ کے باوجود پہنچ گئے۔"

انحد ہنسنے لگا۔ انگریزی میں کہنے لگا۔ "ہم پہنچتے کیسے نہیں۔ تم پرفیکٹ لیڈی ہو اور میں پرفیکٹ سکھ ہوں۔"

عمارتی لکڑی کے کھلے گوداموں کے بیچ بند چھپرے اور کاٹیج سے بنے ہوئے تھے۔ ایک بند چھپرے کے آگے بہت سی ٹیوب لائٹوں کی روشنی ہو رہی تھی۔ ہماری

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ناکڑی سامنے رکی تو لاگنگ ماسٹر اور سپروائزر اور مستری قسم کے فورمین سرنگ اور جمے دار اکٹھا ہوگئے۔ ان میں کے تین بڑوں نے گاڑی کے اس طرف کے دروازے کھولے جس طرف مونگ لی اور اس کا مہمان یعنی یہ خاکسار بیٹھا تھا باقی گھیر کے کھڑے ہوگئے۔ ان حد اب پھر ایک مصروف حاضر دماغ تفتیشی افسر تھا۔

مختلف طریقوں سے پوچھتے ہوئے اس نے بہ ہر حال معلوم کر لیا کہ ٹمبر کاٹنے والوں' چوکی داری کرنے والوں' اونچے درختوں پر چڑھ کر چوری چکاری اور آگ دھوئیں پر نظر رکھنے والوں نے اور عام مزدوروں نے____ غرض کسی نے بھی مونگ اسٹیٹ کے کسی رخ سے کسی لنک روڈ پر' جنگلی رستے یا ہائی وے پر اس دن اتنے بجے تک کوئی اسٹیشن ویگن نہیں دیکھی تھی۔

مونگ لی بوڑھا آدمی' اس کے کھانے اور پھر سونے کا وقت ہو چکا تھا۔

ان حد سنگھ نے جو بہ ظاہر بے پروا ہنسوڑ آدمی لگتا تھا گھڑی دیکھی سب مزدوروں' فورمینوں وغیرہ کا شکریہ ادا کیا اور ہاؤس کیپر خاتون سے لہلوٹ ہو کر کہا کہ "چل چلئے چراگ دے میلے" تو مجھے وطن یاد آ گیا۔ ان حد سنگھ نے یقیناً لاہور کا میلہ چراغاں نہیں دیکھا ہو گا مگر یہ گیت کسی نہ کسی طرح اس تک پہنچ گیا تھا۔ ان حد سنگھ نے' اس ہنسوڑ آدمی نے نادانستگی میں مجھے اداس کر دیا تھا۔

گاڑی میں مونگ اسٹیٹ کی ولا تک آئے ہوئے مجھے شالا مار لاہور اور پشاور کا قصہ خوانی بازار ڈھاکے کی بیت المکرّم مسجد اور کراچی کا کلفٹن بیچ یاد آتا رہا۔

ہاؤس کیپر سب کچھ انتظام کر کے گئی تھی۔ گاڑی پورچ میں چھوڑ کر وہ ڈرائیونگ سیٹ سے اچھل کے کہیں اور جیسے اڑتی ہوئی کچن کے علاقے میں غائب ہو گئی۔

جتنی دیر میں ہم تازہ دم ہو کر کھانے کی میز تک آپاتے اس سے کم وقت میں ہاؤس کیپر نے لکر اور سینٹ میں نہائے ہوئے شی بوائے مونگ جو وغیرہ نے کھانا لگوادیا تھا۔ ہاؤس کیپر کلف لگے کپڑے پہن کر ہمیشہ تروتازہ رہنے والے کسی طلسمی پھول کی طرح میز کے برابر کھڑی مہک رہی تھی۔

ان حد نے ایک بار اس سے آہستہ سے کہا۔ "وہ دن کب آئے گا جب تم میرے برابر بیٹھ کے اس میز پہ کھانا کھاؤ گی۔" تو وہ مسکرادی آہستہ سے بولی۔ "یہاں اس میز پر ہی کیوں۔ وہ دن تمہارے ولا کے ڈائننگ ہال کی میز پر آ سکتا ہے۔ کبھی بلاؤ نا۔'
عورت نے یہ بات آدھے مسخرے پن میں آدھی سنجیدگی سے کہی تھی۔

ان حد سنگھ نے چھت کی طرف مُنہ کر کے نعرہ مارا۔ "جو بولے سو نہال۔ ست سری اکال۔"

عورت ڈر سی گئی پھر منہ چھپا کے ہنسنے لگی۔ مونگ لی نے مسکراتے ہوئے ان کا سر ہلایا اور ہم سب کو کھانا شروع کرنے کا اشارہ کیا۔ ٹھیک اسی وقت باہر بر آمدے سے ٹیپ کیے ہوئے گانے کی آواز آئی۔ "سروتا کہاں بھولیائے پیارے ننادوئیا____ پیارے ننادوئیا سروتا کہاں بھول____"

میں جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ یہ تو وہ گیت ہے جو سرکس میں سانپوں کے بادشاہ کی بیٹی روکسانا بجا رہی تھی۔ پہلی بار اس نے ٹینٹ میں اور دوسری اور آخری بار میں نے ٹیپ اس وقت سنا تھا جب____ جب اغوا کرنے والوں نے اسے گھیرا تھا۔

میں نے چیخ کے کہا۔ "انحد ! یہ روکسانا کا ٹیپ بج رہا ہے۔ انحد سنگھ ! ساتھ آ میرے۔" اور میں نے ڈائننگ ہال سے نکل کے دیوانہ وار بجتے ہوئے ٹیپ کی آواز کے رخ دوڑنا شروع کر دیا۔

O

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

میں مونگ لی ولا کے ڈائننگ ہال سے دیوانوں کی طرح دوڑتا ہوا نیم روشن برآمدے میں نکل آیا تھا۔ سامنے کنجوسی کے ساتھ دور دور جلائی ہوئی ٹیوب لائٹوں کی روشنی میں نظر آتے سیمنٹ کے بھاری بھر کم گملوں میں اونچے اونچے انوکھے پودے برآمدے کو پراسرار اور غیر قدرتی سا ماحول دے رہے تھے۔

میں نے تیزی سے آواز کی سمت بڑھتے ہوئے اپنے پیچھے دوڑتے قدموں کی چاپ سن لی تھی اور مطمئن ہو کر سوچا تھا۔ پیچھے انحد سنگھ آرہا ہے۔ جو بھی ہو ہم دونوں اس ٹیپ والے کو نکلنے نہیں دیں گے۔"

ٹیپ اسی طرح خاصی اونچی آواز میں بجے جارہا تھا۔ "کہاں بھولیا ئے سروتا' کہاں بھولیائے پیارے نادو نیا۔"

ہمارے دوڑتے قدموں کی چاپ اس نے جو ٹیپ بجا رہا تھا سن لی اور بھاری بھر کم گملے کے پیچھے سے نکل کے وہ بھاگا اور کود کر برآمدے سے اتر گیا۔ میں نے دیکھا جینز اور سرخ جیکٹ میں ملبوس' کھیل کود والے ہلکے جوتے پہنے وہ لان پر دوڑا جا رہا تھا۔ اس نے اچھا اسٹارٹ لیا تھا۔ اس نے بھاگتے بھاگتے ٹیپ بھی بند کر دیا تھا اور اب اندھیرے لان پر جہاں برآمدے سے جاتی ٹیوب لائٹوں کی چمک سے زیادہ کوئی روشنی نہیں تھی وہ گم ہو سکتا تھا۔ میں نے سوچا وہ آسانی سے کھو جائے گا ہاتھ نہیں آسکتا تھا۔

انحد اب میرے پیچھے نہیں تھا۔ برآمدے میں اس کے قدموں کی چاپ ختم ہو گئی تھی۔

خاموش تاریک لان پر اس وقت کوئی حرکت' کوئی آواز نہیں تھی۔ وہ گم ہو گیا تھا۔ روکسانا کا ٹیپ بجانے والا آدمی یا لڑکا جو بھی تھا گم ہو چکا تھا۔ میں نے بے بسی میں چیختے ہوئے برمی' انگریزی' اردو تین زبانوں میں کہا۔ "لائٹ جلاؤ! خدا کے لئے روشنی کرو۔"

مگر مجھے صرف اپنے گہرے گہرے سانس سنائی دے رہے تھے۔ کسی نے میری پکار کا کوئی نوٹس نہیں لیا تھا۔

"روشنی کرو' روشنی!" میں غصے اور بے بسی میں چیخا۔

اندھیرے لان سے آواز آئی۔ "او خیر ہے' سب خیر ہے۔ پھڑ لیا ہے سورے کو۔" انحد سنگھ کی آواز میں فتح مندی اور اطمینان تھا۔

انحد نے یا تو پیش بندی کی تھی یا اس نے اسے برآمدے سے اترتے دیکھ لیا تھا اور فوراً ہی لان پر پہنچ گیا تھا وہ مجھ سے زیادہ جنگلوں کا رہنے والا نہیں تھا وہ مجھ سے زیادہ جنگلوں کا رہنے والا نہیں تھا مگر اس کی آنکھیں تیز تھیں۔ اسپیڈ بھی زیادہ تھی اندھیرے میں وہ سیدھا اپنے تیز رفتار شکار پر جا گرا ہو گا۔

بہت سے آواز کرتے' ہدایات دیتے' سوالات پوچھتے لوگ برآمدے میں آگئے۔ ایک کے بعد ایک' روشنی پر روشنی جلائی جارہی تھی۔

اب وہ دونوں مجھے نظر آرہے تھے۔ لال جیکٹ اور جینز والا وہ لڑکا بہت ہوا تو اٹھارہ سال کا ہو گا۔ گھاس پر اوندھا پڑا تھا۔ اور سردار انحد سنگھ ترکھان اس کی کمر پہ تھا۔ باقاعدہ کبڈی کا پالا مارنے والے پہلوان کی طرح وہ اسے دبائے بیٹھا تھا۔

برآمدے کی سب بتیاں جل رہی تھیں۔ کسی نے لان کے اس حصے کو روشن کرنے والی سرچ لائٹ بھی جلا دی تھی۔ مجھے عجیب سا احساس ہوا جیسے سامنے لان پر کسی اصل واقعے کے کردار نہیں اداکار موجود ہیں اور یہ کسی فلم کی شوٹنگ ہو رہی ہو۔

میں نے الجھ کر کہا۔ "بتیاں بند کرو۔ بس بہت ہو گیا۔"

ولا کے مالک مونگ لی نے کہا۔ "سنا نہیں اتنا بتی مت جلاؤ۔"

اس اثناء میں انحد نے لڑکے پر سے اٹھ کے اسے لان سے اٹھایا تھا اور جیکٹ کا کالر گردن کے پیچھے سے اپنی مضبوط گرفت میں لیے کھینچ کر اسے برآمدے میں لے گیا تھا۔

سینٹ کے زبردست بھپکے کے ساتھ مونگ لی کا ہم شکل کھسرا مونگ جو ہمارے سر پر آن کھڑا ہوا۔ وہ اپنی تالی پھٹکارتی آواز میں برہم ہو کے پوچھ رہا تھا۔ "کیا ہے؟ اسے کس لیے پکڑا ہے؟" کے کے "کو کس لئے پکڑا ہے؟"

انحد نے لڑکے کی بیلٹ میں لگا سیاہ رنگ کا چھوٹا ٹیپ ریکارڈر اس کی بیلٹ سے کھینچ کے کھسرے مونگ جو کو دکھایا پھر میرے حوالے کر دیا۔ اس سے کہا۔ "لے مونگ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

جو مائی ڈیئر! لے دیکھ تیرے "کے کے" کو اس لئے پکڑا ہے۔" انحد نے مونگ جو کے لہجے کی نقل اتاری تھی۔

"یہ کیا ہے؟" مونگ جو نے ہاتھ لہرا کے ٹیپ ریکارڈر کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"یہ گدڑ سنگھی ہے۔ گدڑ سنگھی۔" ان حد نے بری میں بات نہیں کی تھی۔

کھسرا کچھ نہیں سمجھا بس وہ اس کا منہ تکے جا رہا تھا۔

مگر پھر وہ پہچان گیا کہ لڑکے کے پاس جو چیز نکلی ہے وہ ٹیپ ریکارڈر ہے۔ اس لئے لہرا کے پوچھنے لگا۔ "اس کا تیب رکارڈر کس لیے چھینتے ہو؟ آں؟" "کے کے" بچے یہ تیرا ہے نا رکارڈر؟ آں؟"

انحد سنگھ ملازموں کے ہجوم میں راستہ بناتا ٹیپ بجانے والے لڑکے کو ڈائننگ ہال کے برابر کے کمرے میں لے گیا۔ مونگ لی اور مونگ جو ہمارے ساتھ ساتھ کمرے میں آگئے۔ ہاؤس کیپر باہر جمع ہونے والوں کو منتشر کرنے لگی۔

کمرے میں سب آگئے تو میں نے دروازہ بند کر دیا۔

ہمارے میزبان مونگ لی نے تشویش سے پوچھا۔ "سنگھ! کیا ہو گیا؟ پوری بات کیا ہے؟ میں کو افسوس ہے تم دونوں کو کھانا چھوڑ کے اٹھنا پڑا۔"

مونگ جو نے پھر برہمی سے کہا۔ "یہ کھانا چھور کے اتھا اور میرے کزن کو پکر لیا۔ ایسا کیون کیا؟ آں؟"

مونگ لی نے اس سے پہلی بار غصے کے لہجے میں کہا۔ "جب مالک اور اس کے: آنریبل مہمان بات کریں تو اسٹاف ممبر کو خاموش رہنا چاہئے۔"

مونگ جو چپ رہا مگر اس کے چہرے سے برابر خفگی ظاہر ہو رہی تھی۔

انحد سنگھ نے لڑکے کو دبوچے ہوئے ایک کرسی سنبھال لی تھی میں کچھ کہنا چاہتا تھا مگر انحد نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "کھان! یہ پوری بات مونگ لی صاحب کو میں نے بتانی ہے۔"

میں ہاں میں سر ہلا کے چپ ہو گیا تو انحد سنگھ نے جس کا ذہن کوئی بھی کہانی بنانے میں اس وقت تیزی سے کام کر رہا ہو گا کہا "مونگ لی انکل! یہ گانا جو ابھی منڈے نے ٹیپ پے بجایا تھا۔ یہ دشمنوں کے خلاف ہماری پہلی کامیابی ہے۔ سمجھے سر؟ اس گانے سے مالک کرے گا تو ہم نے گھنٹے بھر میں ان لوگ کو جا پکڑنا ہے۔"

"خوب۔ اچھا۔" بوڑھے میزبان نے سمجھتے ہوئے کہا۔ وہ یقیناً جانتا ہو گا کہ

جب انحد سنگھ کام کی بات کر رہا ہوتا ہے تو اسے سکون سے سننا چاہئے۔

انحد بولا۔ "یہ گانا ____ سروتا کہاں ____ وگیرہ وگیرہ انڈیا میں پہلے بہت پاپولر تھا۔ بہت پہلے ففٹی سکسٹی برس پہلے۔ ادھر برما میں شاید ہی کسی نے بھی سنا ہو۔ اس کا مطلب ہے یہ ایسا گانا ہے مونگ لی انکل! کہ ایک ویری سن لوتے فیریاد رہ جاندا ہے۔ آئی سمجھ میں؟"

مونگ لی نے سر ہلا کر اپنے ہمسائے کی بات سے اتفاق کیا۔

انحد نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ "یہ گانا اس ٹائم وہ لوگ بجا رہے تھے۔ اسٹین ویگن والے۔ تسیں سمجھے کنج؟"

"اووہ!" مونگ لی نے زور زور سے سر ہلانا شروع کر دیا۔ وہ پوری طرح سمجھ گیا تھا۔

"ہا آ آں۔" انحد نے بھی زور زور سے سر ہلا کر اپنا پوائنٹ پکا کیا پھر بولا۔ "اب آپ کی مرجی ہووے تو انحد سنگھ انوسٹی گیٹ کرلے۔ پوری مسٹری صاف کر کے پتا کرلے۔ یا مرجی ہو تو تمہیں آپ ہی پتا کرلو مگر یہ سمجھو سر! ٹائم جیادہ نہیں ہے۔"

مونگ جو نے کہنا شروع کیا۔ "مسٹر سنگھ سر! میرا کزن۔"

مونگ لی نے گہری آواز میں تنبیہ کی۔ "جو بھی بات ہو مونگ جو! ایک بار بولو اور ابی نہیں بولو نہیں میں تمہیں ادھر سے باہر کر دیں گے۔" یہ سن کر مونگ جو سر جھکا کر بیٹھ گیا۔

کھسرے کی طرف سے مطمئن ہو کے انحد اس لڑکے پر توجہ دے رہا تھا۔

"ہاں وئی۔ ناں کی ہے تیرا؟"

"کے کے۔" لڑکے نے ڈرتے ڈرتے بتایا۔

اگلا سوال لڑکے کی بجائے مالک مونگ لی سے تھا۔ "انکل اس کا کام 'ڈیوٹی جوب کیا ہے یہاں؟"

"میں کے پاس جواب نہیں ہے اس کا۔ یہ مونگ جو کے ساتھ ہے۔ اس کا مساج بوئے ہے۔ مالشیا' مالشیا۔"

"مطلب مونگ جو آپ کا سرونٹ ہے۔ یہ مونگ جو کا سرونٹ ہے۔ تے فیر اس منڈے داوی کوئی سرونٹ ہونا چائی دا ہے۔ آں؟ مونگ جو؟"

مونگ جو گھور کے انحد سنگھ کو دیکھتا رہا پھر مالک سے بولا "رسپیکٹ فلی سر! یہ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

میرا مساج بوائے نہیں ہے سر؟ کزن ہے میرا ___ فسٹ کزن۔"

"اچھا۔ فسٹ کجن توں کھاتا پیتا سوتا کدھر ہے؟ مونگ جو کے بیڈ روم میں؟"

"مالک مونگ لی کہنے لگا۔" میں نے مونگ جو کے بولنے پہ اس کو سرونٹ کوارٹرز میں ایک روم دے دیا ہیں۔ یہ ورکرز میس میں اپنا کھانا کرتا ہے۔"

"رسپیکٹ فلی سر!" کھسرا پھر بولا۔ "یہ آپ کی ولا پے کوئی برڈن' کوئی بوجھ نہیں ہے اور سنے مستر سنگھ سر! اس کو اگلے ویک رنگون میں اپنا جوب پہ جانے کو ہے سر!"

"رنگون میں اس کا کیا جوب ہووے گا۔ ہاں وئی؟ بول کیا کرے گا توں ادھر؟"

کزن "کے کے" نے آہستہ سے کہا۔ ہاں وئی؟ بول کیا کرے گا توں ادھر؟"

کزن "کے کے" نے آہستہ سے کہا۔ "ادھر فزیو تھراپی کا کام سیکھنا ہے۔"

انحد سنگھ کھسرے کی طرف مڑا۔ "وہی مطلب مالشیا۔ ہاں؟ مساج بوائے؟"

مونگ جو کھسرا بولنے کو ہوا پھر کچھ سوچ کے منہ بند کر کے بیٹھ گیا۔

انحد کے لہجے میں سختی تھی اور اس نے اچانک سوال کیا تھا۔ "کے کے! یہ ٹیپ رکارڈر کس کا ہے؟ ہاں بول' بول' بتا جلدی؟ کس کا ریکارڈ ہے یہ؟"

لڑکے نے گھبرا کے پہلے کزن' مونگ جو کو دیکھا پھر آہستہ سے بولا۔ "میرا۔"

"بک واس کردا ہے ___ بھینی ___" انحد نے کڑک کے کہا۔ اس کی آواز ایک دم ایسے کڑکی تھی کہ لڑکا چمک گیا' وہ ڈر گیا تھا' صاف نظر آ رہا تھا۔

"آنسٹ لی سر ...... ایمانداری کا بات ہے۔" کھسرا شروع ہوا تھا کہ انحد نے پوری طاقت سے چیخ کر کہا۔ "چپ کر اوئے؟" مالک مونگ لی نے ملامت کی نظروں سے اپنے ملازم کو دیکھا جو اب ہنٹر کھائے ہوئے پلے کی طرح سے ہو گیا تھا۔

انحد نے پھر اچانک نرمی سے اس لڑکے "کے کے" سے پوچھا۔ "کس کا رکارڈر ہے؟"

"آپ کو بولا نا سر! میرا ہے۔" لڑکے نے ہمت کر کے پھنسی ہوئی آواز میں کہا۔

انحد کا ہاتھ اٹھتے ہوئے میں نے نہیں دیکھا۔ چٹاخ کی ایک زبردست آواز ہوئی تھی اور بس لڑکے کا سر جھٹکے سے بائیں طرف مڑ گیا تھا۔

کھسرے مونگ جو کے منہ سے کوں کی آواز نکلی ہو گی۔ اس کے چہرے پر

تکلیف کسی اخبار کی سرخی طرح دور سے پڑھی جا سکتی تھی۔

ان حد نے اپنے پنجے کو چھوٹی فٹ بال جتنے گھیرے کے مکے میں سمیٹا اور اسے لڑکے کے سر کے گرد گردش دے کر کہا۔" یہ خالصہ مکا ہے۔ سنا اوئے؟ میرے سے سچ نہیں بکے گا تو ایک ہی مکے میں یہ تیرا تربوج کھول کے رکھ دیاں گا۔ سمجھا اوئے؟ بھئی ___"

لڑکے نے مدد کے لئے مالک مونگ لی کی طرف دیکھا ہو گا مگر اس نے جواب میں حقارت اور بے تعلقی کی آواز نکالی تھی۔ "اہھ!"

"آوت! آوت! مئی کیوں نہیں بولتا" کے کے؟ سر کو بتا دے یہ کدھر سے آیا تیرے پاس۔" یہ کہتے ہوئے کھسرے کا لہجہ ملتجیانہ تھا۔

"یہ مجھے ایک ......ایک لڑکی نے دیا ہے ......" "کے کے" نے بسورتے ہوئے کہا وہ انحد سنگھ سے دور ہونے کے لئے فرش پر بچھے قالین پر دھیرے دھیرے پھیلتا جا رہا تھا۔

انحد نے اس کی جینز کی سیٹ پر اپنے بوٹ کی ٹوکر ماری۔ "سدھا بیٹھ اوئے ......ہاں؟ کیہو جی کڑی نے دتا ہے؟ کیسی لڑکی ہے؟ بول کہاں ملی تھی تجھے؟ بول؟ بول بول؟ جلدی!"

"ادھر جنگل میں۔"

"جنگل میں توں کیا کرنے گیا تھا مورے؟"

"میں! میں تو ....ایسے ہی واک کرتا تھا۔"

انحد سنگھ نے آرام سے اپنے بوٹ کی ٹھوکر لڑکے کی پنڈلی پر ماری۔ زور کی چوٹ لگی ہو گی اس کی آنکھوں میں مارے تکلیف کے پانی آ گیا۔ انحد نے نرمی سے پوچھا۔ "تکلیف ہوئی؟"

لڑکے نے کوئی جواب نہ دیا۔ بسورنے لگا۔ مونگ جو اٹھ کے باہر جانے کو ہوا انحد نے مجھے اشارہ کیا کہ روکو اسے۔ میں نے ایک انگلی کے اشارے سے اسے بیٹھنے کا مشورہ دیا۔ وہ پھر بیٹھ گیا۔

"ہاں وئی جنگل میں مطلب جنگل اچ تسیں کی ویں گئے سن جناب؟" انحد نے بہت تمیز سے پوچھا۔

لڑکے نے بے بسی سے اپنے فسٹ کزن کھسرے کو دیکھا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اب امجد نے چیخ کر پوچھا۔ ”بولتا نہیں ہے اوئے۔“

اس کے بجائے کھسرا جلدی سے بولا۔ ”میں بولتا سر .... یہ حرامی ہمارے کک کی بیتی کے پیچھے جاتا ہوتا۔ وہ پچن کے لئے بانس کا نواں کوپل .... کوپل سر مالوم؟ کوپل تورنے جنگل میں جاتی یہ باسترد پیچھے جاکے پکر لیتا اسے۔ کس وس کرتا تچ کرتا اسے۔“ کھسرے نے پریشان ہوکر اپنے مالک کو دیکھا پھر دھیرے سے بولا۔ ”سوری سر ماستر! میں اس حرامی کو سیرے ہی رنگون بھیجوں گا۔ آنست توگا آآد‘ سر!“

امجد نے پوچھا۔ ”ہاں وئی؟ عاشقا؟ توں جنگل میں چماشا لینے کو گیا تھا۔ فیر؟ لیا؟“

لڑکے نے بسورتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

”اوئے ہوئے ہوئے ہوئے۔ نہیں لیا چما۔ کیوں؟“

”وہ نہیں آئی تھی۔“

”اچھا لڑکی نہیں آئی تھی .... فیر؟“

”فیر میں واپس آرہا تھا تو ایک گاڑی جنگل میں دیکھی۔“

”گاڑی؟ کہو جی؟ مطلب کیسی گاڑی؟“

”اسٹیشن بے گن۔“

”اسٹیشن ویگن میں کون تھا؟“

”یہ تو نہیں مالوم۔ گاڑی کی اوٹ میں ایک لڑکی جگ لے کر ہاتھ پاؤں واش کرتی تھی۔“

”کیسی لڑکی؟ اس کی شکل بتا۔“

لڑکے نے جو حلیہ ‘لباس بتایا وہ روکسانا کا تھا۔

”اچھا؟ تو فیر تو نے اس کڑی کا .... مطلب نویں لڑکی کا چما لیا؟“

وہ پریشانی میں تھا مگر لڑکے نے شرما کر مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا۔

”اوئے ہوئے ہوئے ہوئے۔ اے تے بھیڑی گل ہوئی یار! مطلب بہت برا ہوا کوئی نہ ایک لڑکی سے چما ملا نہ دوجی سے۔ چنگا‘ فیر آگے سنا۔“

”آگے سر! اس نے اشارے سے مجھے پاس بلایا۔ ایسا ہونٹ پر انگلی رکھ کے۔“

”پھر توں گیا؟“

”ہاں جی۔ گیا۔“

”فیر۔“

”لڑکی نے قریب بلا کے۔ میرے کان میں بولا اگر میرا ایک کام کرے گا تو تجھے یہ دوں گی۔ پاکٹ رکارڈر۔ اس نے اِدھر اپنے کپڑوں سے رکارڈر نکال کے بھی دکھایا تھا۔“

”اچھا۔ رکارڈر تجھے اچھا لگا۔ ٹھیک۔ پر اس نے کام کیا بتایا‘ لڑکی نے؟“

”بولی یہ ایک پرچا ہے۔ پولیس کو ہائی وے پیٹرول کو‘ کسی کو بھی پہنچا دینا۔“

”اچھا .... تو نے کیا کہا؟“

”میں نے پرچا اور رکارڈڑ لے لیا۔“

”رکارڈر بجا کر دیکھا ادھر ہی؟ چیک کیا؟“

”نہیں ادھر وہ بہت ڈرتی تھی۔ مجھے اشارے سے بھاگ جانے کو بولا۔ ایسا ہونٹ پہ انگلی رکھ کے ....“

”فیر .... توں بھاگ آیا؟“

لڑکے نے ہاں میں سر ہلایا۔

”وہ پرچا؟ پرچا تو نے ہائی وے پیٹرول والوں کو کسی کو دیا۔“

لڑکے نے پھر ہاں میں سر ہلایا۔ جس پر امجد نے بغیر نوٹس لیے پھر ایک چانٹا رسید کیا۔

”جھوٹ بکتا ہے سور۔ پرچا تو نے کسی کو نہیں دیا۔“

لڑکا پھر بسورنے لگا تھا۔ اس نے نفی میں سر ہلایا دھیرے سے بولا۔ ”نہیں دیا۔“

”کدھر ہے؟“

”پتا نہیں کدھر گر گیا۔ یا .... نہیں‘ نہیں .... شاید کدھر پڑا ہوگا۔ سامان میں۔“

امجد نے مجھ سے کہا۔ ”کھان یار اجرا اس کا تلاشی لو۔“

میں نے لڑکے کی تلاشی لی۔ اس کی جیب سے چیونگم کا پیکٹ‘ تھوڑے سے پیسے اور عام طرح کی وہی فضول چیزیں نکلیں جو ایک اٹھارہ برس کے لڑکے کی جیبوں میں ہونی چاہئیں۔

امجد نے مونگ لی صاحب سے کہا۔ ”ہمیں اس کا کمرہ دیکھنا ہے۔“

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بڑے میاں مستعدی سے بولے ..... "بالکل ..... بالکل ..... کیا میں بھی آؤں؟"

انحد نے اپنے میزبان کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "آپ کھانا کھاؤ۔ آرام کرو۔ تھکومت....."

برآمدے میں چینی ہاؤس کیپر بند دروازے کے سامنے پہرہ دے رہی تھی۔ انحد نے کھسرے مونگ جو کو مشورہ دیا کہ وہ ولا کے دوسرے کاموں پر توجہ دے اور فوراً اپنے مالک کو کھانا کھلائے اور اس کے آرام کا بندوبست کرے۔ بڑے میاں تھکے ہوئے لگ رہے تھے۔ انحد نے ہاؤس کیپر کو ساتھ آنے کو کہا۔ لڑکے "کے کے" کے ساتھ ہم دونوں اور ہاؤس کیپر ولا کے سرونٹ کوارٹرز میں پہنچے جو ولا کے پیچھے اونچے درختوں سے چھپا بے رنگ سا علاقہ تھا۔

کک کے کوارٹر سے ملا ولا کے الیکٹریشین کا کوارٹر تھا جس میں ایک کمرہ اس لڑکے کے کے کو دے دیا گیا تھا۔ ہمیں لڑکے کے ساتھ آتا دیکھ کر ایک لڑکی' سولہ سترہ برس کی گھر میں جاتے جاتے رک گئی اور اپنے کوارٹر کے سامنے بچھی کرسیوں کو ڈسٹر سے صاف کرنے لگی۔

انحد نے مسکرا کر مجھے دیکھا۔ "بھائی جی! یہ اس منڈے کا معشوق ہے۔ جو کبھی اسے چمادیتا ہے' کبھی نہیں دیتا۔"

لڑکی نے ہمیں الیکٹریشین والے کوارٹر میں جاتے دیکھا اور ڈسٹر اٹھائے گھر میں چلی گئی۔

یہ دو کمرے کا کوارٹر تھا ایک کمرے میں ایک چارپائی' لاکر' چھوٹی میز اور دو کرسیاں تھیں' دوسرے میں ایک بستر چار' پانچ کرسیاں' الماری' لاکر' میز اور دیوار کے ساتھ سجے ہوئے دو سوٹ کیس غرض ٹھیک ٹھاک سامان تھا۔ دیوار پر ایلزبتھ ٹیلر کی فوٹو لگی تھی۔ سامان والا یہ کمرہ کزن کے کے کا تھا۔

کے کے نے ہاتھ کے اشارے سے بتایا کہ ہاں یہی اس کا کمرہ ہے۔

انحد نے ایلزبتھ ٹیلر کے رنگین فوٹو گراف کی طرف دیکھا۔ "کاکے! یہ تیری بے بے کا فوٹو ہے؟"

"بے بے۔" لفظ لڑکے کی سمجھ میں نہ آیا اس نے پہلے انکار میں سر ہلایا پھر ہاں میں سر ہلانے لگا۔

انحد سنگھ نے بڑھ کے الماری کے دونوں پٹ کھول دیے۔ اندر زیادہ تر کوسمیٹکس کا سامان تھا جس میں سینٹ کا وہی بھپکا تھا۔ جو کھسرے مونگ جو کے ساتھ ساتھ چلتا تھا۔ کھیل اور ورزش کی چھوٹی چیزیں اور پرانے فلمی میگزین بھی تھے۔ انحد نے لاکر کھول کے دیکھا اس میں ٹن پیک باسکٹ' پنیر' ایک جالی کے تھیلے میں کوئی درجن بھر سیب' نارنگیاں' آڑو اور خالی مگ' چوکلیٹ اور شوگر کے بڑھیا کیوب بڑی چیزیں تھیں۔ انحد نے سامان کی طرف اشارہ کیا۔ "کیوں اوئے" سب یہ تیرے فسٹ کزن کھسرے مونگ جو صاحب کا تحفہ ہے؟ ہاں؟ بول۔"

لڑکے نے ہاں میں سر ہلایا پھر انکار میں پھر کہنے لگا۔ "نارنگی' سیب کک کی لڑکی نے دیا ہے۔"

"ایک ہی بات ہے۔ انکل مونگ لی کا مال کاٹا جا رہا ہے۔ اس کے مالشیے کا مالشیا عیش کر رہا ہے۔ ہاں کھان؟ صحیح بولانا؟ چمے وی لے رہا ہے کڑیوں کے ہور پھروٹ شروٹ وی کھا رہا ہے۔"

ہاؤس کیپر یہ سب دیکھ کر پہلے پنک ہوئی ہو گی' اب دھیرے دھیرے سرخ اور سرخ سے میرون ہوتی جا رہی تھی۔ اس نے اپنی یونیفارم کی جیب سے نوٹ بک اور پنسل نکالی تھی۔ اور وہ چینی زبان میں تیزی سے کچھ لکھتی جا رہی تھی۔

انحد سنگھ نے لڑکے کو اشارہ کیا کہ سوٹ کیس کھول۔ لڑکے نے جیب سے چابی نکال کے ایک سوٹ کیس کھولا جس میں ورزش کے اسپرنگ' باکسنگ کے دستانے اور اسی قسم کا کھیل کا قیمتی سامان تھا۔ یہ سب ایک تولیے میں لپٹا تھا تولیے پر ایک کونے میں چینی زبان میں کچھ چھپا ہوا تھا دوسرے کونے میں اسی گہرے سرخ رنگ سے انگریزی میں چھپا تھا۔ "مونگ لی نمبر اسٹیٹ۔" ہاؤس کیپر نے چٹکی سے پکڑ کر انگریزی میں لکھا مجھے اور انحد کو دکھایا اور بہت غصے میں اپنی نوٹ بک پر پنسل چلانے لگی۔

دوسرے سوٹ کیس میں کزن "کے کے" کے پہننے کے دھلے ہوئے کپڑے تھے۔ سوٹ کیس میں کچھ کارڈ سائز رنگین فوٹو گراف اور کاغذات بھی تھے جو خط یا سرٹیفکیٹس تھے۔ وہ پرچا جسے ہم تلاش کر رہے تھے نہیں ملا۔

انحد نے لڑکے سے کہا کہ کیا دوسرے کمرے کا لاکر کھل سکتا ہے؟ اس نے کہا۔ نہیں الیکٹریشن کے پاس چابی ہے' وہ میس گیا ہوا ہے۔ ویسے اس میں لڑکے کی کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ لڑکا صرف اپنے کمرے تک محدود رہتا ہے یا پھر باتھ روم۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

امجد نے کہا کہ چل باتھ روم دکھا۔

باتھ روم میں ایک میڈیسن باکس دیوار میں نصب تھا اور کھونٹیاں تھیں ایک کھونٹی سے میلی جینز ٹنگی تھی۔ امجد نے پوچھا۔ "یہ تیری جینز ہے؟" لڑکے نے ہاں میں جواب دیا تو سردار نے کہا۔ "اس کی جیبیں الٹ کے دکھا۔"

لڑکے نے جینز کی جیبیں الٹیں۔ اس کی ہپ پاکٹ سے سگریٹ کے نرم پیکٹ سے پھاڑا ہوا مڑا تڑا کاغذ باتھ روم کے فرش پر گرا۔ لڑنے نے کہا۔ "یہی ہے۔"

اس کے اٹھانے سے پہلے امجد نے وہ کاغذ اٹھالیا۔ کاغذ پر چمکیلے سرخ رنگ سے کچھ لکھا تھا۔ روکسانہ نے اپنا پیغام لکھنے کو اپنی لپ اسٹک استعمال کی تھی۔ پیغام مختصر تھا۔

"ہم کو سرکس سے اغوا کیا گیا ہے۔ دونوں ٹھیک ہیں۔ وہ روٹ ۳۷ جانے کی بات کرتے۔" لکھتے ہوئے لپ اسٹک ٹوٹ گئی تھی یا کچھ اور ہوا تھا۔ تاہم پیغام مکمل تھا۔

دونوں کا مطلب ہے میری دوست رشنا بھی ساتھ ہی ہے اور خیریت سے ہے۔

روٹ ۳۷ یہ ہائی وے کے کسی روٹ کا نمبر ہوگا۔ جس کے بارے میں مجھے کچھ نہیں معلوم تھا۔

میں نے امجد کی طرف دیکھا اس نے آہستہ سے کہا۔ "ٹھیک ہے۔ میں نے سمجھ لیا ہے۔"

اس نے ایک مرتبہ اور لڑکے سے تصدیق کی کہ کیا یہ وہی پرچا ہے جو لڑکی نے ٹیپ رکارڈر کے ساتھ اسے دیا تھا۔ لڑکے نے کہا کہ ہاں وہی ہے۔

"پھر ہم دونوں ہاؤس کیپر کے ساتھ الیکٹریشن کے کوارٹر سے نکل آئے۔

کک کے کوارٹر کی ایک کھڑکی کا پٹ اور پردہ کھلا ہوا تھا۔ ہمیں آتے دیکھ کر کسی نے اس کمرے کی بتی بجھادی۔ کھڑکی تاریک ہوگئی۔ یہ کک کی لڑکی ہوگی جو کھڑکی سے لگی بیٹھی جائزہ لے رہی تھی۔

ولا کے ڈائننگ ہال میں روشنی ہو رہی تھی۔ مالک مونگ لی ابھی میز پر تھا اور پھل تراشنے والے چاقو سے اپنے لیے بہت کنجوسی سے ایک سیب کی قاشیں کر رہا تھا۔ ہمیں دیکھ کر پلیٹ چھوڑ کے اٹھنے لگا۔

امجد نے اسے اٹھنے نہیں دیا۔ بولا "انکل مونگ لی! ہم جو تلاش کر رہے تھے مل گیا۔ اب ہم کو روٹ ۳۷ پر جانا ہوگا۔"

"روٹ ۳۷؟ مطلب تم سلہٹ والا کے اسٹیٹ جائے گا پھر آگے، پھر آگے۔

سیدھا تھاپا اسٹیٹ تک جانے کو ہوگا۔ ادھر یہ روٹ ۳۷ ختم ہو کے روٹ ۴۲ مل جاتا ہے۔ ٹھیک بولا نا؟"

امجد نے کہا۔ "ٹھیک۔"

"مگر تم کھانا کھائے بغیر کدھر بھی نہیں جائیں گے۔" مونگ لی نے یہ بات اپنی ہاؤس کیپر کی طرف دیکھ کے کہی تھی۔

ہاؤس کیپر جس کا رنگ اب پھر بحال ہو کر پنک ہوگیا تھا مستعدی سے سر ہلاتی اپنے کچن کی طرف چلی گئی۔

جب تک ہم کھانے کی میز پر رہے انکل مونگ لی بھی بیٹھا رہا۔ ہم زیادہ دیر مونگ اسٹیٹ میں نہ رکے۔ کھانا کھا کے کافی پی کے اپنی جیپوں کی طرف آگئے۔ انکل مونگ لی کو امجد نے ضد کر کے بستر پر بھیج دیا تھا۔ اس کی خصوصی ہدایت پر ہاؤس کیپر ہمیں جیپوں تک چھوڑنے آئی۔

گاڑی ان حد نے سنبھالی۔ وہ اسٹیئرنگ پر جھکا بیٹھا چینی ہاؤس کیپر کو ادھ کھلی آنکھوں سے کچھ دیر دیکھتا رہا۔ ہاؤس کیپر کو جو اپنے باس کی نمائندگی کر رہی تھی۔ اس وقت تک پورچ میں کھڑے رہنا تھا۔ جب تک مہمان کی گاڑی چلنا نہ شروع ہو جائے۔ وہ بے چاری اپنے چہرے پر مسکراہٹ سجائے۔ جو اس کے فرائض میں شامل تھا کبھی میری طرف، کبھی امجد سنگھ کی طرف دیکھتی تھی اور بے بسی میں اپنا وزن کبھی ایک کبھی دوسرے پیر پر ڈالتی تھی۔ میں نے الجھ کر کہا۔

"امجد! اب چل نا بھئی۔"

وہ ٹھنڈی سانس بھر کے بولا۔ "کبھی کبھی ادھر ایسٹ میں پیدا ہونے پہ گصہ وی آتا ہے شیر کھان!" میں سمجھ رہا تھا اس کا اصل مخاطب میں نہیں ہوں۔ وہ کوئی چھیڑنے والی بات کہہ رہا ہے۔

میں خاموش رہا تو خود ہی بولا۔ "جے اسیں ایسٹ میں پیدا نہ ہوتے۔ یورپ، امریکے میں پیدا ہوتے تو ایخ سکھی جیسی کھدا حاجے۔ مطلب سوکھی جیسی گڈبائی نہیں ناں کرتے۔ آئی سمجھ میں؟ تو جناب! پہلے اسی گڈی سے اترتے۔" یہ کہہ کر امجد سنگھ گاڑی سے اتر گیا۔

"گڈی سے اتر کے جناب اسیں اپنے چینی معشوق کی طرف قدم بڑھاتے۔" یہ کہتے ہوئے وہ بانہیں پھیلا کر ہاؤس کیپر کی طرف دو قدم بڑھا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

وہ پیچھے ہٹی۔ انحد نے اسی طرح مجھے مخاطب کر کے کہا۔ "فیر جناب! اسیں اپنے معشوق کے گلے وچ اپنی بانہہ ..... ہاہاہا۔" انحد نے ہاؤس کیپر کے گلے کا ہار ہونے کو اپنے بازو پھیلائے ہوں گے کہ وہ اپنے تنگ چینی کپڑوں اور کھونٹیوں جیسے جوتوں کے باوجود اس کے ریچھ جپھے میں آتے آتے نکلی اور ہوا ہو گئی۔ انحد ڈھیٹ پن سے ہاہا کر کے ہنسا اور اسے پکار کر گڈ بائی کہتا ہوا اسٹیئرنگ سیٹ پر آ بیٹھا۔

ہم تیزی سے مونگ ولا سے نکل کر ہائی وے کے روٹ ۳۷ پر آ گئے۔ انحد نے جیپ اتنی تیز چلانی شروع کی تھی کہ میرا جی چاہتا تھا اسے ٹوک دوں۔

مگر وہ تیز ڈرائیونگ کرتے ہوئے گہری سوچ میں تھا۔ سارا چلبلا پن اور شوخی جیسے مونگ ولا میں چھوڑ آیا تھا۔ میں نے سوچا اسے ڈسٹرب کرنا ٹھیک نہیں ہے۔

ہم زوبر میاں کی ٹمبر اسٹیٹ کی طرف چل پڑے تھے۔

زوبر میاں سلہٹی کا نام زبیر میاں تھا یا جبار میاں' زوار میاں تھا یا خدا جانے زوبر ہی تھا جس کے کچھ معنی سہلٹ میں ہوتے ہوں یا نہ ہوتے ہوں۔ بہر حال انحد سنگھ انہیں جو بر کہتا تھا جو سننے والے کو کبھی کسی انگریز کا نام لگتا ہو گا کبھی جاب سنبھالنے والے فورمین کی قسم کے فیکٹری عہدے دار کا عہدہ لگتا ہو گا۔ جو بھی ہو ہماری اگلی منزل زوبر میاں کی ٹمبر اسٹیٹ تھی۔

ہم ہائی وے کے جس ٹکڑے سے اب گزر رہے تھے۔ یہ سرسبز پہاڑی ٹکڑا تھا۔ انحد سنگھ کسی ٹمبر اسٹیٹ سے یہ ہائی وے چار پٹی یا چار لین والی سڑک بن کے چلی تھی۔ مونگ صاحب کے علاقے میں کچھ دور تک چار قطاروں کی ٹریفک کا انتظام رکھا گیا تھا پھر یہ سڑک دو قطاروں یا دو لین والی ہو گئی تھی۔ کوئی بغلی سڑکیں بھی نہیں نکلتی تھیں اس لئے انحد سنگھ کا خیال تھا کہ زوبر میاں سلہٹ والا کی جائداد تک پہنچتے ہوئے ہمیں ایک بات کی بے فکری ہونی چاہئے۔ یعنی مونگ اسٹیٹ سے چلی ہوئی اسٹیشن ویگن کو ہر حال میں اس پہاڑی سڑک پر چلتے رہنا اور مسلسل چلنا پڑا ہو گا۔ کیوں کہ اب یہ تنگ سڑک ایک طرح کی سرنگ بن گئی تھی جس کے ساتھ ساتھ چلنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ سب کا اگلا پڑاؤ زوبر میاں کی اسٹیٹ پر ہی ہوتا تھا۔

پورے چاند یا تقریباً پورے کی راتیں تھیں۔ پیچھے آنے والے ڈرائیور نے اپنی جیپ کا ٹیپ رکارڈر بجانا شروع کر دیا تو انحد ایک دم بے چین ہو گیا۔ اس نے اپنی رفتار کم کر کے ڈرائیور کو قریب آنے دیا اور جب وہ اتنے نزدیک آ گیا تو انحد کی پھینکی ہوئی گالی

ٹھیک نشانے پر لگ سکتی تھی تو سردار نے ایک زبردست کپور تھلہ۔ چھاپ گالی پھینکی جس میں اسے یہ ہدایت کی گئی تھی کہ وہ یہ کھوتا راگ بند کر دے اور چوتھائی میل کا فاصلہ رکھ کے خاموش چلا آئے۔

میں نے کہا۔ "سردار' تو نے گالی دے کے' شور مچا کے اس کی چاندنی کا مزہ تو کرا کرا کر دیا۔"

انحد بولا۔ "اس سورے کو مجا لینے کا کوئی ادھیکار مطلب حق نہیں ہے وہ ڈیوٹی پر ہے۔"

پہاڑی راستہ پیچ دار تھا مگر خوش حال ٹمبر جائدادوں کا علاقہ تھا اس لئے حکومت اور نمبر کے بیوپاریوں نے اسے بنا سنوار کے اور کار آمد بنا کے رکھا تھا۔ قدرتی حسن اپنی جگہ الگ تھا۔

ہم نے تیزی سے رستہ طے کیا پھر بھی کہیں ساڑھے تین بجے کے بعد زوبر میاں سلہٹی کی کوٹھی نظر آئی۔ مجھے اگر پہلے سے پتا نہ ہوتا تو بھی کوٹھی کا چہرہ دیکھ کر اور اس کے لمبے چوڑے احاطے میں بنے ڈاک بنگلوں جیسے گھر دیکھ کر میں سمجھ جاتا کہ کسی نے برما میں یہ بنگال بسانے کی کوشش کی ہے۔ کوٹھی کی کھپریلیں' ڈاک بنگلوں کے گرد گرد کے ناریل کے جھنڈ' جگہ جگہ بنائے گئے مچھلی تلاب یا پوکھر۔ یہ سب بنگال کی۔ میرے گھر مشرقی پاکستان کی یاد دلاتا تھا۔

توقع کے عین مطابق کوٹھی یا بڑا بھاری سلاخوں والا پھاٹک بند تھا مگر گارڈ کی لمبی اونچی برجی پر پیلے بلب کی روشنی میں کمبل اوڑھے کوئی کھڑا ہمیں دیکھ رہا تھا۔ ایک ہی منٹ بعد انحد کو اور مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ جو بھی ہے ہمیں نہیں دیکھ رہا۔ نماز پڑھ رہا ہے۔ شاید تہجد کی نماز۔

انحد نے اپنے ڈرائیور کو جو گارڈز کو متوجہ کرنے کے لئے ہارن بجا رہا تھا ہاتھ کے اشارے سے منع کیا۔ سردار مجھ سے کہنے لگا۔ "یہ جو نماز پڑھتا ہے جو میاں کا ماموں ہے۔ سب گارڈز اس کے مرید ہیں تو اکثر مڈنائٹ کے بعد کی نماز ماموں صاحب ادھر ہی پڑھتا ہے۔ اس نے ایک ویری مجھ کو اپنا مرید بنانے کی کوشت (کوشش) کی تھی۔ پر میں نے عرج کیا ماموں صاحب! سب اسے ماموں صاحب بولتے ہیں۔ میں نے بولا۔ ماموں صاحب! سرکار' میں تو آپ کا مرید بن جاؤں گا' حاجر ہوں۔ پر دوجے مریداں پہ چنگا امپریشن نہیں ناں پڑے گا۔ مڈنائٹ کے بعد کی نماز میں تو پڑھ ہی نہیں سکدا۔ اس ٹائم

الٹا پڑا ہوتا ہوں۔ نالے دار و میں نے چھڈنی نہیں ہے' سوری جان کو آئی ہوئی ہے۔"

میں نے پوچھا۔ "پھر کیا بولے ماموں صاحب؟"

"ہور انہوں نے کیا بولنا تھا جی۔ اللہ لوگ ہیں۔ بولے۔ پتر انحد سنگھ صاحب! ہر ایک کو صاحب بولتے ہوتے ہیں' صفائی والے کو بھی' جمادار صاحب' بولے انحد صاحب! جس کا کار کھانہ ہے جس نے سنگھ صاحب! آپ کو روشنی دکھانی ہے۔ اسی نے شراب خبیث سے آپ کی جان وی چھڑانی ہے۔ یہ میرا آپ کا برابلم نہیں ہے۔" میں نے کہا۔ "فیر ٹھیک ہے ماموں صاحب! سر! ادھر تسیں میرے واسطے دعا فرماؤ کی خبیث سے جان چھوٹے میری۔ ادھر میں مالک کو عرج کرنا کہ گرو! مینوں روشنی دکھا۔"

"اچھا تو یہاں یہ معاملہ رکا ہوا ہے؟" میں نے پوچھا۔

کہنے لگا۔ "ہاں بھائی جی! ابھی تو مالک سے عرج کر رہے ہیں ہم دونوں۔"

اس دوران ماموں سلام پھیر کر کسی گارڈ کو اندر سے جگا لائے تھے۔ گارڈ نے طاقت ور ٹارچ لائٹ ہماری جیپ پر پھینکی نمبر نشان پڑھ کے ماموں صاحب سے کچھ کہا تو انہوں نے برجی کے پیراپٹ کے قریب آواز دی۔ "کیا انحد سنگھ صاحب ہیں؟"

انحد نے جواب میں نعرہ لگایا۔ "ست سری اکال ماموں صاحب۔"

"ارے واوا وا بھائی۔ وعلیکم السلام سنگھ صاحب! ٹھہرو ٹھہرو ابھی پھاٹک کھلواتا ہوں۔"

پھاٹک کھول کر گارڈوں نے دونوں جیپیں اندر لے لیں۔ ہم نے دیکھا ماموں صاحب برجی کی سیڑھیوں پر سے آہستہ آہستہ اتر کر ہماری طرف آ رہے ہیں۔ انحد سنگھ جیپ سے نکل کے ماموں صاحب کی طرف دوڑا۔ "نہیں سرکار' ماموں صاحب! تسیں ادھر نہیں آؤ۔ کھلے علاقے میں سردی بہت ہے۔ آ رہا ہوں میں آپی آ رہا ہوں۔"

اس نے جھک کر سیڑھیوں پر کھڑے ماموں صاحب کے پیر چھوئے اور انہیں سہارا دے کر واپس برجی کی سیڑھیاں چڑھانے لگا۔ ایک بار مڑ کر اس نے مجھے آواز دی تھی۔ "اوئے شیر کھان! آوئی۔ توں وی آ جا سلام کرلے' مرشد ہوری کی دنست بوسی کرلے۔"

برجی یا گارڈ روم میں اندر کم ہی جگہ تھی۔ سب گارڈز باہر سائے میں بچھی ماموں کی نماز کی چوکی کے پاس جا کھڑے ہوئے۔ ہم اور ماموں صاحب۔ گارڈ روم میں سلام دعا خیر و عافیت کرتے رہے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ماموں صاحب کا ذرا گندمی سا چہرہ سلہٹ کے زمین داروں اور اشراف کا نرم چہرہ تھا۔ وہ بیٹھے لہجے میں بات کرنے کے عادی تھے جو کانوں کو بھلا لگا۔ میرا تعارف کا کسیز بازار کے حوالے سے کیا گیا تھا تو مشرقی پاکستان کی نسبت سے ماموں صاحب نے مجھ پر اضافی شفقت کی۔ ایک گارڈ نے اندر کوٹھی کے اسٹاف کو انٹر کام پر ہمارے آنے کی خبر کر دی تھی۔

اور پانچ چھے منٹ رک کر ماموں صاحب کو وظیفہ پڑھتے چھوڑ کر ہم کوٹھی کے لئے چل پڑے۔ ہمارے استقبال میں کوٹھی کی بتیاں جلنا شروع ہو گئی تھیں۔ نوکر پیادے نکل نکل کے ادھر ادھر آ جا رہے تھے۔

سیڑھیوں تک جیپ لے جانے کے بعد انحد نے آواز لگائی۔ "اسیں اتر رہے ہیں وئی' کوئی کتا شتا تو کھلا نہیں وئی؟"

پرانی برچھیں جودھپوری کوٹ اور لمبے بوٹ پہنے ریاستی شکاریوں کے سے حلیئے میں مگر ننگے سر ایک کالا بھجنگ آدمی کہیں سے نکل کے آیا اور ہاتھ کے اشاروں سے اطمینان دلانے لگا کہ کتے سب سنبھال لئے گئے ہیں۔ ہم لوگ گاڑی سے اتر سکتے ہیں۔ انحد سنگھ نے بتایا کہ یہ آدمی زوبر میاں کا ڈاگ کیپر ہے۔ نام اس کا کسی کو نہیں معلوم میزہ قبائلی ہے۔ کتوں کے ساتھ رہ رہ کے آدھا کتا بن گیا ہے۔ اس سے ہشیار رہنا۔

میں نے پوچھا کہ یہ کیا کرتا ہے جو میں اس سے ہشیار رہوں؟ سردار جی بولے کہ وہ کہتے ہیں نا کہ کوئی آنکھوں کا کاجل چوری کر سکتا ہو تو یہ اتنا ماہر ہے کہ سورا آنکھیں تک چوری کر سکتا ہے اور انکھیاں والے کو خبر نہیں ہونے دیتا۔ میں نے کہا حیرت ہے تو وہ بولا۔ "ہاں بس حیرت کرتے رہو اور ہشیار رہو۔ زوبر میاں مہینے میں ایک یا دو بار اسے ہنٹر سے پیٹتا ہے۔ تب کنٹرول میں آتا ہے مگر یہ کام کا بہت ہشیار ہے۔" میں نے کہا یہ تو کتوں کا راشن چوری کر لیتا ہو گا تو انحد نے اطمینان دلایا کہ نہیں ایسا کوئی خطرہ نہیں ہے۔ زوبر میاں کے کتے بہت زیادہ کتے ہیں۔ اس سے بھی زیادہ کتے پن پہ اتر آتے ہیں۔ میزو چوری کرنے کی سوچنا بھی شروع کر دے تو آنکھیں اور دانت دکھاتے ہیں اور غرا غرا کے میزو کا دم نکال دیتے ہیں۔

انحد نے یہ بھی بتایا کہ ماموں صاحب کو اس کی قبائلی زبان تھوڑی بہت آتی ہے تو وہ اکثر اسے سمجھاتے اور نرگ مطلب جہنم کی آگ سے اسے ڈرانے کی کوشش

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کرتے ہیں اور چوری سے باز رہنے پر آمادہ کرتے ہیں۔ تو سورا بد معاشی کی باتیں کرتا ہے۔ میں نے پوچھا کیسی باتیں تو انحد بولا۔ "او نہیں یار۔ میں وہ رپیٹ نہیں کر سکدا اجرت الیلیے شاہ دا مرید آں سمجھ لو آدھا مسلم تے میں وی آں۔ سچ لو میجو (میزو) سورا بالکل جنگلی ہے۔ اس کی عقل وچ کوئی چنگی گل آہی نہیں سکدی۔"

ہم جیپ سے اتر کے سیڑھیاں چڑھ رہے تھے کہ زوبر میاں اوور کوٹ میں بنڈل بنا ہوا کوٹھی کے برآمدے سے ہماری طرف بڑھتا دکھائی دیا۔

زوبر میاں سلہٹی کے بارے میں میرا پہلا تاثر یہ تھا کہ یہ اپنے صوفی ماموں کے برخلاف ایک خشک سے مذہبی آدمی ہوں گے۔ ویسے بھی چگی ڈاڑھی، شوخ رنگ کے اسکارف اور کیمل کلر کے بھاری اوور کوٹ میں ان کے بارے میں زیادہ کچھ معلوم نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ پینتیس اور چالیس کے درمیان کی کسی عمر کے آدمی تھے۔ میں نے سوچا یہ باتیں بہت کرتے ہوں گے کیوں کہ وہ اپنی رو میں بار بار قیمتی امپورٹڈ سگریٹ کا بیس والا پیک اور شاید سونے چڑھا لائٹر اپنے کوٹ کی جیب سے نکالتے اور جب فوراً ہی یاد آجاتا کہ سامنے ایک سردار جی بیٹھا ہوا ہے تو دونوں چیزیں واپس جیب میں ڈال لیتے مگر پانچ منٹ بعد باتوں کی رو میں بھول جاتے اور پھر سگریٹ لائٹر نکال لیتے اور پھر وہی عمل دہراتے۔ ایک بار انحد سنگھ نے اس کے کہہ بھی دیا کہ او بھائی کیوں بار بار دل کو مار رہا ہے۔ سگریٹ پی لے، میں نے کچھ نہیں کہنا ہے اس پر زوبر میاں نے ایک نوکر کو جو کافی کے برتن لگا رہا تھا بلا کر سگریٹ اور لائٹر حوالے کئے اور اشارہ کیا کہ اندر رکھ آئے۔

سگریٹ کی طلب سے اس طرح نمٹنے کے بعد زوبر میاں یکسوئی سے باتیں کرنے لگے۔

انحد نے انہیں اور ہی کہانی سنائی وہ اس طرح تھی کہ میں شیر کھان یو کے سے اپنی بیگم رشنا خان کے ساتھ رنگون آیا ہوں۔ ساتھ ہی کھیلی ہوئی سرکس کے کسی مالک کی بیٹی روکسانہ سے ملنے اور ایک شب اپنی سہیلی کے ساتھ ٹھہرنے کی نیت سے رشنا بی بی اس اپنے میاں کے ساتھ سرکس کو تلاش کرتی ادھر آئی ہے۔ رات ہی میں سرکس والوں پر کسی دشمن پارٹی نے حملہ کیا اور خان کی نئی اسٹیشن ویگن، جو اس حلیے کی ہے۔ چوری کرلی ساتھ میں دونوں عورتوں رشنا اور روکسانہ کو بھی اغوا کرلیا۔ موگ لی صاحب کی ٹمبر اسٹیٹ تک ان کے آنے کا سراغ ہم نے اٹھالیا ہے۔ سرکس والے کی بیٹی کے ہاتھ کا ایک پرچا ملا ہے جس میں اس نے لکھا ہے کہ اغوا کرنے والے ہمیں ہائی وے کے روٹ ۳۷ پر

لے جا رہے ہیں تو انہیں ہم سے پہلے سمجھو کئی گھنٹے کا اسٹارٹ مل گیا ہے اگر وہ موگ لی اسٹیٹ سے واقعی روٹ ۳۷ پر نکلے ہیں۔ واپس رنگون کی طرف نہیں چل پڑے یا کہیں پہاڑیوں میں نہیں غائب ہوگئے۔ تو یقیناً تمہاری اسٹیٹ سے گزرے ہوں گے۔ اپنے آدمیوں سے پوچھو، پتا کرو کہ کل اتنے بجے اور اتنے بجے کے درمیان اس اس طرح کی اسٹیشن ویگن پر تو کسی کی نظر نہیں پڑی؟

اس وقت میں نہیں سمجھ سکا کہ آخر موگ لی کو وہ ٹرکی فارم والی کہانی اور زوبر میاں کو یہ سہیلی والی کہانی سنانے میں انحد سنگھ کی مصلحت کیا ہے۔

بعد میں جب زوبر میاں کسی کام سے اٹھا تو میں نے پوچھ لیا۔ انحد بولا کہ دونوں الگ الگ لوگ ہیں۔ موگ لی بودھ مذہب کا پیرو کار ہے۔ زندہ لڑکی کو آگ لگانے والی کہانی سنا کے میں نے اسے لرزا دیا یہ ضروری تھا پھر اگر میں پہلے ہی لڑکیوں کے اغوا کا قصہ سنا دیتا تو وہ سمجھتا کہ یہ سردار کی عورت بازیوں کا کوئی چکر ہے اس لئے دلچسپی نہیں لیتا پھر اس نے بتایا کہ زوبر میاں کا آنا جانا میری اسٹیٹ میں بہت ہے اسے معلوم ہے کہ میرا کوئی ٹرکی ورکی فارم نہیں ہے۔ پھر یہ فیملی والا ہے اور مسلمان بھائی ہے شیر خان کی منکوحہ کو بازیاب کرانے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگانے سے بھی گریز نہیں کرے گا۔

پھر انحد بولا۔ "بھائی جی! ساڈا تے وہ حال ہے کی ایک جبر دست شاعر فرماندے نیں۔ میں کسنے دا سوار آں کسے دا کوڑا (گھوڑا) تے کسے نوں عبرت دا تا جیانہ مطلب کوڑا (تازیانہ) سمجھ آئی کج؟"

یو کے سے برما تک اور برما میں بھی انحد سنگھ تک پہنچتے پہنچتے شاعر مشرق علامہ اقبال کا مصرعہ کسی کا راکب، کسی کا مرکب، کسی کو عبرت کا تازیانہ۔ اس طرح ہو گیا تھا۔ میں نے اپنے سردار دوست سے کہا کہ جی ہاں میں بالکل سمجھ گیا ہوں۔

ذرا تازہ دم ہو کے ہم زوبر میاں کی ٹمبر اسٹیٹ میں پوچھ گچھ کرنے کے لئے تیار ہو چکے تھے۔ یہاں سے آگے زوبر میاں نے سارا معاملہ اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ وہ انحد سنگھ کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے ہمیں لیکر مزدوروں کے میس والے شیڈ میں جانا چاہتے تھے۔ ان کے کارندوں نے متعلقہ فورمینوں کو ٹیلی فون پر ہدایات پہنچوا دی تھیں کہ ہائی وے اور کسی ممکنہ ذیلی راستے کے قریب کام کرنے والے گینگ کو ہم سے بات کرنے کے لئے سب سے پہلے تیار رکھنا۔

فجر کی اذانیں ہو رہی تھیں جب ہم زوبر اسٹیٹ کی مرکزی میس میں پہنچے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

زوبر میاں نے ابتدا میں چند لوگوں سے پوچھ گچھ کی پھر وہ برابر کے شیڈ میں نماز کی امامت کرنے مزدوروں کی ایک بڑی تعداد کے ساتھ چلے گئے۔ باقی لوگوں سے انجد اور میں پوچھتے رہے۔ سلہٹ کے ایک ہندو باپ بیٹے پوچھ گچھ کے لئے پیش ہوئے۔ ان کی یادداشت میں اس رنگ کی ایک اسٹیشن ویگن تھی جسے ان دونوں نے زوبر میاں کی کوٹھی کے آگے ہائی وے پر چھوڑ کر ایک کچے پہاڑی راستے پر چڑھتے دیکھا تھا۔ کم روشنی میں ویگن میں بیٹھی ہوئی عورتیں انہیں شاید بچے وغیرہ سمجھ میں آئے تو خیال ہوا ہوگا کہ کوئی فیملی تفریح کے لئے اس جنگلی ریسٹ ہاؤس تک جا رہی ہے جو نمبر جائداد کے چوکی دار کی کیبن سے نظر آتی ہے۔ پکنک کرنے والوں کے لئے موسم سخت ہوتا جا رہا تھا لیکن سلہٹی باپ بیٹے نے سوچا۔ دولت مند لوگوں کے مزاج کا کیا ہے۔ کیا خبر انوکھے ٹائم یہ سخت موسم میں سردی اور ہوا کی کاٹ دیکھنے کے لئے ہی گھر سے نکلے ہوں۔ اس لئے انہوں نے اس وقت کوئی خیال نہیں کیا۔ پوری بات بھول گئے۔ ”مگر اب جو مائی باپ آپ لوگ پوچھتے ہو تو یاد آیا ہے۔ جی ہاں اسٹیشن ویگن کا رنگ ڈھنگ اسی طرح کا تھا جیسا آپ بتا رہے ہو۔“

زوبر میاں نماز پڑھ کے اپنے مقتدیوں کے ساتھ لوٹ آئے تو ہم نے سلہٹی باپ بیٹے کی رپورٹ دی اگرچہ دوسرے کسی نے اس طرح جاتی ایسی کوئی گاڑی نہیں دیکھی تھی لیکن زوبر میاں کو یقین تھا کہ باپ بیٹا دونوں ہشیار ہیں۔ نہ تو ان سے دیکھنے میں کوئی غلطی ہو سکتی ہے نہ ہی یہ غیر ذمے داری سے کوئی بات کہہ سکتے ہیں۔

ہم ٹھیک رستے پر تھے۔ ہمیں اغوا کرنے والے بدمعاشوں کے قدموں کے نشان ملتے جا رہے تھے۔ زوبر میاں شکاریوں کے کٹ میں تھے۔ انہوں نے کوٹھی پر فون کر دیا کہ ڈاگ ٹریز میزو کو فلاں فلاں دو کتوں کے ساتھ فوراً یہاں بھیج دو۔ وہ تو ویگن دیکھنے والے باپ بیٹے کو بھی ساتھ لے جانا چاہتے تھے مگر میں نے مشورہ دیا کہ ہم گاڑی کے گزرنے کے نشانات اور شہادتیں دیکھتے جا رہے ہیں۔ زیادہ بھیڑ بھڑ کا ساتھ رکھیں گے تو فائدے سے زیادہ نقصان کا احتمال ہے۔

اوپر پہاڑی پر کچھ دور نظر آتی نمبر اسٹیٹ کے چوکی وار کی کیبن تھی اور اس سے اوپر بے ضابطہ پہاڑی سڑک یا جیپ کا ٹریک تھا۔ اس طرح کے ٹریک پر جیپ یا زیادہ سے زیادہ مضبوط فورو ہیل ڈرائیو قسم کی اسٹیشن ویگن ہی جا سکتی ہے۔ یہ ٹریک اوپر جھاڑیوں، چٹانوں میں چھپے جنگلی ریسٹ ہاؤس تک جاتا دکھائی دیتا تھا۔ زوبر میاں نے کہا کہ

جنگلی ریسٹ ہاؤس کے برابر سے ایسا ہی ٹریک آگے نکلتا ہے جس پر جیپ یا اسٹیشن ویگن ہی جا سکتی ہے۔ دوسری کسی گاڑی کے بس کا روگ نہیں ہے۔

ہمارا اس وقت کا مشن یہ تھا کہ سہلٹی باپ بیٹے کی دیکھی ہوئی ویگن کے اس ٹریک پر چڑھنے اور آگے ریسٹ ہاؤس کے برابر سے گزرنے یا نہ گزرنے کی شہادتیں حاصل کر لیں پھر آگے کی کچھ حکمت عملی تیار کریں گے۔

یہ دراصل ایک شارٹ کٹ تھا۔ دو میل جنگل میں اور پہاڑی ڈھلان پر چلنے کے بعد یہ شارٹ کٹ ہائی وے کے روٹ ۳۷ سے جا ملتا تھا اگر ویگن کو اس ٹریک پر چڑھایا گیا ہے اور ابھی تک اوپر چھپا کر نہیں رکھا گیا تو اغوا کرنے والے بدمعاش اس جیپ ٹریک کا شارٹ کٹ استعمال کر کے آگے روٹ ۳۷ سے جا ملے ہوں گے اوپر چل پڑے ہوں گے۔

چلنے سے پہلے زوبر میاں نے اپنے ماہر شکاری کتوں کو روکسانہ کا ٹیپ رکارڈر اور لپ اسٹک سے لکھی ہوئی تحریر والا پرزہ سنگھا دیا۔ خود زوبر میاں طاقت ور ٹارچ کی مدد سے زمین پر ٹائروں کے نشانات کا کھوج لگاتے آگے آگے چلنے لگے اور ہم لوگ پیچھے تھے۔ ابھی پوری طرح روشنی نہیں ہوئی تھی اس لیے جنگلی ٹریک پر ٹائروں کے نشانات دیکھنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔

ایک اور بات میں کھوج اٹھانے والے کتوں کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں جانتا۔ مجھے تو زوبر میاں کے کتے اور کتوں کا ٹرینر سبھی کام چور لگے۔ کبھی تو دونوں کتے ٹریک پر چمک کر ایسے دوڑتے کہ لگتا اگلی جھاڑی یا چٹان کے پیچھے ہی روکسانہ اور رشنا کھڑی ہیں۔ بس مل جائیں گی اور کبھی کتے اور ساتھ میں ان کا ٹرینر بے سدھ اور بے تعلق ہو کر ایک طرف کھڑے ہو جاتے۔ ہمارا دونوں کا بس اتنا کام تھا کہ کتوں کے پیچھے بساط بھر کھوج اٹھاتے چلے آئیں۔ جب دونوں کتوں اور میزو ٹریز کو بے تعلق ایک طرف کھڑے بہت دیر ہو جاتی تو آگے سے زوبر میاں کی آواز آتی۔ ”آرے چالو نا بابا! ادھر آؤ۔ کیا کتا کے ساتھ ادھر ہی کھوڑا کھوڑا مور گیا ہے؟“

ظاہر ہے میزو ادھر ہی کتوں کے ساتھ کھڑا مرتا نہیں تھا صرف اونگھ رہا ہوتا تھا۔ وہ اور کتے اپنے مالک کی آواز سن کے پھر کچھ اور چلتے اور کھڑے ہو جاتے۔

اس جنگلی ٹریک پر یا تو اتنے جنگلی جانوروں کی بو تھی کہ کتے گھبرا گئے تھے یا ان کی دلچسپی کی کوئی بھی بو نہیں تھی وہ اسی لئے زیادہ کچھ مستعد اور مفید ثابت نہیں ہو رہے

تھے۔

جنگلی ریسٹ ہاؤس میں دو کمروں' کچن' باتھ روم اور سمجھو دو بالشت کے برآمدے سے زیادہ گنجائش نہیں تھی۔ موسموں کی سختیاں جھیلی ہوئی چار کرسیاں اور ایک میز برآمدے میں پھنسی رکھی تھیں۔ ہم نے پہلے کتوں اور اس کے ٹریز کو اندر جانے دیا جب وہ بیزاری سے ادھر ادھر سونگھ کر لوٹ آئے اور باہر کوفت کے عالم میں جا کھڑے ہوئے تو زوبر میاں' انحد سنگھ اور میں جائزہ لینے پہنچے۔ دھول اور برس دو برس پرانا چھوٹا موٹا کچرا یعنی ماچس کی جلی ہوئی تیلیاں' ٹافی سے اتارا ہوا ریپر' ادھ جلی موم بتی جو سال بھر پہلے سرخ رنگ کے موم سے بنائی گئی ہو گی اب مٹی کے رنگ کی تھی یہاں سب کچھ پرانا تھا۔

مگر نہیں ایک دو چیزیں' ایک دو ثبوت کچن میں ایسے تھے جو بالکل نئے تھے۔

کونے میں پڑی کوئلوں کی انگیٹھی لگتا تھا ایک دو روز نہیں چند گھنٹے پہلے جلائی گئی تھی۔ کچن کے لکڑی کے فرش پر چائے کی پیالی کا چھلے کی شکل کا دھبا بنا تھا۔ دیر سے پہنچنے والی دو چار چیونٹیاں میٹھی چائے کے اس چھلے سے آخری مٹھاس نچوڑنے کے لئے تگ و دو کر رہی تھیں۔ زوبر میاں نے انگیٹھی کو ہاتھ سے چھو کر دیکھا اور اندر ہاتھ پہنچا دیا۔ بتانے لگے کہ انگیٹھی سرد ہو چکی ہے مگر چیونٹیوں کی شہادت سے پتا چلتا ہے کہ چند گھنٹے پہلے چائے کی یہ پیالی' یا اور بھی پیالیاں فرش پر رکھی گئی تھیں اور پیالیوں میں چائے تھی۔ اسٹیشن ویگن والے جنگلی ریسٹ ہاؤس میں کچھ دیر ضرور ٹھہرے ہوں گے۔

ہم تینوں اور جنگلی میزو نے ریسٹ ہاؤس کے قریب بھی اور دور بھی ویگن کے ٹائروں کے نشانات ڈھونڈنے کی کوشش کی۔ پتھریلی خشک زمین تھی ٹائروں کے نشانات کیسے ملتے۔ ایک بات سے اور شک سا ہو گیا کہ روکسانہ اور رشنا کو ریسٹ ہاؤس میں نہیں تو اس کے قریب ضرور روکا گیا ہے۔ دونوں کتے کرسیوں اور مسہری کو سونگھ سونگھ کر تو ہٹ جاتے تھے مگر باہر برابر بھونکے جا رہے تھے اور بے چینی ظاہر کر رہے تھے۔

زوبر میاں ریسٹ ہاؤس کے بعد شارٹ کٹ بنانے والے ٹریک پر نشانات ڈھونڈنے اور بھی آگے جانا چاہتے تھے مگر میرا اور انحد کا بھی مشورہ تھا کہ یہ ثبوت اور کتوں کی گواہی بہت کافی ہے۔ ہمیں زوبر میاں کی اسٹیٹ میں زیادہ وقت نہیں لگانا چاہئے۔ آگے چل پڑنا چاہئے۔ کیوں کہ یہاں جو وقت گزر رہا تھا وہ اغوا کرنے والوں کی اسٹیشن ویگن کو ہم سے دور کرتا جا رہا تھا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

زوبر میاں ہمارے ساتھ ویگن کے تعاقب میں جانے پر تیار تھے مگر مزدوروں کے میس میں زوبر میاں کی گھر والی کے بارے میں پیغام آیا ہوا تھا کہ ان کے ہاں اللہ کے فضل سے ابھی ابھی فجر کے وقت ایک اور بچے کی ولادت ہوئی ہے۔

انحد نے مبارک دی اور پوچھا۔ "ایے کنے نمبر دی اولاد ہے؟"

زوبر میاں نے ایک لمحے سوچا پھر بولے کہ گیارھواں بچہ ہے اللہ کے فضل و کرم سے اور لڑکوں کے نمبر سے سمجھو تو آٹھواں ہے۔ مولا بے پروا کے فضل سے۔"

انحد سنگھ نے پہلے تو گالوں پر اپنے خوب طمانچے مارے کان کی لویں پکڑ کر توبہ توبہ کی پھر بولا۔ "بھائی جی زوبر میاں صاحب! مولا سے زیادہ بے پروا تو آپ خود ہیں گیارہ اولاد ہیں؟ بلے او بلے!"

زوبر میاں مسکرائے بولے۔ "بھائی! قدرت کے معاملا میں کسی کا کیا دوخل؟"

انحد بولا۔ "یہ دوخل' شوخل نویں بچے پہ بھی آپ نے فرمایا تھا اور اس کے جواب میں میں نے کج بولا تھا۔ یاد ہے کیا بولا تھا؟"

"معاذ اللہ! وہ گوندی بات پھر نہیں دھراؤ۔ شیر خان صاحب سنیں گے تو کیا کہیں گے۔ استغفر اللہ!" زوبر میاں کانوں پر ہاتھ رکھ کر ہنسنے لگا۔

انحد بولا کہ چلئے آپ نے توبہ کرنا سیکھ لیا ہے تو شاید آگے باز آجائیں۔ ڈزن پہ نوبت نہ آئے۔

زوبر میاں ساتھ جانے کو بہت کہتے رہے مگر ہم نے منع کر دیا اور ان سے اجازت لے کر شارٹ کٹ سے اگلی نمبر اسٹیٹ جانے کے لئے ہم نے اپنی دونوں جیپیں ڈال دیں۔

کچھ دور جنگل میں نکل آئے تب مجھے یاد آیا کہ اگلی نمبر اسٹیٹ تو میجر (ریٹائرڈ) چارلس پائین وڈ کی ہے۔ وہ جس کے کنٹری ہاؤس میں سردار انحد سنگھ اپنا کوٹ چھوڑ کے بھاگا تھا۔

میں نے پوچھا۔ "بھائی جی! میجر پائن وڈ کی اسٹیٹ میں داخل ہونا ہے۔ یہ بتاؤ تمہارے لئے ادھر کوئی خطرہ تو نہیں ہے؟"

وہ سوچنے لگا بولا۔ "یہی اسکیم بنا کے آرہے ہیں انحد سنگھ جی۔ اپنا یہ ارادہ ہے کہ میجر کے کنٹری ہاؤس کے بیچ گھسنے کی تو بھائی جی! بالکل جرورت نہیں ہے۔ سچ دی گل ہے۔ وئی جس تھاں' مطلب جس جگہ آپ کی ویلکم کا کوئی چانس نہیں ناں ہو دے۔ الٹی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

گولی شولی کا کھطرہ ہووے اس جگے جانا بے عقلی کی بات ہے۔ تو میں سوچنا گاڑی آپ چلاؤ۔ آگے آگے چلے میرا ڈرائیور۔ روڈ سائڈ پہ میجر کی ایک پرائیویٹ چیک پوسٹ جیسی ہے ادھر چووی (چوبیس) گھنٹے میجر کا سٹاف رہتا ہے۔ آپ تے ڈرائیور اتر کے پتا کر لینا۔ میں جیپ سے اترانگائی نہیں۔ صحیح ہے؟"

میں نے کہا۔ "ہاں تم کمبل لپیٹ کے بیٹھے رہنا۔"

میرے کمبل لپیٹ کے بیٹھنے کے مشورے پر انحد سنگھ چمک کے بولا۔ "بھائی جی اب اسیں اتنے بج دل وی نہیں ہیں کہ کمبل شمبل وچ لک چھپ کے بیٹھاں گے۔"

میں نے تسلی دی کہ بھئی آپ بالکل بزدل نہیں ہیں۔ یہ مشورہ تو آپ کی حفاظت کے خیال سے دیا گیا تھا۔

میجر پائن وڈ کی اسٹیٹ کا پہلا تاثر خوش گوار تھا۔ ہر چیز کسی اصول سے بنائی گئی تھی اور ہر چیز میں انگلستان کی جھلک نظر آتی تھی۔ لمحے بھر کے لئے دھوکا سا ہو جاتا تھا کہ ہم کسی انگلش کاؤنٹی کی جائداد کا دورہ کر رہے ہیں اور سامنے کی اس چیک پوسٹ سے رکاوٹ کی سرخ سفید پینٹ کی ہوئی مضبوط لکڑی کو ہٹا کر ابھی کوئی گوراچوکی دار سامنے آئے گا اور پوچھے گا۔ "ول کاؤن ہے؟ کڈر جانائے؟"

مگر کہیں۔ ادھر میں جیپ سے اترا اور چیک پوسٹ کے سامنے پہنچا۔ ادھر دوسری جیپ کا ڈرائیور گاڑی سے اتر کے سڑک پار کرتا تھا کہ چیک پوسٹ کے پیچھے سے پے در پے دو فائر ہوئے۔

میں ریوالور کے قریب تھا۔ دوڑ کر اوٹ میں ہو گیا۔ دوسری جیپ کے ڈرائیور نے آدھی سڑک پار کر لی تھی۔ وہ بھاگ کر نہ چیک پوسٹ کی طرف آسکتا تھا نہ واپس جیپ کی اوٹ میں جاسکتا تھا۔ جہاں تھا بے چارہ وہیں ایک گھٹنا ٹیک کر دونوں ہاتھ اٹھا کر بے بسی میں بیٹھ گیا۔

دو فائر پھر ہوئے۔ میں سمجھا ڈرائیور کو نشانہ بنایا ہے۔ اور وہ گیا بے چارہ۔

مگر جو بھی فائر کر رہا تھا اس جیپ پر کر رہا تھا جس سے اتر کر میں آیا تھا۔ آخری فائر پنگ کی آواز کرتا جیپ کی باڈی سے ٹکرا کر کہیں نکل گیا۔ میں نے جیپ کے موٹے فولاد کو دن کے وقت بھی چنگاری بناتے دیکھا۔

ایک فائر پھر اسی جیپ پر ہوا۔

کوئی صرف اس جیپ کو نشانہ بنا رہا تھا۔ کیوں؟

اب ایک فائر کچھ وقفے سے ہوا اور چک پوسٹ کے پیچھے سے فائر کرنے والے نے قہقہہ مارا یہ عجیب سا قہقہہ تھا۔ بناوٹی سا لگتا تھا کوئی صرف ڈرانا چاہتا ہے۔ فائر کر کے بھی اور ایسا بناوٹی، فلمی ٹائپ قہقہہ لگا کے بھی۔

کوئی صرف انحد سنگھ کے پیچھے پڑا ہے۔ ڈرائیور سے، مجھ سے یا جیپوں کے ٹائروں وائروں سے اسے کوئی سروکار نہیں ہے۔

انحد سنگھ بھی اب تک اس نامعلوم فائر کرنے والے کی نیت پہچان گیا تھا۔ اس نے اپنے آٹومیٹک پسٹل سے اندازے سے دو فائر کئے۔ جس طرح اس نے فائر کیے تھے ادھر سے پھر بناوٹی ہنسی کی آواز آئی۔ لگتا تھا فائر کرنے والا بہت نشے میں ہے یا کوئی نوجوان لڑکا شرارت کی آوازیں نکال رہا ہے۔ قہقہے لگا لگا کے فائر کرتا جاتا ہے۔

انحد نے مجھے آواز دی۔ "کھان! ادھر ہی رہنا۔ میں آتا ہوں۔" اور پھر اس نے اپنے آدمی سے ٹیٹھ سکھوں والی پنجابی میں کچھ کہا جو میری اور اس کی تو سمجھ میں آگیا۔ لیکن حملہ آور کی سمجھ میں نہیں آیا ہوگا۔ جو ہدایت سردار نے اپنے ملازم کو دی تھی وہ اسی کے لئے تھی۔

انحد سنگھ نے اپنی ہدایت اور حکمت عملی کے مطابق پنجابی میں اونچی آواز میں گنتی گننا شروع کی۔ "ہک! دو! ترے ۔۔۔۔" اور چار پر وہ چیک پوسٹ کی طرف مسلسل ہوائی فائر کرتا ہوا جیپ سے نکل کے باہر آیا۔ وہ اپنے ڈرائیور کو کور دے رہا تھا۔ ڈرائیور جو گولی کی زد پر بیٹھی ہوئی بطخ کی طرح ایک دم غیر محفوظ تھا۔ سردار کی گنتی پر تیار ہوا اور چار کی گنتی پر دوڑ کر اپنی جیپ کی اوٹ میں چلا گیا۔

انحد کسی فلمی ہیرو کی طرح ہوا میں گولی چلاتا بالکل کھلے میں آگیا تھا۔ وہ ڈرائیور کو تحفظ دینے کے لئے خود کو فائر کرنے والے کے سامنے لے آیا تھا۔

میں نے اپنی طرف آتے، دیوار کی اوٹ لیتے سردار جی کے لیے ہاتھ بڑھا دیے۔ "آجا۔ آ۔ سردار!"

لمحے بھر کے لئے وہ اوٹ میں بیٹھے اس دشمن کی زد پر تھا۔ بس ایک گولی کا تھا وہ مگر وہی ایک گولی حملہ آور نے نہ چلائی اس نے پھر ایک ٹھٹھا مارا۔ اس اثناء میں انحد سنگھ سڑک پار کر کے میرے پاس دیوار کی اوٹ میں آچکا تھا۔

میں نے ہاتھ بڑھا کر اس کی پیٹھ تھپکی۔ "شاباش! تو نے ڈرائیور کو خطرے سے نکال دیا۔"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کہنے لگا۔ "او نہیں یار! ڈزیور نہیں سی کھطرے وچ۔ بس دہشت میں آگیا سی بچارا۔"

ہم دونوں کے اوٹ میں آچکنے کے بعد جیسے حملہ آور کا مقصد پورا ہو گیا تھا۔ لگتا تھا اس کی تسلی ہو گئی ہے۔ اب اسے کچھ نہیں کرنا۔

میں نے کہا۔ "یہ کون ہو سکتا ہے؟ پائن وڈ؟"

"شاید۔"

"اگر وہ ہے تو ٹھٹھے کیوں لگا رہا ہے۔"

انحد نے ہنس کے گالی دی۔ بولا۔ "رامی ہے اس واسطے سمجھتا ہے انحد سنگھ فس (پھنس) گیا۔"

"اچھا تو انحد سنگھ نہیں پھنسا؟"

وہ بولا۔ "کوئی وی نہیں۔" انحد سنگھ ترکھان کا حوصلہ بلند تھا۔ شاید اس لئے کہ وہ خود بھی مسلح تھا اور اس نے مجھے بھی ایک پسٹل اور میگزین لا دیا تھا۔

کسی نے اس دیوار کو جس کی اوٹ لیے ہم بیٹھے تھے کھٹکھٹایا۔ انحد نے سر ہلا کر گویا مجھے خبر دار کیا۔ دشمن فوراہی کوئی کارروائی کرنے والا ہے۔

ہم دونوں نے اپنے ہتھیار فائر کے لئے تیار کیے۔

مگر اچانک حملہ کرنے کی بجائے دیوار کے دوسری طرف چیک پوسٹ میں بیٹھے ہوئے دشمن نے بہت خوش ہو کے ہنسنا شروع کر دیا۔ میں کچھ الجھ گیا۔

یہ ہنسی تو کسی عورت کی ہنسی تھی۔

انحد نے حملے کے لئے اٹھائی ہوئی اپنی رائفل کی سیفٹی خود بھی ہنستے ہوئے چڑھا دی اور پٹے سے پکڑ کر اپنی رائفل میری گود میں لٹاتا ہوا وہ اٹھ کے کھڑا ہو گیا پھر خبر نہیں کیوں اس نے کپور تھلہ چھاپ یا اپنے دادا کے پشتینی وطن پٹیالے میں سیکھی ایک گونجتی ہوئی گالی دی اور انگریزی میں چہک کے کہا۔ "اچھا تو یہ تم ہو میرے ایک کرسمس کے معشوق اور وہ چیک پوسٹ کی دیوار کو کسی گرمائے ہوئے بلے کی طرح "ٹپ" کے مطلب کود کے اندر چیک پوسٹ میں پہنچ گیا۔

ظاہر ہے چیک پوسٹ میں میجر پائن وڈ کی ہمشیرہ سسٹر پائن وڈ تھیں جنہوں نے گولیاں چلا کر اپنے ایک کرسمس کے محبوب کا استقبال کیا تھا۔

اور ظاہر ہے ان حد جیسے آگ انگارہ آدمی بلکہ آگ بگولا سکھ کے استقبال کا

ایک ہی طریقہ تھا اور وہی طریقہ یو کے والی مس پائن وڈ کا بھی تھا۔ صدیوں سے۔ میں دیوار کے اس طرف بیٹھا انہیں اس طرف ایک دوسرے کا استقبال کرتے سنتا رہا۔ اس استقبال میں باتیں نہ ہونے کے برابر اور بقول انحد سنگھ وہ چماشا جیادہ تھا۔

میں نے سوچا میجر (ریٹائرڈ) چارلس پائن وڈ اگر وہ ابھی تک زندہ ہے یقیناً پائن وڈ اسٹیٹ میں نہیں ہو گا۔ جبھی یہ سب چاند ماری اور جان ماری ہو رہی ہے۔

کوئی دس منٹ بعد جب انحد شاید بے حد ہوتا جا رہا ہو گا کہ پائن وڈ نے استقبال کی یہ کارروائی کسی اور وقت کے لئے اٹھا رکھی اور سرخ سفید پینٹ کی ہوئی لکڑی اٹھا کر دونوں اک دوسرے کی کمر میں ہاتھ ڈالے ہوئے باہر میری طرف آنے لگے۔

میں نے اس وقت تک دیکھا ہی کیا تھا مگر کم ہی کسی سینتالیس اڑتالیس سالہ کو اس قدر تر و تازہ اور مستعد دیکھا ہو گا۔ وہ بیس بائیس برس کے کھلنڈرے لڑکوں کی طرح کے لباس جینز اور ہلکے جیکٹ میں تھی۔ سر سے ننگی تھی۔ اس کے بال بے پروا سائنس دانوں یا فٹ بال کے کھلاڑیوں کی طرح کانوں تک آرہے تھے۔ پیروں مین ٹریک بوٹس تھے جو اگر ربر سول کے ہوتے تو ہم انہیں جوگرز کہہ سکتے تھے۔ وہ پنجوں کے بل چلنے کی عادی لگتی تھی۔

میں آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہا تھا کہ مس پائن وڈ نے چہکتی ہوئی آواز میں کہا۔ "ہیلو! دوست۔" اور مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔

"ہیلو۔" میں نے اس سے ہاتھ ملایا۔ اس کا ہاتھ گرم تھا ان لوگوں کو سردی نہیں لگتی۔ ظاہر ہے انگلستان کے حساب سے تو برما میں گویا موسم بہار جیسی خوش گوار ٹھنڈک تھی۔

انحد نے میرا تعارف کرایا۔ "شیر کھان فرام ------ فرام سم پلیس۔"

وہ شیر خان فرام یو کے کہنا چاہتا ہو گا مگر پھر یہ سوچ کر کہ مس پائن وڈ سے یہ جھوٹ نہیں چلے گا اس نے ٹال دیا اور کہہ دیا۔ "میں کسی جگہ "کا رہنے والا ہوں۔

انحد کے پاٹن وڈ معشوق نے اسے لفظوں میں الجھا دیا۔ پوچھنے لگی۔ "کسی جگہ" تو کوئی بات نہ ہوئی۔ مجھے بتاؤ یہ کہاں کا ہے؟ خان تو اپنی ڈبلیو ایف پی کے ہوتے ہیں جو اب پاکستان ہے۔ تو کیا یہ پاکستان کا ہے؟"

انحد نے کہا۔ "ہاں پاکستان کا ہے۔"

وہ بولی۔ "مجھے پاکستان سے پیار ہے۔"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

انحد نے ہنس کے کہا۔ "اگر میں چائنا کہتا تو یہ بولتی مجھے چائنا سے پیار ہے۔"

پائن وڈ محبوبہ بولی۔ "مجھے چائنا سے اور اناڈ سنگھ سے بھی پیار ہے۔"

انحد نے خوش ہو کے اس کے گلے میں بانہہ ڈال دی۔ مس پائن وڈ نے فورا اس کا استقبال کرنا شروع کر دیا۔

میں نے کھانس کھنکار کر انہیں صورتحال کی سنگینی کی طرف متوجہ کیا۔ ہم پائن وڈ اسٹیٹ کے صدر دروازے' اس کے استقبالہ چیک پوسٹ پر کھڑے تھے۔ پائن وڈ صاحب اگر اپنی اسٹیٹ میں نہیں ہے تو بھی چیک پوسٹ کا اسٹاف اور اس کے نوکر پیادے جاسوس تو ہوں گے۔ احتیاط ضروری ہے۔

وہ سنبھل کر میری طرف متوجہ ہو گئے پھر انحد کی محبوبہ نے خوش ہو کر اطلاع دی کہ اس کا بھائی یعنی وہ پائن وڈ خبیث جس سے انحد سنگھ کو اپنی اسٹیٹ سے روانہ ہوتے وقت بھی خطرہ تھا اچانک رنگون چلا گیا ہے اور کچھ وقت گزار کر ہی آئے گا۔

میں گیٹ پر متعین سیکورٹی والوں کی طرف سے تشویش میں تھا تو انحد کی محبوبہ نے بتایا کہ اس نے انہیں گھنٹے بھر پہلے یہاں سے رخصت کر کے دوسری دور دراز چیک پوسٹ پر اچانک جا پہنچنے کا حکم دیا ہے۔ وہ وہاں پہنچ کر دور دراز چیک پوسٹ کے اسٹاف کو میڈم کا حکم پہنچائیں گے کہ وہ لوگ ہائی وے کے اس رخ پر ڈیوٹی دینے کے لئے فورا روانہ ہو جائیں۔ اس تمام لوٹ پلٹ میں دو گھنٹے لگتے ہیں تو ابھی ان کے یہاں آنے میں ایک گھنٹا باقی ہے۔ اس ایک گھنٹے میں مس پائن وڈ کا منصوبہ یہ تھا کہ وہ اپنے مہمانوں کو ..... ہم تینوں کو ..... اور ہماری جیپوں کو آرام سے کہیں "اسٹور" کر دے گی اور پھر رات ہو جائے گی۔ مہمان لوگ رات بھر کے لئے محفوظ ہو جائیں گے۔ آگے کی آگے دیکھی جائے گی۔ انحد کو یہ اسکیم بہت پسند آئی تھی۔ میں نے شور مچایا کہ ہمیں اسٹیشن ویگن کی تلاش میں آگے بھی تو جانا ہے سردار جی!

کہنے لگا۔ "آگے بے شک جانا ہے۔ نالے تلاش وی کرنا ہے۔ پر بھائی جی! ہولی ہولی (مطلب ہولے ہولے) تلاش کرنے میں جو مجا ہے وہ بھگدڑ وچ تلاش کرنے میں کوئی نہیں ناں۔"

میں خوب سمجھ رہا تھا کہ وہ پائن اسٹیٹ میں کیوں پھیل رہا ہے۔ سکھ خون نے بہت سے وحشی امکانات پر اس کے سکھ بدن میں ہنہنا شروع کر دیا تھا۔

میں نے ڈرایا کہ اگر چارلس پائن وڈ صاحب سورا' پروگرام مختصر کر کے ہماری

تمہاری توقع سے پہلے آ گیا تو کیا ہو گا۔

چارلی کی لٹل بگ سسٹر نے انگریزی محاورے میں کہا کہ پھر ہم سبھی موسیقی کا سامنا کریں گے مطلب جو ہو گی دیکھی جائے گی۔ میرا اعتراض یہ تھا کہ ہم پائن وڈ اسٹیٹ میں اس لئے گھسے ہیں کہ یہاں کے مزدوروں سے' سیکورٹی والوں سے کسی ویگن کے گزرنے کا پوچھیں۔ وہ کام تو دھرا کا دھرا رہ گیا اور ہم مہمان بن کر اسٹور ہونے اور تم دونوں ایک دوسرے کا "استقبال" وغیرہ کرنے میں مصروف ہو گئے روکسانہ اور رشنا کا بتاؤ کیا ہو گا؟

انحد سنگھ نے اپنی محبوبہ کی کمر سے ہاتھ نکال لیا اور فکر مند ہو کر اس سے پوچھا۔ "ہاں جی بولو۔ ہم وہ دو اغوا ہونے والی لڑکیوں کو تلاش کر رہے ہیں ان کا کیا ہو گا؟"

مس ایلس پائن وڈ (اس کا نام ایلس پی بی تھا۔) میں نے کہا کہ اچھا کیا یہ سمجھتے ہو کہ میں کوئی غیر ذمہ دار ٹین ایجز (مطلب تیرہ سالہ سے انیس سالہ) کم سمجھ بچی ہوں۔ میری عمر اکیس سال سے زیادہ ہے۔ ووٹر ہوں۔ میں نے کہا۔ تمہارے آنے کا فون سن کر کچھ کر لیا ہے۔

"کیا مطلب؟" میں نے پوچھا۔ "کیا کسی نے ہمارے یہاں آنے کے بارے میں کوئی اطلاع دی تھی؟"

ایلس بی بی بولی۔ "تو کیا یہ سمجھتے ہو کہ مجھے اناڈ سنگھ کے آنے کا خواب آیا تھا؟" پھر خود ہی کہنے لگی۔ "میں اسے اکثر خواب میں بھی دیکھتی رہتی ہوں۔ خیر' وہ الگ بات ہے۔"

فون کا سن کے ان حد زیادہ حیران نہیں ہوا تھا' کہنے لگا۔ "میں سمجھ گیا جو بر میاں ہوری نے فون کیا ہو گا۔"

ایلس پائن وڈ نے بتایا کہ ہاں زوبر میاں نے فون کیا تھا جس پر ایلس نے یہ کیا کہ فورا پہلے سڑک کے رخ کام کرنے والے مزدوروں اور سیکورٹی والوں سے معلومات کی اور پھر سیکورٹی والوں کو دور دراز چیک پوسٹ کی طرف بھیج دیا تاکہ وہ ادھر کے سیکورٹی اسٹاف کو ادھر بھیجیں اور ایلس بی بی ان سے بھی کسی اسٹیشن ویگن کے بارے میں پوچھ گچھ کر سکے۔

"بلے او بلے!" انحد سنگھ نے نہ صرف پسندیدگی کا نعرہ لگایا بلکہ شاباش دینے کو اس مستحق بی بی کا چماشماوی لے لیا۔ اس کا خیال تھا کہ اچھے کام پر ایلس بی بی کی حوصلہ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

افزائی کرنی چاہئے۔

مگر یہ حوصلہ افزائی لگتا تھا کسی اور سمت میں ہو رہی تھی۔ میں نے ہاں ہاں کر کے انہیں توجہ دلائی کہ وہ دونوں پھر اصل موضوع سے بھٹکتے جا رہے ہیں تو جیسے تیسے کر کے وہ ایک دوسرے سے بغل گیر وغیرہ ہونا چھوڑ کے اصل موضوع پر واپس آئے اگرچہ اس واپسی پر دونوں ہی کچھ زیادہ خوش نہیں تھے۔

خیر ابھی تقریباً پورا دن پڑا تھا۔ ایلس کے ایک معتمد جمائیکن ملازم نے دونوں جیپوں کو پائن وڈ کے ایسے محفوظ حصے میں ایک نقلی چشمے کے قریب جھاڑیوں میں چھپا دیا کہ ولا والوں کی نظر میں بھی نہ آئیں اور جس وقت بھی ہمیں خاموشی سے نکلنا ہو بس ایک بغلی گیٹ کھولے جانے پر دونوں جیپوں کو بغیر اسٹارٹ کیے بھی چشمے کے ڈیڑھ فٹ گہرے پانی سے دھکا دے کر نکالیں اور ذیلی سڑک پر چلے آئیں جو کچھ ہی دور چل کر ہائی وے مل جاتی تھی۔

جمائی کن ملازم نے جیپوں پر احتیاطاً سبز کاہی ترپال بھی ڈال دی تھی کہ ولا میں چلتے پھرتے ٹہلتے کسی غیر متعلق آدمی کی نظر نہ پڑے۔

ایلس بی بی نے انحد کے ڈرائیور کو جمائی کن کے حوالے کیا کہ وہ اس کی مہمان داری اور دیکھ ریکھ کرے۔ مجھے اور انحد سنگھ کو وہ اوپر لے گئی جہاں اس کا اپنا بیڈ روم، کچن اور لاؤنج تھا۔ لاؤنج میں دو دیوان پڑے تھے۔

ایلس بی بی نے بڑی منافقت سے دونوں دیوان نئی چادروں سے ڈھک کے ایک نرم تکیہ ڈال دیا اور کہا کہ یہ تم دونوں کے آرام کے لئے ہے وہ جانتی تھی کہ سردار کو تو یہاں لیٹنا نہیں۔ میں تو ظاہر ہے اپنے والے دیوان میں جا لیٹا۔ سردار انحد سنگھ ترکھان اور ایلس پائن وڈ مسلسل ایک دوسرے کی جاسوسی میں لگے رہے۔ اگر انحد مجھ سے کوئی بات پوچھنے لاؤنج میں آتا تو ایلس بی بی اس کے پیچھے وہاں چلی آتی۔ ایلس کچن میں جاتی تو سردار انحد اسے مشورہ دینے کچن میں چلا جاتا۔ وہ کسی کام سے بیڈ روم میں جاتی تو سردار بھی اس کی جاسوسی کرنے ضرور پیچھے پیچھے جاتا اور بہت دیر وہاں رہتا۔ یہ جاسوسی اور مشورے ذرا اور طویل ہوتے جا رہے تھے کہ جمائی کن ملازم نے ہاؤس فون پر اطلاع دی کہ دور دراز چیک پوسٹ کا سیکورٹی اسٹاف آ گیا ہے۔

انحد سنگھ ایلس بی بی کا لپ اسٹک اپنی ناک، پیشانی اور چہرے کے نہ ڈھکے حصے سے پونچھ کر تیار ہوا تو ہم نیچے گئے۔ ایلس اپنے اسٹاف کے سامنے صرف مجھے لے گئی۔

انحد جی کو اس نے ایک کرسی دے کر چینی اسکرین کے پیچھے چھپا دیا تھا کہ وہ سنتے رہیں اور بعد میں کوئی نتیجہ قائم کریں۔ اسٹاف کے سامنے انحد کو یا کسی بھی سکھ کو لایا جاتا، چارلی پائن وڈ کے پاس رپورٹ یہی پہنچتی کہ اس کا ناپسندیدہ پڑوسی انحد سنگھ اس کی غیر موجودگی میں ٹمبر اسٹیٹ میں آیا تھا۔ اس بات سے سردار کو تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ایلس بی بی کے لئے مشکل پیدا ہو سکتی تھی۔

ایلس میم صاحب نے سرسری طور پر تاکہ اسٹاف کو احساس نہ ہو کہ خاص طور پر بتایا جا رہا ہے۔ یہ تاثر دیا کہ میں اور میرا ڈرائیور کسی اسٹیشن ویگن کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں۔ سیکورٹی والوں کے لئے ہم عام سے رہ گیر یا زیادہ سے زیادہ ٹمبر کے بیوپاری لوگ تھے اور اپنے راہ بھولے ہوئے ساتھیوں کی تلاش میں تھے۔ میم صاحب نے ایک بار پڑوسی ٹمبر اسٹیٹ کے مالک زوبر میاں کا حوالہ دیا جس سے ایک بات یہ طے ہو گئی کہ ہم مالکوں کے دوست لوگوں کے دوست ہیں۔ دور کی چیک پوسٹ سے آنے والوں میں کچھ وفادار گورکھے اور کچھ مقامی برمی تھے۔ برمیوں میں سے ایک نے بتایا کہ اسے اپنی شفٹ میں کچھ شبہ سا ہوا تھا کہ ایک اسٹیشن ویگن اس رستے سے نکلی ہے کسی دوسرے نے اس کے بیان کی تصدیق نہ کی مگر وہ اسٹیشن ویگن کے رنگ اور اس کی تمام حالت کے بارے میں بالکل یقین سے کہہ رہا تھا اور کوئی وجہ نہیں تھی کہ اس کے بیان پر کسی قسم کا شک شبہ کیا جائے۔

سیکورٹی والوں کی بات سن کے ہم تینوں پھر ایلس کے علاقے میں اوپر کی منزل میں آ گئے مس ایلس پائن وڈ نے علاقے کا نقشہ پھیلا کر ہمیں سمجھایا کہ دور دراز چیک پوسٹ سے جو اطلاع اسٹیشن ویگن کے دیکھے جانے کی ملی ہے اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ فرار ہونے والی گاڑی ہائی وے چھوڑ کے کسی اور طرف نکل گئی۔ نقشے سے پتا چلتا ہے کہ ایک سڑک پائن وڈ جائداد کی دور دراز چیک پوسٹ سے نکل کر برما کے سرکاری محفوظ ذخیرے سے ہوتی ہوئی پھر ہائی وے سے آ ملتی ہے۔

میرا اعتراض یہ تھا کہ فرار ہوتی ہوئی کوئی بھی گاڑی سیدھا راستہ چھوڑ کے کیوں کوئی لمبا راستہ پکڑے گی۔ ایلس بی بی نے کہا ہاں یہ اعتراض درست ہے جسے علاقے سے جلد از جلد نکل بھاگنا ہے وہ اتنے فالتو کے میل کیوں طے کرے گا؟ مگر انحد کا ذہن اس وقت خوب کام کر رہا تھا۔ اس نے نقشے پر ایک جگہ انگلی رکھ کے پوچھا۔ بی بی یہ لال رنگ کا گرتے ہوئے آنسو کی شکل کا اشارہ سرکاری ذخیرے کے بیچ کس بات کا بنا ہے۔ یہ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کیا جگہ ہے؟ کیا کوئی بلڈ بینک ہے؟

ایلس پائن وڈ بولی۔ "یہ کیروسین 'ڈیزل پیٹرول کا سرکاری پمپ ہے۔"

انحد سنگھ نے نقشے پر انگلی بجائی' بولا۔ "یہ ایک امپارٹینٹ وجہ ہو سکتی ہے۔ سدھا راستہ چھڈ کے ذخیرے وچ وڑن دی' مطلب گھسنے کی۔"

"ہاں۔ ان کا پیٹرول ختم ہو گیا ہو گا اور ہائی وے کا پیٹرول پمپ وہ پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔ ان کے لئے اب ایک ہی صورت رہ گئی ہو گی کہ وہ اندر کی سڑک پکڑ کے سرکاری ڈپو سے پیٹرول حاصل کریں۔"

پھر ایلس پائن وڈ کو اچانک "اناڈ ڈارلنگ" کی قابل رشک ذہانت پر اسے داد دینے کا خیال آیا وہ سنگھ کی پگڑی کے پیچھے ایک ہاتھ پہنچا کر مستعدی سے اسے دانا چگانے لگی جیسے پرندے اپنے گھونسلے میں بیٹھے بہت چھوٹے چوروں کو براہ راست دانا چگاتے ہیں۔

میں دو منٹ' تین منٹ ان کی صورتوں کے سامنے بیٹھا انتظار کرتا رہا۔ کب یہ ایک دوسرے کو داد دینا بند کرتے ہیں' مگر جب یہ دورانیہ طویل ہوتا گیا تو میں نے میز پر دستک دی۔ وہ ہانپتے تازہ ہوا میں سانسیں لیتے میری طرف متوجہ ہوئے۔

ایلس بی بی نے کہا۔ "میرا اناڈ کتنا انٹیلی جنٹ یعنی (ذہین) ہے۔"

انحد بولا کہ کوئی بھی نہیں یہ ایلس بی بی تیری محبت ہے جو ایسا سمجھتی ہے ورنہ میں تو ایک "عام جیسا سکھ آں۔"

خیر تو ایک بات سمجھ میں آ گئی کہ پائن وڈ اسٹیٹ سے ان کی اسٹیشن ویگن گزری ہے اور وہ دونوں لڑکیوں کے ساتھ ہائی وے کے روٹ ۳۷ پر ہی نکل گئے ہیں۔ مجھے اب یاد آیا کہ میجر پائن وڈ کی نمبر جائداد کے بعد آدھے بری آدھے انگریز بلی صاحب یعنی ولیم برانٹ کی جائداد تھی۔ وہی بلی برانٹ جس کے لائسنس یافتہ جوئے خانے ہانگ کانگ اور رنگون میں چل رہے تھے' جسے انحد سنگھ بوتلوں کے کریٹ کے بدلے مردانہ قوت دینے والے میجک لڑکیوں کا گوشت بھیجا کرتا تھا۔

میں نے پوچھا۔ "انحد! کیا ہمیں اب بلی برانٹ کی اسٹیٹ جانا ہو گا؟"

ان حد بڑی مستعدی سے بولا۔ "آہو جی' ادھر تے جرور جانا ہے ..... وہ ساڈے پڑوسی بلی صاحب کی اسٹیٹ ہے ادھر بڑیاں رونقاں لگیاں نیں۔ مطلب بڑی رونق دل پشوری چل رئی ہے ادھر تے جرور جانا ہے۔"

ایلس بی بی پوری بات تو نہ سمجھ پائی مگر بلی برانٹ کا نام سن کے اور ادھر جانے کے سلسلے میں انحد کا بے حد اشتیاق دیکھ کے منہ بنا کے بولی۔ "بلی برانٹ دنیا کے اس حصے کا سب سے بلند مرتبہ پمپ (یعنی دلال) ہے۔ اس کی بلیوں چمگادڑوں جیسی سفاک میزبان لڑکیاں دنیا کے اس حصے میں قدرت کی طرف سے گندی بیماریاں پھیلانے پہ مقرر ہیں۔"

انحد ہنسنے لگا' بولا کہ ایلس ڈارلنگ ہم دونوں کو ..... خان کو اور مجھے ..... اس کی میزبان لڑکیوں سے کیا لینا دینا۔ میں تو اپنے پرانے دوست بلی سے خان کی اسٹیشن ویگن اور اس کی عزیز دوست لڑکیوں کا پتا اٹھانے جاؤں گا۔ بہت ہوا تو بلی برانٹ کے ساتھ بیٹھ کے ایک چھوٹا پیگ لے لوں گا۔ کان نے تو وہ چھوٹا پیگ بھی نہیں لینا۔ یہ پاکستانی ہے۔ پاکستان میں تو بعض اقلیتوں فرقوں اور ہزار دو ہزار ہشیار ڈاکٹروں کے سوا کوئی جانتا ہی نہیں کہ شراب کیا چیز ہوتی ہے۔ اس خان کو بھی پتا نہیں ہووے گا کہ شراب وراب کیا ہوتی ہے۔ دیکھو ہنس رہا ہے۔ اسے کچھ پتا ہی نہیں۔

ایلس بہت سنجیدہ تھی۔ انحد سنگھ کی مسخرے پن کی باتیں سن کر ایک دم غصے میں اٹھی اور جانے لگی۔ انحد نے جھٹ سے اس کا بازو تھام لیا اور خود سے قریب کر کے منانے کے لئے پھر اس کا چماشا لینا شروع کیا۔ وہ ذرا سی دیر میں من گئی اور انحد پر یہ ظاہر کرنے کو کہ وہ من گئی ہے اور بھی تن دہی سے انحد کے ساتھ تعاون کرنے لگی۔

کھڑکی کا پردہ اس طرح لگا تھا کہ کبھی ہوا کے جھونکے سے ہٹ جاتا تو باہر کا منظر دکھائی دے جاتا ورنہ تو اندر والا باہر کا اور باہر والا اندر کی کوئی بات نہیں دیکھ سکتا تھا۔ ایک بار ہوا سے ہلکا گاز جیسا پردہ ہلا تو میں نے دیکھا کوئی شخص درختوں کے تنوں کی آڑ لیتا ادھر بڑھ رہا تھا جدھر ہماری جیپیں پارک کر کے سبز رنگ کی ترپال سے چھپا دی گئی تھیں۔

کوئی شخص ..... پائن وڈ اسٹیٹ سے ہی متعلق کوئی آدمی ہماری ٹوہ لینے کے لئے جیپوں کی تلاشی لینا چاہتا ہے۔ میں نے وہیں کھڑے کھڑے آہستہ سے پکارا۔ "ان حد ..... ذرا جلدی آ۔"

پیچھے سے انحد کی گھٹی ہوئی آواز ہوئی۔ "اون؟ وچ!"

میں نے کہا۔ "او ادھر آ نا ..... جلدی۔"

وہ ایلس بی بی کے سینٹ میں مہکتا ہوا میرے برابر آ کھڑا ہوا اور باہر دیکھنے لگا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

وہ جوش میں آکر شاید او کون اے اوئے کہہ کر چیخنا چاہتا تھا کہ میں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

میں نے سمجھایا ہمیں جاکر اسے پکڑنا اور پوچھ گچھ کرنی چاہیے۔ اسے دوڑا دینے سے کوئی کام نہیں بنے گا۔

انحد کی سمجھ میں فوراً یہ بات آگئی اور ایلس کو مختصر لفظوں میں بتاتے ہوئے ہم دونوں نیچے ڈپٹے۔ ایلس پیچھے آرہی تھی اس نے انحد کو مشورہ دیا تھا کہ یہ جو بھی جاسوسی کر رہا ہے اسے خاموشی سے اوپر لے آنا یعنی وہاں رولا ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے۔

نیچے اترنے کا یہ راستہ انحد کا تو دیکھا بھالا تھا۔ وہ ایک بار اپنا کوٹ چھوڑ کر یہیں سے بھاگا تھا۔ ہم دونوں بے آواز بڑی تیزی سے نیچے آئے۔ جمائی کن نوکر کے کچن میں مصروفیت کا وقت تھا تو وہ ادھر مصروف ہوگا۔ ہم کوٹھی کے پچھلے صحن میں آگئے۔ اب ولا کے اس حصے میں پہنچنے کا مرحلہ تھا کہ جہاں نقلی چشمہ اور استوائی درختوں سے بھرا مصنوعی جنگل تھا۔ یہ علاقہ نہ انحد کا دیکھا ہوا تھا نہ میرا۔ پہلے تو میں نے سوچا اس اعتماد والے جمائی کن ملازم کو کچن میں جا پکڑوں اور اسے لے کے جیپوں کی طرف جاؤں مگر پھر خیال ہوا کہ کچن میں دوسرے نوکر بھی ہوں گے۔ ہمارا اس طرح ولا میں دوڑے بھاگے پھرنا انہیں عجیب لگے گا۔ میں نے یہ خیال ترک کر دیا اور انحد کے ساتھ میں بھی ولا کی خاموش غلام گردشوں میں اس مصنوعی جنگل کا راستہ تلاش کرتا رہا جہاں ہماری جیپیں تھیں اور جہاں مجھے ٹوہ لینے والا وہ سایہ نظر آرہا تھا۔

ہم دونوں پائن وڈ کی بنائی ہوئی بھول بھلیاں میں گم ہوگئے تھے۔

میں بے زار ہو کر بلند آواز سے انحد سے لوٹنے کا کہنے کے لئے منہ کھول ہی رہا تھا کہ پھر اس نے بھی سختی سے میرا بازو دبایا اور اشارہ کیا کہ خاموش رہو۔ وہ ایک تنگ دریچے سے نیچے کچھ دیکھے جا رہا تھا۔ میں بے آواز اپنے ساتھی کے برابر جا کھڑا ہوا معلق تھا

۔اس دریچے میں بھی پردہ پڑا تھا۔ پردے کی جھری سے میں نے دیکھا کہ ہم چوڑے پتوں والے استوائی درختوں کے اسی جنگل میں جھانک رہے تھے۔ سامنے ہماری دونوں جیپیں ہرے رنگ کے ترپال سے ڈھکی کھڑی تھیں۔

ایلس تیز تیز قدم لیتی ہوئی مگر رازدارانہ ترپال ڈھکی جیپوں کے آس پاس چکر لگا رہی تھی۔ وہ کبھی ترپال کا کونا اٹھاتی کبھی جھکتی' بیٹھ کے جیپوں کے نیچے نظر ڈالتی کسی

بھی چھپے ہوئے جاسوس کو تلاش کرنے کے لئے اس سے زیادہ ہوشیاری اور تیزی دوسرا کوئی دکھا نہیں سکتا تھا مگر ایلس کی تیزی طراری سے زیادہ دلچسپ منظر ہم دونوں نے ایک اور دیکھا۔ جس تنگ دریچے سے ہم نیچے مصنوعی جنگل میں جھانک رہے تھے اس سے نیچے کی کھڑکی کا پتھر کا چھجا کوئی چار فٹ آگے جنگل پر معلق تھا اور اس چھجے پر عین ہماری ناکوں کے نیچے ہرے رنگ کے تنگ پتلون اور جرسی میں مگرمچھ کی کھال کا قیمتی بیلٹ لگائے سیاہ کڑے کے ربر سول جوتوں میں ایک سایہ یہاں دبکا ہوا تھا۔ میں نے انحد کو اشارے سے بتایا کہ یہی ہے جسے میں نے کھڑکی سے دیکھا تھا۔

وہ سایہ کالے بھونرا سے بالوں والی ایک کورین لڑکی تھی۔ لڑکی اپنے سے چند فٹ کے فاصلے پر ہماری موجودگی سے بے خبر نیچے کی آہٹوں میں کان لگائے پتھر کے فراخ چھجے پر کسی خوف زدہ جانور کی طرح دبکی ہوئی تھی۔ وہ سرد پتھر پر پڑی ہوئی اپنا رخسار پتھر پر ٹکا کے نیچے سے ایلس کی آہٹیں سن رہی تھی۔ کبھی تیزی سے سر بڑھا کر نیچے جھانک لیتی تھی پھر ہٹ جاتی تھی۔

اس نے ایلس کو مصنوعی جنگل کی طرف آتے دیکھ لیا تھا اور کسی ماہر سرکس آرٹسٹ کی طرح (جو بعد میں پتا چلا کہ وہ واقعی تھی) وہ چھجا پکڑ کے ایلس کی نظروں سے اور خطرے سے اچھل کر اوپر آگئی تھی۔ اب انتظار کر رہی تھی کہ میم جائے تو وہ چھجے سے کود کے سلامتی اور عافیت میں چلی جائے۔

وہ ہم سے اتنے قریب تھی کہ ذرا جھک کر اور ہاتھ بڑھا کر اسے چھوا جاسکتا تھا۔

میں نے انحد سے اشارے سے پوچھا کہ اس جاسوس کو کون پکڑے گا ؟ وہ یا میں؟

انحد نے اشارہ کیا کہ میں اوٹ میں چلا جاؤں یہ اسی کا کیس ہے۔

میں اس کے برابر سے جھانک رہا تھا۔ ٹھیک اس وقت جب چھجے کے نیچے کھڑی ایلس پائن ووڈ 'ہے لو! کو او ہے لو'' کی آواز نکالی جس سے وہ اپنے بھٹکے ہوئے اناڈ سنگھ کو متوجہ کر رہی تھی۔ چھجے پر سمٹی ہوئی کورین لڑکی نے سر اٹھا کر ہمارے دریچے پر دیکھا اور خوف زدہ ہو کر دونوں ہاتھوں سے منہ دبا لیا۔ اس کی بڑی بڑی ڈری ہوئی آنکھیں انحد سنگھ کو دریچے میں کھڑا دیکھ رہی تھیں۔ بعد میں انحد نے بتایا کہ اس نے دانت کھول کر مسکراتے ہوئے اس کورین گڑیا کو دیکھ کر اپنی ایک آنکھ دبا دی تھی۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

نیچے مس ایلس پھر کوئل کی طرح کوکی۔ ”کوؤ! ہیلو! ہیلو! آئی سے۔“

انحد سنگھ نے دریچے سے اپنا سر ہٹا لیا اور جیسے ہی مس ایلس کو کتی ہوئی جیپوں کے دوسری طرف گئی۔ انحد نے دریچے سے جھانک کر اپنے ہاتھ بڑھائے اور آسانی سے لڑکی کو چھجے پر سے اٹھایا اور دریچے میں سے گزار کر میرے برابر لا کھڑا کیا۔

مجھے دیکھ کے وہ اور گھبرا گئی۔ اسے ایک ہی آدمی انحد سنگھ نظر آیا تھا۔ یہاں تو ہم دو تھے۔

وہ ایک طرف چلنے کو ہوئی کہ انحد نے بڑھ کر اس کی مگرمچھ کی کھال والی بیلٹ پیچھے سے کھینچ کر اسے روک لیا پھر اس نے کورین بی بی کو خود سے بھڑا لیا اور مجھ سے بولا۔

”کھان یہ میڈم اصل میں چارلی پائن وڈ کی آفیشل رکھیل ہیں۔ ویسے چیف کک مشہور ہیں۔ یہ اپنے یار کے لئے جسوسی بھی کرتی ہیں۔ مطلب دن کے ٹائم' ابھی میں ان کا تعارف ایلس سے کراتا ہوں۔ دیکھو وہ کیسے کوک کوک کہہ کے ان کو بلا رہی ہے۔“

میں نے دیکھا چارلی پائن وڈ کا ٹیسٹ بہت ستھرا تھا۔ بے حساب خوب صورت اور خوش بدن عورت تھی۔

انحد نے یہ سب باتیں انگریزی میں کہی تھیں تو وہ سن کے ایک بار خوف سے لرزی تھی پھر سنبھل کے رازدارانہ انداز میں مسکرائی بھی تھی۔ پھر انحد کے سینے سے لگے لگے اس نے اپنے ہونٹوں کو ہاتھ کی اوٹ میں لے کر آہستہ سے اس کے کان میں کچھ کہا تھا۔

انحد کی باچھیں جیسے ایک دم کسی کھٹکے سے کھل اٹھیں۔ اس نے میری طرف دیکھ کے آنکھ ماری اور کہا۔ ”کھان! پائن وڈ کا یہ معشوق کوئی ریجن ایبل مطلب عقل میں آنے والی بات کہہ رہا ہے تو اگر کوئی حرج نہ ہووے تو میں اس کے نال جا کے وہ بات سن لیواں؟ کھان صاحب! تسیں ادھری میرا انتجار کرنا ..... ہاں؟“

یہ کہہ کر وہ اس کورین کی کمر میں ہاتھ ڈالے اسی کے کھولے ہوئے کسی دروازے میں غائب ہو گیا۔

میں احمقوں کی طرح ایک اجنبی گھر میں جس کا نقشہ بھی میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہاں کھڑا ایلس پائن وڈ کی کوؤ۔ ہے لو۔ ہیلو سنتا رہا۔

کچھ دیر بعد ایلس اپنی کوؤ کوؤ لپیٹ کے چلی گئی۔ ان حد ابھی تک نہیں آیا تھا۔ مجھے الجھن ہونے لگی۔

آخر کار وہ کسی اور سمت سے بچھیرے کی طرح چھلانگیں مارتا ہوا اور پوری بتیسی دکھاتا ہوا نکل کر آیا تو میرا جی چاہا اسے زناٹے کا ایک ہاتھ رسید کروں مگر وہ آتے ہی مجھ سے لپٹ گیا اور گھوڑے کی طرح ہنہناتا ہوا ہنسنے لگا۔

”اویار کھان! میں معافی چاہاں اصل وچ۔ او گل ایہو جی پیچیدہ نالے انٹریسٹنگ سی کہ آپ کا اے خادم چھڈ کے آ نہیں سکدا سی۔“

میں نے کہا کہ بہر حال تم نے اگر طے کر لیا ہے کہ اپنے ساتھ دوسروں کو بھی مرواؤ گے تو ٹھیک ہے۔ دوست کہہ دیا ہے تو بھگتیں گے۔ بھائی ہم بھی بھگتیں گے۔

وہ پھر بغل گیر ہو گیا اور معافی مانگنے لگا۔ میں نے دیکھا اس سردی میں بھی وہ شاید بھاگا بھاگا آیا تھا۔ تو پسینے پسینے ہو رہا تھا اور میں نے دیکھا اس کے ہاتھ سے مگرمچھ کی کھال کی وہی بیلٹ لپٹی ہوئی تھی۔ میں نے توجہ دلائی تو نقلی حیرت اور افسوس میں اس نے سر پیٹ لیا۔ ”اویار! کیسی بھیڑی بات ہو گئی۔ چارلی کی معشوق کی بیلٹ میرے ساتھ آ گئی۔ چلو خیر۔ کوئی گل نہیں۔ اس کا کمرہ دیکھ لیا ہے۔ رات وچ جے کدھرے فرصت ملی تے واپس کر آواں گے۔“

میں نے اسے آنکھیں دکھائیں۔ ”ہم رات یہاں بالکل نہیں رکیں گے۔ ابھی گھنٹے دو گھنٹے میں چل پڑیں گے۔“

آرام سے کہنے لگا۔ چنگا فیر کیسٹے دو کیسٹے پیچھے دے آواں گے بیلٹ۔ معشوق ہوری نے کدھر جانا ہے۔ سوں رہی ہے تھک کے ..... بے چاری۔“

اس نے بے فکری سے میرا ہاتھ تھاما اور بولا کہ چل یار میزبان لیڈی حیران پریشان ہو رہی ہو گی۔

واپسی کا راستہ کچھ انکل سے' کچھ ان حد کے تجربے کو کام میں لا کر طے کیا گیا۔ ہم ولا کے ایلس والے حصے میں پہنچے تو وہ بے چینی سے ٹہل رہی تھی۔ بولی۔ ”کہاں رہ گئے تھے تم دونوں؟“

انحد اس پر برس پڑا کہ ایک تو یہ گھر اتنے الجھے ہوئے نقشے پر بنایا گیا ہے۔ دوسرے تم ہمیں بھٹکتا چھوڑ کے ایسے کسی کونے میں جا چھپی تھیں کہ ملی ہی نہیں۔ ارے کچھ کہہ کے آواز ہی دے لی ہوتی۔ ہمیں رستہ تو مل جاتا۔ کیسی کیسی غلام گردشوں صحنوں بغلی کمروں میں گھستے نکلتے رہے ہم۔ وہ تو اچھا ہوا کسی نے دیکھا نہیں۔ ورنہ لینے کے دینے پڑ جاتے۔

ایلس کو ولا کے الجھے ہوئے نقشے پر شرمندگی تھی مگر اس نے حیرت ظاہر کی کہ وہ تو کتنی دیر کوؤ کوؤ کر کے پکارتی رہی۔ ایسے کسی کونے کھدرے میں جا پھنسے تھے۔ کہ ہم دونوں نے اس کی آواز نہیں سنی۔

انحد بولا۔ "آفٹر آل۔ نقصان تے ہو گیا وہ جو بھی ہماری ٹوہ لے رہا تھا۔ نکل بھاگا۔ کوئی بہت ہی اس کاؤنٹر رل مطلب بدمعاش شخص ہو گا جو اتنی دیدہ دلیری سے جیپوں کی تلاشی لیتا رہا۔ تے ہم اس کو ڈھونڈ وی نہ سکے۔"

کھانے تیار ہو گئے تھے۔ ایلس بی بی نے کہا کھالو کچھ دیر آرام کرلو پھر تم دونوں کو ٹمبر اسٹیٹ کی سیر کرائیں گے۔ میں نے شور مچا دیا کہ بس کھانا کھا کے روانہ ہو جانا ہے۔ بہت رکے تو ہم ایک ڈیڑھ گھنٹے رکیں گے۔ کیا یاد نہیں ہم مفرور اغوا کنندگان کی گاڑی کے تعاقب میں ہیں۔ سیر کا وقت پھر کبھی آئے تو آئے ابھی تو فوراً چل پڑنا ہے۔ "ایلس نے اداسی سے کہا۔ "ہاں ایسے میں روک بھی نہیں سکتی تمہاری دوست لڑکیوں کے اغوا کا معاملہ ہے۔"

شکر ہے یہاں ان حد نے رشنا کو رشنا خان' میری بیوی کہہ کر متعارف نہیں کرایا تھا۔ رشنا اور ناگی شا کی بیٹی روکسانہ دونوں میری دوست بتائی تھیں۔

ہم دونوں نے اوپر ہی کھانا کھایا۔ ایلس پائن وڈ نے ہمارے لئے پائن ایپل کیک بنوایا تھا۔ کچھ کھلایا باقی ساتھ کر دیا۔ پھر وہ انحد سے بولی کہ پچھلی بار تم کچھ جلدی میں رخصت ہوئے تھے۔ اور اپنا کوٹ بھول گئے تھے۔ آؤ دکھاتی ہوں۔ میں نے اپنے وارڈ روب میں کس طرح سنبھال کے رکھا ہوا ہے تمہارا وہ کوٹ۔

انحد بولا۔ "ضرور۔" پھر مجھ سے کہنے لگا۔ "کھان ایک ویری ہور انتجار کر لے دوست۔ جے میں نال نہیں ناں گیا تے اس نے نراج ہو جانا ہے۔ سمج آئی؟ دل دکھن دا معاملا ہے۔ سمج آئی؟"

میں نے کہا کہ ہاں سمجھ رہا ہوں جاؤ دفعان ہو۔ وہ مس پائن وڈ کے ساتھ اس کا وارڈ روب' مطلب کپڑوں کی الماری دیکھنے چلا گیا۔

اگر میں اس وقت سختی سے کام لیتا اس پیٹ بھرے سانڈ کو سیدھا جیپ میں لے جا کے ڈال دیتا اور ہم دونوں پائن وڈ اسٹیٹ ہی سے دفعان ہو جاتے تو بہت مناسب تھا پھر مجھے اور ان حد سنگھ کو بھرے پیٹ پر اتنی دوڑ نہیں لگانی پڑتی جتنی ہم نے لگائی۔

مگر مجھے پوری بات بتانی چاہئے اور جس طرح بعد میں معلوم ہوا کہ واقعات

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کس ترتیب سے ظہور پذیر ہوئے تھے۔ اسی ترتیب سے سنانا چاہئے۔

کھانے سے پہلے ہم نے ڈرائیور کو خبر کر دی تھی کہ وہ اپنی والی جیپ لے کے نمبر اسٹیٹ کے مین پھاٹک پر ہمارا انتظار کرے۔ ہم فارغ ہو کر' خدا حافظ کہہ کر بغلی سڑک سے نکلتے ہیں۔ اسے ہارن دے دیں گے تو وہ ہمارے پیچھے پیچھے چلا آئے۔

ڈرائیور کو ہدایات دے کے ہم نے کھانے اور پائن ایپل وغیرہ سے خوب سیر ہو کر نکل جانے کا قصد کیا تھا تو مس پائن وڈ کو انحد کا وہ کوٹ یاد آ گیا تھا جو اس نے مدتوں سے اپنے وارڈ روب میں ٹانگ رکھا تھا۔ وہ اور ان حد وارڈ روب میں ٹنگا وہ کوٹ دیکھنے چلے گئے۔ میں بیٹھا دانتوں میں خلال کرتا رہا کہ اچانک سنگاپور کی طرف سے میجر چارلس پائن وڈ اپنی گاڑی میں سنسناتا ہوا ناوقت اپنی اسٹیٹ میں آ گیا۔ وہ تو خیر ہوئی کہ ہمارے ڈرائیور نے دور سے پائن وڈ کی چمچماتی ہوئی انوکھے ہارن والی جیپ کو دیکھ اور سن لیا۔ اس نے فورا انحد اسٹیٹ والی سبز رنگ کی جیپ بڑھا کر جھاڑیوں کی اوٹ میں کرلی۔ تاہم میجر چارلی پائن وڈ کے ریٹائرڈ فوجی ذہن میں ایک دھندلی سبز چیز کی یاد رہ گئی تھی جو اسے آتا دیکھ کے جھاڑیوں میں ہو گئی تھی مگر وہ بہت مگن تھا اور کیونکہ کئی دن سے اپنی کورین محبوبہ مطلب آفیشیل رکھیل سے دور رنگون میں کاموں میں مشغول رہا تھا اس نے دھندلی سبز چیزوں کا کوئی خیال نہ کیا جو اسے آتا دیکھ کے جھاڑیوں میں چھپ جاتی ہیں اور اپنے شوق وصل میں مطلب کورین سے ملنے کے اشتیاق میں جیپ سے اتر کے گنگناتا اور چلتے چلتے رک کر ڈانس کے ایک دو قدم لیتا ہوا سیدھا اپنی آفیشیل رکھیل کے کمرے کی طرف چلا۔ وہ اس کے لئے رنگون سے چھوٹے موٹے دلچسپ تحائف لے کر آیا تھا وہ اس کے کمرے میں گنگناتا ناچتا داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ کورین ناوقت سو رہی ہے اور اس کے چہرے پر مسکراہٹ ہے۔ وہ اس مسکراہٹ کو اپنے لئے نیک شگون سمجھا اور بے تکلف اور آسودہ حال ہو کر بیڈ پر پہنچا تو ایک بہت عجیب چیز۔ بہت ہی عجیب چیز اس نے کورین بی بی کے بستر پر دیکھی جسے کسی صورت میں وہاں نہیں ہونا چاہئے تھا۔ یہ اعلا درجے کے چمڑے کی بیلٹ اور نیام میں رکھی سکھوں کی کرپان تھی۔ پہلے تو چارلی پائین وڈ کا نشہ ہرن ہو گیا پھر وہ غصے میں زرد اور زرد سے لال ہوا۔ غصے میں لال ہو کے اس نے بہت بے چینی میں کپڑے پہنے ہوں گے۔ اور کورین بی بی کو بیدار کیا ہو گا اور اسے کرپان دکھا کر پوچھا ہو گا کہ یہ کیا ہے۔

خیر یہ ان دونوں کا آپس کا معاملہ ہے۔ جواب میں اس بی بی نے کیا کہا اور میجر

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

پائن وڈ نے کیا کہا یہ تو کہا نہیں جاسکتا صرف دوسرے ملازموں کی شہادتوں سے کچھ اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے بہت زیادہ شور شرابا سنا تھا اور یہاں سے میرا اپنا بیان آسانی سے شروع ہو سکتا ہے کیونکہ میں نے بھی بہت زیادہ شور شرابا سنا تھا۔

میجر پائن وڈ کا اصل نسل انگریز لہجہ ایسا تو نہیں تھا کہ کسی کو کوئی مغالطہ ہوتا۔ وہ "اناڈ سنگھ" کو بڑے بھیانک بھیانک ناموں سے پکار رہا تھا اور اس نے فائر آمرس بھی نکال لیے تھے۔ میں نے ریوالور کے دو شاٹ بھی سنے جو یقیناً کھلے دریچے سے نظر آتے آسمان کی طرف چلائے گئے تھے۔

فائر سن کے انحد سنگھ اور اس کے پیچھے ایلس پائن وڈ بیڈ روم سے گھبرا کے نکلے۔ مس پائن وڈ اب اپین زولوڈیزائن والے گاؤن میں تھیں جو ٹھوڑی سے ٹخنوں تک کا تھا اور کمر پر ریشمی ڈوری سے بندھا تھا۔ انحد شاید ہمیشہ کا بے پروا آدمی ہے۔ میں دیکھ رہا تھا کپڑوں کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دیتا تھا تو اس وقت وہ عجیب طرح کے لباس میں تھا۔ مطلب ہاتھ میں تو اس نے وہ کوٹ اٹھایا ہوا تھا جسے دیکھنے کو وہ کھانے کی میز سے اٹھ کر بیڈ روم میں گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اہم چیز اہم ہوتی ہے تو وہ کوٹ انحد کے ہاتھ میں تھا اور قمیص بھی وہ پہنے ہوئے تھے مگر ایسی کچھ گڑبڑ اور شور شرابے کی پریشانی تھی کہ موزے بوٹ وغیرہ اور پتلون وہیں کہیں وارڈروب میں رہ گئے تھے۔ کچھا ایک ایسی چیز ہے (مطلب سکھ دوستوں کی پانچ بنیادی چیزوں میں کچھا بھی ہوتا ہے) تو وہ کچھا بے شک اس نے پہنا ہوا تھا کرپان جیسا کہ بعد کو معلوم ہوا اس "بے پروا" آدمی نے کورین بی بی کے کمرے میں پہلے ہی چھوڑ دی تھی تو ظاہر ہے سکھوں کی پانچ بنیادی چیزوں میں سے چار تو اس وقت باضابطہ اس کے پاس موجود تھیں۔ غنیمت تھا۔

وہ دونوں بیٹ روم سے نکلے اور انحد نے چیخ کر کہا۔ "کھان دوڑنا شروع کر۔"

مجھے دوسری بار کہنے اور صورت حال پر توجہ دلانے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں مس پائن وڈ کے فوراً بعد سیڑھیوں پر اڑا چلا گیا۔ یہ کوئی شارٹ کٹ ہوگا اس مصنوعی جنگل میں پہنچنے کا۔

آگے آگے پائن وڈ بی بی پیچھے میں اور میرے پیچھے کوٹ اٹھائے کچھے کے سوا نیچے سے آزاد برہنہ پا پھد پھد دوڑتا ہوا سوار ان حد سنگھ ترکھان۔ ہم سیکنڈوں میں اس استوائی جنگل میں پہنچ گئے جہاں اب ہماری ایک جیپ ترپال سے ڈھکی کھڑی تھی۔

پائن وڈ بی بی نے ایک ہاتھ بڑھا کر ترپال کا کونا تھاما اور خدا معلوم کیسی لپیٹ کے

ساتھ ترپال کھینچی کہ ایک ہی بار میں ترپال جیپ سے پھسل کے ایک طرف جا گری اور ایلس بی بی نے ہاتھ پکڑ کر ڈرائیور کے برابر والی سیٹ پر انحد کو بٹھا دیا۔ انحد اپنے کاندھے پر اسی طرح کوٹ ڈالے ہوئے تھا۔ اسے سیٹ پر بٹھا کر وہ بیلوں کتاؤں سے ڈھکے اس چور دروازے کی طرف گئی جو ایک بغلی سڑک پر کھلتا تھا۔

ہم نے پھر ایک فائر کی آواز سنی لگتا تھا فائر ہمارے سر پر ہوا ہے۔

میں نے جیپ کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہی دعا کی تھی کہ یہ ان حد مستحق ہو نہ ہو میں تو اس وقت تھوڑے رحم کا مستحق ضرور ہوں۔ اگرچہ میری سوسائٹی بری تھی پھر بھی گاڑی ایک بار میں اسٹارٹ ہو گئی اور دور سے اناڈ باسٹرڈ یا اس سے ملتا جلتا کوئی نعرہ سنتا ہوا میں ٹہلتی بیلوں' بہتے پانی اور کھلتے پھاٹکوں کے بیچ سے انحد کی جیپ نکالنے میں کامیاب ہو گیا۔ آگے بغلی سڑک کی عافیت اور اچھے ٹیون کیے ہوئے انجن کا معاملہ تھا جو بہت خوش اسلوبی سے طے ہوا۔

کھانا کھانے کے بعد اس طرح بے تحاشا دوڑنے یا پیٹھ میں برٹش آرمی کے سروس ریوالور کی گولی کھانے کے خوف سے میرا پیٹ بری طرح درد کر رہا تھا۔

انحد سنگھ نچلے بدن پر کمبل ڈالے اپنے باریک بازیاب کیے گئے کوٹ کا گھونگٹ کاڑھے ڈھیٹ پن سے ہنسے جا رہا تھا۔

میں نے غصے سے کہا۔ "ہم کسی سیفٹی (حفاظت) کی جگہ پہنچ جائیں پھر میں تمہیں خدا حافظ کہوں گا اور اپنی شکل گم کر جاؤں گا۔ مسٹر تم اور کچھ دیر گھوڑے کی طرح ہنس لو۔"

انحد کی ہنسی نہیں رک رہی تھی مگر اس نے انکار میں ہاتھ ہلاتے ہوئے میرے گھٹنوں کو ہاتھ لگایا۔ گویا وہ معافی مانگ رہا تھا۔ مگر ڈھیٹ اتنا تھا کہ برابر ہنسنائے جا رہا تھا۔

میں ایکسو پچیس میل فی گھنٹے کی رفتار سے جیپ اڑائے لیے جا رہا تھا کہ سڑک کنارے کے درختوں کا جھنڈ چھوڑ کر ایک اور جیپ غراتی ہوئی میرے ساتھ ہو لی۔ پہلے تو میں اپنی دماغی الجھن میں پہچان نہ سکا اور سمجھا کہ یہ دشمنوں کی گاڑی ہے مگر پھر پہچان گیا۔ یہ ہم سے پہلے فرار ہو جانے والا ہمارا اپنا ڈرائیور تھا۔ جو اب ساتھ ساتھ اڑا آ رہا تھا۔

آٹھ نو میل نکل آنے کے بعد جب مجھے یقین ہو گیا کہ ہمارا پیچھا نہیں کیا جا رہا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہے تو میں نے ذرا رفتار ہلکی کی بلکہ گاڑی روک کے ایک درخت کے سائے میں جا کھڑا ہوا اور خود کو ہلکا کیا۔

اس وقت تک انحد کا ہنسی ٹھٹھے کا موڈ اپنا ایک دورہ پورا کر چکا تھا۔ وہ خود بھی جیپ سے اتر آیا اور بری سپرونگ باندھ کر اپنی تہمد یا دھوتی جیسی ہوتی ہے اوپر اپنا کئی دنوں کا بچھڑا ہوا کوٹ پہن کر میرے انتظار میں جیپ کے برابر ٹہلنے لگا۔ میں پہنچا تو بولا۔

"دوست یہ ماننا پڑے گا کہ کھانا کھانے کے بعد اتنا فاسٹ دوڑ لگاؤ فاسٹ ڈرائیونگ کرو تو کھانا ہجم ہونے میں مدد ملتی ہے۔ تیری ہیلتھ مجھے پہلے سے چنگی لگ رہی ہے۔"

پہلے تو میں نے سوچا کوئی سخت بات کہوں' غصہ دکھاؤں مگر پھر خیال ہوا کہ یہ ڈھیٹ آدمی میرا پھلکا اڑانا چاہتا تھا اس لیے چھیڑ رہا ہے۔ میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

وہ بولا۔ "جس تھاں مطلب جس جگے دو دو کیس اٹینڈ کرنا ہووے ادھر ایک بچارے سکھ پر ساریاں ذمہ داریاں ڈال دینا۔

مزے دی گل نہیں ناں ہوئی۔ دنیا وچوں انصاف تے ۔۔۔"

میں نے کہا۔ "ان حد سنگھ! انصاف کے ساتھ کہیں تم بھی نہ اٹھ جانا خیال کرو۔ میں پٹھان بھائی زیادہ بات نہیں کروں گا۔ خرچ کردوں گا تمہیں۔"

کہنے لگا۔ "چل بولا تو۔ میں تو سمجھ رہا تھا میرا یار میرے کولوں نراج ہو گیا ای۔"

میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "انحد! تم خوش مزاج آدمی ہو۔ خوش مزاجی اچھی صفت ہے۔ تم اپنا چونچال موڈ بہت دیر تک قائم رکھ سکتے ہو۔ یہ تمہاری دوسری خوبی ہے۔ میرا یہ ہے کہ ایک تو میرا زندگی کا اسٹائل تم سے مختلف ہے۔ دوسرے اس وقت میں بڑی پریشانی کے دور سے گزر رہا ہوں۔ اگر میں چڑچڑے پن سے یا کڑوے سبھاؤ سے کوئی بات کہوں تو خیال مت کرنا۔ میں خود بھی ہنسنا ہنسانا چاہتا ہوں۔ بور نہیں ہوں۔ بس یہ ہے کہ آج کل پریشان ہوں۔"

وہ مجھ سے بغل گیر ہو گیا بولا۔ "مجھے سب پتا ہے تو کیہو جیا بندہ ہے کھان! تیرا جی بہلانے کھش رکھنے کو ہی تو سب کچھ کر رہا ہوں۔ یار ____ اب میں ایسا سانڈ اور بری نجر کا آدمی بھی نہیں ہوں جیسا تیرے کو دکھتا ہوں..... عام جیا سکھ آں۔ کھش مجاز نالے تھوڑا جیا دل فینک۔"

میں نے کہا کہ تو دل پھینک نہیں کچھ اور پھینک ہے تو وہ اس پر بھی بہت ہنسا پھر بولا۔ "چل برابر آ کے بیٹھ آگے گاڑی میں نے چلانی ہے۔"

وہ ڈرائیو کرنے لگا' میں اس کے برابر تھک تھکا کے بیٹھا اونگھتا رہا۔

شام ہوتے ہوتے ہمیں کچھ ایسے آثار نظر آنے لگے جن سے برانٹ نمبر اسٹیٹ یعنی انحد کے دوست بلی برانٹ کا علاقہ قریب آتا معلوم ہوا۔

ایک خوب صورت سرسبز پھلوں سے لدے ٹیلے کا موڑ کاٹتے ہی ہم نے دیکھا کہ ڈھلان پر ہرے ہرے ہموار لان بنائے گئے ہیں اور پھولوں بھرے ٹیلوں اور قطعوں کے بیچ جگہ جگہ مختلف کورٹس بنے ہیں۔ لان ٹینس کے کورٹ' والی بال کے کورٹس اور جہازوں کے عرشے پر کھیلے جانے والے رنگ بال کے کورٹس۔

انحد نے ایک ٹینس کورٹ کی روش پر گاڑی ڈال دی۔ اسٹیل کی جالی کے بہت بڑے اسکرین کے پیچھے ایک چونچال پارٹی بہت زور و شور سے لان ٹینس کھیل رہی تھی۔ پارٹی میں ایک طرف ایک مرد ایک عورت اور دوسری طرف دونوں عورتیں تھیں۔ مرد پچاس سے اوپر کا مگر خوب تن درست اور گروم کیا ہوا مطلب مردانہ سنگھار وغیرہ کیا ہوا دکھتا تھا۔ خود وہ کوئی اچھا شاٹ کھیلتا تو اپنے ساتھ کی عورت اور مخالف عورتوں سے داد طلب کرنے کے لئے کھیل روک کے کھڑا ہو جاتا۔ اس کے ساتھ کی عورت اچھا کھیل دکھاتی تو ہاتھ پھیلا کے اسے اپنے پاس بلاتا اور گلے لگاتا۔ غلط کھیلتی تو بھی پاس بلاتا مگر اس کے کولہوں پر سزا کی طور پر ریکٹ مارتا یا وہیں ایک دھول رسید کرتا۔ انحد نے اشارے سے بتایا کہ یہ بلی برانٹ ہے اور یہ تین "جنانیاں" جن کے ساتھ وہ کھیل رہا ہے اس کی وہ میزبانیں ہیں جو آج کل برانٹ کی "منجور نجر" بنی ہوئی ہیں مہینے دو مہینے تک یہ اس کی سہیلیاں رہیں گی۔ اسی کے ساتھ کھائیں گی' پئیں گی' سوئیں گی' جاگیں گی اور جب برانٹ ان سے اوبھ جائے گا تو ہانگ کانگ یا رنگون کے جوئے خانے پر ان کی پوسٹنگ کر دی جائے گی۔ برانٹ انہیں ہمیشہ کے لئے بھول جائے گا۔ ایک بار جو برانٹ اسٹیٹ سے ہو کر چلی جائے دوبارہ اسے یہاں تکلیف نہیں دی جاتی۔

ہماری جیپ اسٹیل کے اسکرین کے سامنے جا رکی۔ آدھے منٹ بھی نہ کھڑی ہوئی تھی کہ برانٹ کی نظر پڑی اور وہ ریکٹ پھینک کر اپنی پارٹنر کا ہاتھ پکڑے دوڑتا ہوا سیدھا ہمارے سامنے اسکرین کے پاس آ گیا اور اس سے بھڑ کر ہمیں پرجوش طریقے پر خوش آمدید کہنے لگا۔ "ان ہیڈ! میرے دوست اور آپ مسٹر کھان! میرے معزز مہمان! برانٹ اسٹیٹ میں آپ کی آمد ہمارے لئے مبارک ہے۔ آپ نے عزت بڑھائی ہماری۔"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

حیرانی ہوئی وہ میرا نام کیسے جانتا ہے پھر وہ اپنی منظور نظر کی طرف متوجہ ہوا۔ بعد میں معلوم ہوا یہ پکے ہوئے زیتون کی رنگت والی عورت یہودن تھی جو بیروت سے پچھلے چند مہینوں میں امپورٹ کی گئی تھی۔ یہ اردو سمیت بہت سی زبانیں جانتی تھی۔

بلی برانٹ نے اپنی فی الوقت محبوبہ کے تمتماتے ہوئے پسینہ پسینہ رخسار اپنی ہتھیلیوں سے رگڑ رگڑ کر صاف کیے اور بولا۔ ”رے بے کا! ڈارلنگ‘ یہ وہی معزز مہمان ہیں جن کے بارے میں انگلش لیڈی نے فون کیا تھا اور جن کے انتظار میں ہم ٹینس کھیل کے وقت گزار رہے تھے۔ رے بے کا! انہیں خوش آمدید کہو میری یہودی چڑیا۔“

چڑیا اس نے ٹھیک کہا تھا اس لڑکی نے چہچہاتی ہوئی آواز میں ہمیں خوش آمدید کہا اور وہ بلی برانٹ کا ہاتھ پکڑ کر ہماری طرف آنے کے لئے اسکرین پار کرنے کو ایک طرف دوڑنے لگی۔

اچھا تو ہماری آمد کی خبر ایلس پائن وڈ کی ہے۔

انجد نے دھیرے دھیرے مجھے سمجھایا کہ برانٹ کی تواضع کا خاص انداز یہ ہے کہ وہ اپنے سب سے معزز مہمان کو جو اس وقت شیر کھان تم ہو۔ اپنی سب سے اہم منظور نظر کی ذمہ داری میں دے دے گا۔ دوسرے نمبر کے مہمان کو۔ جو اس وقت میں ہوں منظور نظر نمبر دو جو وہ کالے چیتے جیسی امریکن نیگرو ہے اس کے حوالے کیا جائے گا۔ یہ اس کا خاص انداز ہے۔ اس پر برا ماننے کی جرورت نہیں ہے۔ تم چاہے اس بیروت والی سے مڈل ایسٹ کی پالیٹکس پہ بات کرتے رہنا مگر اسے واپس مت کرنا۔ بلی برانٹ میرا بہت اچھا دوست ہے اس کا دل ٹوٹ جائے گا پھر ہو سکتا ہے وہ ”نراج“ ہو جائے اس کے ”نراج“ ہونے پر میری شراب کی سپلائی متاثر ہو سکتی ہے۔ اس لیے پٹھان بھائی! میرا خیال کرنا۔ رے بے کا بی بی کو اپنے ساتھ انیکسی کی طور پر۔ جیسے گدھا گاڑھی میں گدھے کے ساتھ ایک پنچ ہوتی ہے۔ رہنے دینا تمہاری بڑی مہربانی ہو گی۔

گدھے اور پنچ کی مثال پر میں ہنس دیا اور انجد سنگھ نے اطمینان کا سانس لیا۔

بلی برانٹ اس کی تینوں منظور نظر میزبانیں اس کے ساتھ شامل ہو گئیں۔ ہم اتر کے کھڑے ہو گئے۔ یہ چھوٹا سا گروپ ابھی ہمیں گھیرے کھڑا تھا کہ بیٹریوں سے چلنے والی گولف گراؤنڈ کی تین کھلی ٹرالیاں ریل کی طرح ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہمارے برابر آ کے رک گئیں۔ خادم جو گولف ٹرالیاں لائے تھے ہماری جیپوں اور ڈرائیور کو لے کر چلے گئے۔ سب سے آگے کی ٹرالی میں بلی برانٹ نے مجھے اور رے بے کا یہودن کو

بٹھایا۔ دوسری میں انجد سنگھ اور امریکن چیتے کو اور آخری ٹرالی میں وہ اپنی ہندوستانی میزبان کے ساتھ خود بیٹھا جس کا تعارف اس نے پرنسس کنتی کہہ کر کرایا تھا۔

بلی کا دعوی تھا کہ پرنسس کنتی دراصل کوئم بٹور کے مہاراجا کی پڑنواسی ہے۔ حالات بگڑ جانے کی وجہ سے عارضی طور پر برانٹ کے اسٹیبلشمنٹ میں خصوصی میزبان کی نوکری کر رہی ہے۔ یہ ایک درمیانے سے ذرا چھوٹے قد کی مٹلو میزبان تھی جس کی ناک کا سرا کسی انگلش کاؤنٹی کے مویشی پالنے والے کسانوں کی طرح ذرا سا اوپر کو اٹھا ہوا تھا اور ہونٹ نیگرو لڑکی سے کچھ ہی کم دبیز ہوں گے۔ تاہم اس کی جلد اصل نسل اینگلو انڈین تھی۔ کسی کوئم بٹوری شہزادی سے زیادہ نقلی انگلش سرکس میں کام کرنے والی لگتی تھی۔

ہندوستان میں ایک زمانے میں ایسے ”انگلش“ سرکسوں کا بہت چرچا تھا جو دنیا کے ٹور پر نکلے ہوتے تھے اور بیس تیس سال سے اپنے وطن انگلستان نہیں گئے تھے۔ اس لئے ان کے آرٹسٹ سب دیسی زبانیں اچھی طرح جانتے تھے مگر تھے وہ ”انگلش“ ہی۔

یہ پرنسس کوئی بہت ہی چنٹ لڑکی تھی۔ امید تھی کہ بلی صاحب کو یہ کوئی لمبا چکر دے گی۔ اس کا اندازہ مجھے اس طرح ہوا کہ مجھ سے تعارف کے دوران ہاتھ ملاتے ہوئے پرنسس کنتی نے اپنی ایک لمبی مخروطی انگلی سے میری ہتھیلی کھجائی تھی اور جب میں نے گھبرا کر اس کی صورت دیکھی تو بہت ماہرانہ انداز میں اس نے آنکھ سے ایک اہم اشارہ کیا تھا۔

رے بے کا بی بی میری ٹرالی چلا رہی تھی اور ٹرالی کی کشادہ بنچ جیسی سیٹ پر اس نے اس طرح قبضہ کیا ہوا تھا کہ لگتا تھا ہم دو کے علاوہ بھی دو اور آدمی اس سیٹ پر بیٹھے ہیں۔ اس کے پاس سے برانٹ کے خریدے ہوئے مہنگے سینٹ اور ٹینس میں بہائے ہوئے پسینے کی ملی جلی مہک آ رہی تھی۔

اس نے بیٹھتے ہی اردو کا اچھا خاصا ایک معقول شعر پڑھا جس کا مضمون کچھ یوں تھا کہ کہاں میں ذرہ اور کہاں وہ آفتاب پھر بھی قریب بیٹھنے کا یہ موقع ملا ہے۔ تو مجھ خاک پر بیٹھنے والے کا دماغ اب عرش پر ہے۔

میں نے دھیرے سے کہا۔ ”بی بی! بالکل صحیح جا رہی ہو۔“ جو اس نے نہیں سنا۔ پوچھنے لگی۔ ”کیا فرمایا؟“ میں نے کہا۔ ”کچھ نہیں یہ کہہ رہا ہوں کہ تم ایسا رہبری کر رہا ہو تو قافلہ بہت جلد کسی اچھی جگہ پہنچ جائے گا۔“

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اس نے پھر ایک شعر پڑھ دیا کہ ہمیں کہاں پہنچنا ہے؟ کہیں نہیں جہاں پہنچنا تھا پہنچ گئے یعنی تیرے پہلو میں۔

میں نے کہا۔ "ماشاءاللہ! اچھے اچھے شعر یاد کر رکھے ہیں تم نے۔"

بولی۔ "بیروت تو میں نے گیارہ بارہ برس کی عمر میں دیکھا اس سے پہلے ہم لوگ بامبے میں رہتے تھے۔ میرے باپ فلم انڈسٹری سے متعلق تھے۔"

میں نے پوچھا۔ "کیا کرتے تھے؟ کیا فلموں میں گانے لکھتے تھے؟"

وہ ہنس کر کہنے لگی۔ "نہیں گانے تو زخمی جبل پوری ہمارا پڑوسی لکھتا تھا میرے پپا ساؤنڈ رکارڈسٹ تھے۔"

میں نے کہا۔ "جبھی۔"

میری میزبان ٹرالی چلاتے ہوئے میری طرف کھسکتی آ رہی تھی۔ اس کا اسٹیئرنگ وہیل چلانے والا ہاتھ کبھی میرے پیٹ سے آلگتا کبھی اس کی کہنی میرے گال کو چھو لیتی۔ وہ جیسے اپنے ہی انہماک میں ٹرالی چلا رہی تھی اور باتیں کر رہی تھی اور کبھی اچھے کبھی لچر شعر سنا رہی تھی باتیں زیادہ تر بامبے کی تھیں اور ان دنوں کی جب وہ گیارہ بارہ سال کی تھی اور اس زخمی جبل پوری فلمی گانے لکھنے والے کی شاگرد تھی یہ اس کا پہلا استاد تھا اور پڑوسی تھا اور اردو شاعری یا سمجھو اردو کے برے بھلے اونچے اور بازاری سب طرح کے شعر سکھایا کرتا تھا۔

میں نے کہا۔ "عجیب بے تکا استاد تھا۔ ارے اردو شاعری سے شروع کر رہا تھا تو گیارہ بارہ برس کی بچی کو پہلے "رب کا شکر ادا کر بھائی' جس نے ہماری گائے بنائی" یا اقبال کی "پہاڑ اور گلہری" جیسی نظموں سے شروع کراتا۔ یہ کیا سکھا رہا تھا۔ کہ "لذت وصل کی راتوں میں کبھی ہجر کے دن" ایک تو یہ کوئی بات ہی نہیں بنی۔ مصرع ہی نہیں ہے یہ دوسرے اتنی سی لڑکی کو یہ ساری فضولیات کیوں رٹا رہا تھا جاہل؟"

وہ میری طرف جھک آئی۔ آواز میں جیسے نشہ سا ڈال کے بولی۔ "ارے آپ سمجھے ہی نہیں زخمی بڑا حرامی تھا۔ مصرع نہیں سکھا رہا تھا لائن پر لگا رہا تھا۔ وہ تو پپا کو بیروت کا آفر آ گیا اور ہم بامبے سے اچانک چل پڑے نہیں تو جبل پوری زخمی نے ہرٹ کر دیا ہوتا۔" وہ یہ سب باتیں بامبے کے فلمی انداز میں کہہ کے ہنسی۔

انحد سنگھ نے پچھلی ٹرالی سے آواز لگائی۔ "مجھے کی ڈرائیور ملی ہے ہاں کھان! لطیفے' مطلب جوکس سناتی ہے۔ ہاں؟"

میں نے مڑ کر کہا۔ "لطیفے نہیں بڑی بھیانک بات بتا رہی ہے' ایک زخمی کی۔"

انحد نے آواز میں جھرجھری ڈال کر کہا۔ "اوگاڈ! یار ڈرائیونگ کرتے ہوئے ایکسی ڈینٹ کے اور جلھمی ہونے کے اور ڈیتھ کے قصے تو نہیں ناں سنانے چاہئیں۔"

یہودن نے مردوں کی طرح ٹھٹھا لگا کے میرے زانو پر ہاتھ مارا جس طرح بے تکلف مرد ایک دوسرے کے ہاتھ مارتے ہیں۔

میں نے پوچھا۔ "رے بے کا! یہ ٹھٹھے لگانا اور جوکس سن کے' سنا کے رانوں پر ہاتھ مارنا بھی کیا تم نے بامبے میں سیکھا ہے؟"

وہ جھینپ گئی۔ دھیرے سے بولی۔ "سوری سر۔"

ہم برانٹ اسٹیٹ کی ولاز میں داخل ہو رہے تھے۔ ایک جیسی تین ولاز تھیں۔ تینوں پہ بڑا پیسا خرچ کیا گیا تھا۔ باہر ہی سے نظر آ رہا تھا مگر کیونکہ عمارتیں ظاہری طور پر تجارتی مقصد سے بنائی گئی تھیں اس لئے ایک خاص طرح کا محتاط بازاری پن اور چمک دمک زیادہ تھی۔ خود انحد کی ولا یا مونگ لی صاحب کی رہائشی یونٹوں جیسا وقار نہیں تھا۔ ہو بھی کیسے سکتا تھا۔

بلی برانٹ کے حصے میں نہ تو انگریز قوم کا سنجیدہ مزاج آیا تھا نہ برمیوں کی باوقار سادگی۔ ظاہر ہے وہ جوئے کھلانے اور کروڑ پتی اوباشوں کے ساتھ اچھا وقت گزارنے کے لئے بین الاقوامی مزاج کی عورتیں فراہم کرنے کا کاروبار کرتا تھا۔

ہمارے ولا کے سامنے ٹرالی ریل سے اترنے پر فومانچو قسم کے گلا تراشنے والے چینی' کورین' ویت نامی یا تھائی قسم کے گھٹے ہوئے بدن کے غلافی آنکھوں والے خادم چمچماتے سوٹ یا کمر تک کی کٹ جیکٹیں پہنے تیزی سے ولا کے کونوں کھدروں سے جھپٹتے ہوئے نکلے اور کچھ نے اپنے مالک اور اس کی ساتھن کو' کچھ مجھے اور کچھ نے انحد اور اس کی چیتا گرل کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔

تین نوکروں نے تینوں الیکٹرک ٹرالیاں سنبھالیں اور سیکنڈوں میں ولا کی (میرے لیے) نامانوس بھول بھلیوں میں غائب ہونا شروع کر دیا۔ پہلے بلی برانٹ پھر انحد اپنی اپنی ساتھی عورتوں کے ساتھ غائب ہو رہے تھے تو میں نے پکار کر کہا۔ "رکو انحد! ہاں جا رہے ہو؟ یہاں زیادہ وقت مت لگانا کہہ دو بس کھڑے کھڑے آئے ہیں۔ ہمیں گے جانا ہے۔"

کہنے لگا کہ آدھے گھنٹے کی بات ہے دیر نہیں لگے گی۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

میں نے پوچھا۔ "مگر تم الگ ہی الگ کہاں جا رہے ہو؟ اور یہ مجھے کہاں لے جا رہے ہیں؟"

وہ ہنسا اور انگریزی میں کہنے لگا۔ "اگر سب ایک ساتھ ایک ہی جگہ چلیں تو اور بھی اچھا رہے گا۔ بلی برانٹ کو تو خود بھی اس قسم کے کھیل بہت پسند ہیں۔ آئیڈیا برا نہیں ہے۔"

اس کی بات سن کر نیگرو ہنسی۔

میں کچھ نہیں سمجھا۔ میں نے پوچھا۔ "کیسا آئیڈیا؟ اور کھیل کس بات کا؟"

کہنے لگا۔ "او بھائی جی! نہان دھون واسطے لے جا رئے نیں۔"

میں اب بھی نہ سمجھا میں نے کہا۔ "او بندے خدا کے۔ یہ جلوس کی شکل میں نہانے دھونے کا کیا سلسلہ ہے؟ مجھے اگر فریش ہونا ہوگا تو میں خود ہی جا کر منہ ہاتھ دھولوں گا یا نہالوں گا۔"

انحد اور اس کی بلیک چیتا گرل اور انہیں لے جانے والے سوٹ پہنے فومانچو لوگ ہال میں رکے کھڑے تھے۔ چیتا گرل کو کسی قسم کی بے چینی تھی وہ ہم دونوں کو اپنی دیسی زبان میں باتیں کرتے دیکھ رہی تھی۔ سمجھتی کچھ نہیں تو شاید یہی اس کی بے چینی کی وجہ ہوگی۔

انحد سنگھ نے اب کے انگریزی میں کہا تو امریکن چیتا گرل سمجھی اور اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کے بے آواز ہنسا اور وہیں کھڑے کھڑے لہرانا شروع کر دیا۔

ان حد نے بات ہی اتنی بے ڈھب کہی تھی۔ بولا "برانٹ ٹوورز کو سیاحوں کے حلقوں میں اپ سائڈ ڈاؤن ٹورسٹ سروس کہا جاتا ہے۔ یعنی اوندھی ٹورسٹ سروس۔ اگر آپ مرد ہیں تو اپنی میزبانوں کو جو آپ کے ساتھ کورٹس میں کوئی گیم کھیل رہی ہوتی ہیں اور اب شام گہری ہونے پر تھک چکی ہوتی ہیں برانٹ ٹوورز کی روایت کے مطابق پرسنل سروس یعنی ذاتی خدمت دینی ہوتی ہے۔ آپ کو ان کی مشاطگی کرنی ہوتی ہے۔ یعنی تلاش اور غسل وغیرہ سب۔ اس سلسلے میں آپ کو لیڈی یا جینٹ مددگار مہیا کیا جاتا ہے تو آپ تینوں کو ایک الگ تھلگ تمام ایریا میں چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یہ آدھے گھنٹے کا سیشن ہوتا ہے اور اگر آپ عورت ہیں تو ....."

میں نے چڑ کر کہا۔ "بکواس بند کرو اور اس چیتے کی کمر سے ہاتھ نکال کر فوراً بلی برانٹ کے پاس چلو۔"

وہ بولا۔ "بلی سے اب آدھے گھنٹے بعد ہی ملاقات ہوگی۔ وہ شہزادی کنتی کویم بنور اور وہ مددگار مشاطاؤں کے ساتھ ذاتی خدمت کے حمام میں داخل ہو چکا ہوگا۔"

میں طرارے میں آگیا۔ انحد سے چیخ کر کہا۔ "اس سالے بلی برانٹ کی ایسی تیسی پہ تم مجھے کس دلال خانے میں لے آئے ہو؟ کہاں ہے وہ؟ اور اگر وہ کہیں غارت ہو چکا تو تم ابھی اسی وقت جیپیں منگاؤ اور نکلو یہاں سے۔"

میں یہودن سے ہاتھ چھڑا کر اندر جھپٹنا چاہتا تھا مگر انحد کی میزبان امریکن حبشن اور میری والی یہودن نے ہنسی پر قابو پاتے ہوئے بتایا کہ سردار تمہاری ٹانگ کھینچ رہا ہے نہ کوئی مشاطگی سیشن ہے نہ حمام ہے سب ہربل ٹی یعنی جوشاندے جیسی کوئی مفید خوش بودار چائے قہوہ وغیرہ پینے جا رہے ہیں۔ یہ چائے بلی خود بناتا ہے اس لئے تیزی سے آگے آگے نکل گیا ہے۔

امریکی چیتے نے بتایا کہ تمہیں ماننے کو "ان ہیڈ سنگھ" نے خود میرا ہاتھ پکڑ کر تیز تیز چلنا شروع کر دیا تھا۔ ہم بھاگ رہے تھے تو ہمارے اور پھر تمہارے خدمت گاروں نے رش کیا تھا وہ سمجھے خبر نہیں انحد صاحب کو کس بات کی جلدی ہے۔

انحد سنگھ اس تمام وضاحت کے دوران گھٹنوں پر ہاتھ مار مار کے ہنستا رہا اور اٹھک بیٹھک جیسی لگاتا رہا۔

یہ بچوں کی سطح کا کھیل تماشا کرتے ہوئے وہ اتنا خوش تھا ایسے ہنس رہا تھا کہ اس کی آنکھوں سے باقاعدہ آنسو بہنے لگے تھے۔ چیتے نے میرے پاس آکر میری پیٹھ تھپکی۔ "کھان! مجھے یقین ہے تمہارا دوست تم سے پیار کرتا ہے اور تمہیں ہر وقت ہنستے دیکھنا چاہتا ہے اس لئے ....."

اس چونچال آدمی کی شرارتیں ایسی تھیں کہ تھوڑی دیر کو تو خفا ہوا جا سکتا تھا لیکن زیادہ دیر تک کسی کا بھی خفا رہنا ممکن نہیں تھا۔

ہم ملی برانٹ کے جوشاندہ روم میں پہنچے تو وہاں ہربل ٹی یا جو بھی اس کا تماشا تھا وہ اس کی تیاری کر چکا تھا اور ہم دونوں کا منتظر تھا۔

میں نے کسی تمہید کے بغیر اپنی بات شروع کر دی اور مختصر طور پر اغوا شدہ لڑکیوں پر رشنا اور روکسانہ کا غائبانہ تعارف کرانے کے بعد جسگمے کے بیٹے رامل سے اپنی آخری کشمکش کا حوالہ دے کر (مگر بڑے میاں کے مائنگ یان کالج یا رنگون کی جیل کا کوئی تذکرہ کیے بغیر) بلی برانٹ سے درخواست کی کہ وہ اپنے آدمیوں سے بس اتنا معلوم کرا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

لے کہ اس اس حلئے نشان کی اسٹیشن ویگن کیا برانٹ علاقے سے نکلی ہے؟

فون پر سرسری سا ذکر کرتے ہوئے ایلس پائن وڈ نے برانٹ کو اشارہ دیا تھا کہ ہم دونوں آرہے ہیں کیونکہ ہماری دو دوستوں کو اغوا کرلیا گیا ہے۔

برانٹ نے سب کچھ سن کے کہا کہ کھان تم نے اس علاقے کے سب سے دلیر اور لائق آدمی ان حد سنگھ کو ساتھ لے کر یہ مہم سر کرنیکا ارادہ کیا ہے اور یہی سب سے بڑی عقل مندی کی ہے۔ دوسری عقل مندی میرے دوست انحد نے یہ کی ہے کہ جو بہر حال اسے کرنی تھی کہ وہ تمہیں لے کر یہاں آگیا ہے۔ میں ایک لٹھ اور مشکل کاروبار یعنی جوئے بازی میں ہاتھ ڈالے ہوئے ہوں اور یہ کاروبار مہارت کے ساتھ چلانے کی لیاقت اور ورک فورس یعنی کارندوں کی فوج رکھتا ہوں۔ اس طرح کے کتنے ہی کھیل میرے ساتھ کھیلے گئے ہیں اور میں نے وقت پڑنے پر دوسروں کے ساتھ ایسے بے شمار کھیل کھیلے ہیں۔

اپنی اس لمبی تقریر کے بعد وہ بولا کہ میں تین نہایت ماہر آدمیوں کو چائے پیتے ہی اس کیس پر لگا دیتا ہوں۔ وہ تینوں کام کی تفصیل جان کر اسے سرانجام دینے نکل پڑیں گے اور ہر چند گھنٹے بعد وائرلیس سے یہاں ولا میں میرے منیجر کو مطلع کرتے رہیں گے۔ میرا منیجر تینوں کی رپورٹوں سے ایک تصویر کے اجزا جوڑتا رہے گا۔ جب کچھ صاف نظر آنے لگا یا مجموعی صورت حال بن کر سامنے آجائے گی تو ایک منٹ ضائع کیے بغیر وہ مجھے اطلاع کر دے گا۔ میرے سارے کام اسی طرح ہوتے ہیں۔

اس تمام عرصے میں کہ میرے کارندے ٹکڑے ٹکڑے جمع کر کے تصویر بنا رہے ہوں گے ہم ایک اچھے "عیاش" گروپ کی طرح (یا اگر عیاش لفظ تمہیں برا لگتا ہے تو ایک زندگی سے فیض اٹھانے والے گروپ کی طرح) ہم تینوں اپنی "ساتھنوں" کی رفاقت میں نفیس خوراک' اعلیٰ مشروب' بہترین استراحتوں کے مزے لوٹتے رہیں گے۔

"ار اب ؟" وہ کہنے لگا۔ "اب میرے معزز مہمانو اور دوستو! میں آپ کی پیالیوں میں اپنی ایجاد کی ہوئی ہربل چائے نکال رہا ہوں فکر سے آزاد ہو کر چائے پیجئے اور مجھے اچھے ناموں سے یاد کیجئے۔"

یہ آدمی بلی برانٹ چاہے کیسا بھی عیاش' مے خوار اور دلال قسم کا ہو مجھے اس وقت اس کا بہت لیاقت کے ساتھ تمام چیزوں کو سمجھنا اور تسلی دینا اچھا لگا۔ یہ ہمدرد آدمی لگتا تھا۔

برے سے برے آدمی سے بھی قدرت کوئی نہ کوئی اچھا کام لے لیتی ہے۔

میں نے سوچا۔ میں اس کی ذاتی زندگی یا اس کے ذرائع آمدنی پر فیصلے دینے کا کیا حق رکھتا ہوں۔ مجھ سے تو میرے اپنے اعمال کی پوچھ گچھ ہو گی تو اس کی ایسی تواضع کو مجھے قبول کرلینا چاہئے جو میرے زندگی کے خاص طرز سے نہ ٹکرا رہی ہو اور حرام اور حلال کی صاف حد بندی کو نہ توڑے۔ انحد سنگھ مجھے پہلے ہی بتا چکا تھا کہ تمہارے آنے کا سن کے بلی برانٹ نے بھی مسلمانوں کے لئے ناپسندیدہ غذاؤں اور حرام چیزوں سے احتیاط شروع کر دی ہو گی جس طرح وہ میری موجودگی میں خود تمباکو نہیں پیئے گا اور اپنے تمباکو کو پیتے مہمانوں سے مجھے دور رکھے گا اس طرح نامناسب غذاؤں اور مشروبات کو ہمارے تمہارے کھانے کی چیزوں سے دور رکھے گا۔

انحد بولا۔ "بس یہ ہے کہ ہم دو وئیں بندے تے ہماری چڑیاں اپنے گلاس شلاس لے کے تمہارے سامنے بیٹھے رہن گے ..... تمہاری مرجی ہے ایک آدھ گھٹ (گھونٹ) ہمارے گلاسوں سے لے لو ..... مرجی ہے بھاویں ناں لو۔"

انحد اپنی شرارتوں اور فقرے بازیوں سے باز نہیں آسکتا تھا۔

بلی برانٹ کی جڑی بوٹیوں والی چائے واقعی بہت لطیف خوش بودار اور فرحت بخش تھی۔ یہ الگ بات تھی کہ وہ چائے پیتا پلاتا ہوا اس کے ان اوصاف پر زیادہ تقریر کر رہا تھا جو اوصاف انحد سنگھ کو اور خود بلی برانٹ کو لبھاتے ہوں گے۔ مطلب اسے یقین تھا کہ ایک خاص طرح کی قوت اور جوش و خروش میں اضافہ کرنے میں اس کی یہ جڑی بوٹیوں والی چائے بے مثال ہے۔

مجھے ان حد سنگھ کی وہ ٹرکی پولٹری یاد آگئی جسے وہ بادام چگنے والی قوت بخش ٹرکی بنا کر بلی کو تحفے میں بھیجتا رہا تھا۔ دونوں ہی ایک استاد تھے۔

چائے کے کمرے سے ہم تینوں مرد نکل کر بلی کے آفس میں پہنچے۔ لڑکیاں اپنا میک اپ سنبھالنے لباس تبدیل کرنے چلی گئیں۔

بلی کے تین کارندے اور چوتھا منیجر آفس میں ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ بلی برانٹ نے مختصراً اغوا کی واردات کے بارے میں بتایا۔ اغوا ہونے والی لڑکیوں کا حلیہ نام وغیرہ اور اسٹیشن ویگن کی تفصیل بتا کر برانٹ نے اس روٹ کی تفصیل بیان کر دی کہ جس پر فراریوں کے نکل آنے کا امکان تھا اور شہادتیں ملتی آرہی تھیں۔ برانٹ نے وہ شہادتیں اور اشارے' ثبوت اور نشان بھی بیان کر دیے جو انحد کی نمبر اسٹیٹ کے بعد سے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہمیں ملتے آئے تھے اور جن کا پیچھا کرتے ہوئے ہم یہاں پہنچے تھے۔

منیجر ایک پیڈ پنسل سنبھالے شارٹ ہینڈ میں نوٹس لیتا گیا۔ تینوں تھائی 'ویت نامی یا برمی چینی کارندے جو بھی تھے اپنی غلافی آنکھیں جیسے غنودگی کے عالم میں کھولے خاموشی سے پوری باتیں سنتے اور کبھی کبھی اثبات میں سر ہلاتے رہے۔ انہوں نے آخر میں کھڑے ہو کر تعظیم میں سر جھکائے اور ایڑیاں بجا کر مالک کو سلام کرتے ہوئے باہر چلے گئے۔ وہ تینوں ہی اتنے پراسرار اور خطرناک دکھائی دیتے کارندے تھے کہ میں یا کوئی امن پسند آدمی دن کے وقت بھی تنہا گلی میں ان جیسے استرے سے گلا کاٹ دینے والے گرگوں کے ساتھ بے خوف ہو کر نہیں نکل سکتا تھا۔ منیجر ذرا مہذب دکھائی دیتا تھا۔ اس نے مجھ سے دو تین سوالات کیے جو میرے دشمنوں قبائلی راحل جسکھیے اور مشرقی پاکستان کے سلسیل چوہدری اور اس کے خبیث بھتیجے بازلر کے بارے میں تھے۔

کارندوں اور منیجر کے جانے کے بعد بلی برانٹ مسکراتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا اور ایک ایک ہاتھ پکڑ کر مجھے اور انحد سنگھ کو اپنے آفس سے تقریباً کھینچتا ہوا اپنے "وہسکی لاؤنج" میں لے آیا۔

اس کی تینوں میزبانیں کھیل کا لباس بدل کر مشروب کے لباس میں آ گئی تھیں جو ٹینس کی ٹی شرٹس اور شارٹس (مطلب نیکروں) سے کہیں زیادہ ہلکا اور کھلا تھا۔ "وہسکی لاؤنج" اگر موسم سے بچاؤ کے لئے ائرکنڈیشننگ سے محفوظ نہ کر دیا گیا ہوتا تو تینوں بے بیاں اتنی ڈھکی کھلی تھیں کہ چند ہی منٹ میں نمونیے کا شکار ہو سکتی تھیں مگر "وہسکی لاؤنج" اپنے نام کی طرح گرم تھا اور تینوں لڑکیوں کے ہاتھوں میں لیکوڈ فائر یعنی سیال آگ کے گلاس تھے۔ انحد اور بلی برانٹ کے گلاس اور میرے لئے پھلوں کے جوس کے ٹن نلکیاں لگے میز پر ایک قطار سے رکھے تھے۔

میری میزبان رے بے کا یہودن بیروت والی نے میرے لئے پھلوں کا رس گلاس میں انڈیلتے ہوئے کچھ اس طرح کا شعر پڑھا کہ ہائے کم بخت تو نے پی ہی نہیں۔ میں نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔ "ہاں نیک بخت! میں نے نہیں پی۔" تو انحد سنگھ نے اسے آنکھیں دکھائیں کہنے لگا۔ "او بی بی بیروت والی۔ میرا یار کھان صاحب اپنی مرجی کا مالک ہے۔ اسے برغلانے کی کوئی جرورت نہیں ہے۔ اور میم صاحب! تسیں گلاں وی نہیں کڈو میرے یار کو کم بخت بولنے دی وی کوئی جرورت نہیں ہے۔"

انحد سنگھ نے پہلے دو تین گھونٹوں کے بعد ہی سے خود کو نشے میں ظاہر کرنا

شروع کر دیا تھا۔

بلی برانٹ کا یہ "وہسکی لاؤنج" کچھ اس طرح فرنیچر سے آراستہ کیا گیا تھا اور جا بہ جا ایسے طریقے سے اخروٹ کی لکڑی کے کشمیری کام کے نقشین اسکرین کھڑے کیے گئے تھے کہ جب تک مہمانوں کا جی چاہے مرکزی بار اور میزوں پر جمے بیٹھے رہیں اور دوسرے دوستوں اور جوڑوں کی طاقت کا لطف اٹھائیں اور جب جی چاہے اپنے پارٹنر کے ساتھ راز و نیاز کریں۔ اسکرین کی سہولت اور بغلی صوفوں کا انتظام اسی غرض سے کیا گیا تھا۔

ہمارا میزبان کچھ دیر تک مرکزی ایریا میں بیٹھا پیتا پلاتا رہا اور شراب سے انحد سنگھ اور پھلوں کے تازہ رس سے میری تواضع کرتا رہا پھر اس کی پارٹنر شہزادی کنتی آف کوئم بٹور کی ذات میں اس کی دلچسپی بڑھنے لگی تو وہ ایک بوتل' دو گلاس اور کنتی جی کو لے کے کشمیری کام کے ایک اسکرین کے پیچھے صوفوں پر چلا گیا اور وہیں سے آواز دے دے کے انحد کو اور مجھے اپنے اپنے مشروب پر توجہ کرنے کی تائید بھی کرتا رہا اور مصروف بھی رہا۔

میری ساتھی عورت انحد سنگھ کے بے ضرر فقرے کا جس میں اس نے مجھے ورغلانے سے اسے روکا تھا کچھ برا مان گئی تھی۔ اور اپنا گلاس لیے گم صم سی بیٹھی تھی۔

انحد سنگھ پر ابھی چڑھنا شروع نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے اسے یہودن رے بے کا اداس اور الگ تھلگ ہونا فوراً سمجھ میں آ گیا۔ کہنے لگا۔ "بی بی بیروت والی! اگر میری بات کا برا منایا ہے تو نے تو میں معافی چاہتا۔ جے اگر برا نہیں منایا تے فیر میرے دوست کھان صاحب کو کلا (اکیلا) نہیں چھڈ۔ کھان ہوری سے باتیں کر کٹ کٹ کے۔"

رے بے کا نے کہا۔ "نہیں نہیں۔ میں اپنے کسی معزز مہمان کی کسی بھی بات کا کیوں برا مناؤں گی۔ میں ٹھیک ہوں اور لیجئے ایک شعر سناتی ہوں جو سردار جی! آپ کو بھی پسند آئے گا۔"

انحد سنگھ بولا۔ "بی بی تو شعر نہیں سنا۔ مجھے تو اکوئی شیر پسند ہے اور سمجھ آتا ہے' اپنا شیر کھان اور تو ادھر میرے اور کھان صاحب کے بیچ آ کے بیٹھ۔"

رے بے کا میرے اس رخ سے اٹھی اور دوسرے رخ آ بیٹھی جہاں وہ انحد کے بھی قریب تھی۔

انحد نے ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ تھام لیا اور بولا۔ "بڑی مہربانی تیری بی بی جو تو

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

نے برا نہیں منایا اور میرے دوست کو برغلانے سے بھی ہاتھ اٹھالیا۔ مجھے یاد ہے ایک تیرے جیسے معشوق نے مجھے برغلانے کی کوشت (کوشش) کی تھی۔ مدھوری نام تھا کافر کا اور یہ بات شیر پونے کی ہے۔ تو کبھی پونے گئی ہے۔ آں بیروت بی بی؟ پونے شہر بامبے کے نیڑھے مطلب نجدیک ہی ہے۔ میرا کافر معشوق ادھر جنانیوں کا باڈی بلڈنگ کلب کھولے بیٹھی تھی۔ تو خیر جی اب آگے کی سنو.....“

انحد ابھی اپنی مدھوری بے بی کے لیڈیز باڈی بلڈنگ کلب کے تجربے کو بیان کرنے کے لئے اسٹارٹ ہی لے رہا تھا کہ اس کی ساتھن نیگرو بلیک چیتے نے بڑھ کر خود کو اس کے منہ پر رکھ دیا۔ مطلب ایسا کچھ کر دیا کہ انحد سنگھ اپنی بات بڑھانے کے لئے اپنے ہونٹ بھی نہیں کھول سکتا تھا۔

رے بے کانے دھیرے سے کہا۔ ”بہت اچھا کیا کیرن نے (یہ امریکی سیاہ چیتے کا نام تھا۔) بہت اچھا کیا۔ کیونکہ یہ لیڈیز باڈی بلڈنگ کلب ہم لڑکیوں کے لئے کوئی خاص دلچسپ موضوع نہیں ہے۔ ہمیں کیا ..... اگر پونے میں تھا تو ..... کہیں اور تھا تو ہمیں کیا۔“

انحد کی بات بیچ سے کاٹ دی گئی تھی مگر اسے بات کے ادھورے رہ جانے کی اب کوئی فکر نہیں تھی۔ اسے امریکی بلیک چیتے نے ایک دم مصروف کر دیا تھا۔ رے بے کا بیروت والی نے میری وابستگی کے لئے نزدیک آنا چاہا تو میں نے کہا کہ بی بی تم اپنی ڈیوٹی پر رہو، مگر مجھے تم سے کچھ نہیں چاہیے۔ میزبانی کی ایک ہی صورت ہے کہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔

عورت سمجھ دار تھی۔ میرے اور انحد کے بیچ بیٹھی رہی۔ وہ اب شعر بھی نہیں سنا رہی تھی۔ بات بھی کم کم کر رہی تھی۔ کبھی جب کشمیری کام کے اسکرین کے پیچھے سے بلی برانٹ یاد دلاتا کہ بھئی میرے مہمانوں کا خیال رکھنا تو رے بے کا بی بی ہاتھ بڑھا کر میرا ہاتھ تھام لیتی یا انگلیوں سے کھیلنے لگتی۔

میں اپنی ہی الجھنوں میں تھا۔ ابھی ہم نے لاؤنج میں آدھے پون گھنٹے ہی وقت گزارا تھا کہ لاؤنج کا خادم اپنے مالک کی طرف ٹیلی فون لے کر پہنچا کیونکہ منیجر ہمارے ”کیس“ کے بارے میں کوئی اطلاع دینا چاہتا تھا۔

پانچ ہی منٹ کے بعد بلی اور اس کی پرنس کنتی اسکرین کی سیٹ چھوڑ کر ہمارے پاس آ بیٹھے۔ منیجر نے خبر دی تھی کہ کوئی اسٹیشن ویگن بلی برانٹ اسٹیٹ کے

سامنے ہائی وے سے یا بغلی راستوں سے نہیں گزری۔

میں نے کہا۔ اس کا مطلب ہے وہ لوگ برانٹ اسٹیٹ اور میجر چارلس پائن وڈ کی ٹمبر جائدادوں کے درمیان سرکاری جنگل میں کہیں چھپے ہوئے ہیں۔ ویسے تو یہ سینکڑوں مربع میل کا علاقہ تھا اور ہم جیسے لوگ اپنے وسائل سے تلاش کرتے تو اسٹیشن ویگن کے لئے قابل گزر راستوں پر ڈھونڈتے ڈھونڈتے دو دن بھی لگ سکتے تھے۔

بلی نے کہا۔ ”میں سمجھتا ہوں میرے تینوں آدمی ہشیار ہیں وہ جنگل میں گاڑی کو تلاش کرنے کے بجائے گاڑی کے اس طرف نکلنے کی شہادتوں یعنی ان اطلاعات کو چیک کریں گے جو سیکورٹی والے سے ملی ہیں۔ یہ کام رات میں بہ خوبی ہو سکتا ہے پھر اگر جنگل میں تلاش کرنے کی ضرورت ہوئی تو کل دن کا وقت مناسب رہے گا۔“

ہم تینوں کے مشورے کے بعد وہیں وہسکی لاؤنج سے منیجر کو ہدایات مل گئیں اور اس نے وائرلیس پر تینوں کارندوں سے اطلاعات چیک کرنے کو کہہ دیا۔

تینوں آدمی ”وہسکی لاؤنج“ سے اٹھ کر کھانے کی میز تک آئے تو ہم میں سے ہر ایک مفرور گاڑی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ حد یہ ہے کہ برانٹ تک جس نے وہسکی لاؤنج میں اور یہی مصروفیت میں وقت گزارا تھا۔ فکر مند تھا۔ پرنس کنتی نے اس نشے اور مستی میں لہراتے ہوئے اپنے باس کے بازو پر جھول جانا چاہا تو اس نے اسے اشارے سے اپنے قدموں پر چلنے کو کہا۔ وہ پیشانی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کچھ سوچ رہا تھا۔ پھر کھانے کی میز پر آنے سے پہلے اس نے ایک جیکٹ پر کچھ لکھ کر ملازم کے ہاتھ منیجر کو ایک ہدایت بھیجی۔ لگتا تھا انتظامات کی طرف سے اب وہ کچھ مطمئن ہو گیا ہے۔

کھانا بہت پر تکلف اور مچھلی جھینگے کے سوا سارا کا سارا ویجی ٹیرین یعنی سبزیوں اور دودھ پنیر وغیرہ سے تیار کیا ہوا تھا۔ بلی اسٹیٹ کا چکن اور مٹن بیف وغیرہ حلال نہیں تھا اس لئے برانٹ نے ہمارے آنے کی خبر سنتے ہی خاص اہتمام کر لیا تھا۔ کسی ونا سپتی گھی کی جگہ خالص مکھن یا سادہ تیل استعمال کیا گیا تھا۔ پھل اور کچی ابلی ہوئی تلی ہوئی بعض سبزیوں سے ہمارے برمی ہمسایوں نے اعلیٰ درجے کی ڈشیں تیار کی تھیں۔

ہم کھانے سے فارغ ہوئے ہی تھے اور پستہ کاجو کتر رہے تھے کہ بلی کے منیجر نے خود آنے کی اجازت طلب کی۔ اسے بلا لیا گیا تو معذرت کرتا ہوا کہنے لگا کہ میں نے کھانے میں ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا لیکن اطلاع دس منٹ پہلے مل گئی تھی کہ ہمارے ایجنٹوں نے ابھی ابھی پائن وڈ جائداد کے اس برمی ملازم سے جو دور دراز پوسٹ پر

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سیکورٹی ڈیوٹی دے رہا تھا رابطہ کیا ہے۔ اس نے پہلے کہا تھا کہ پائن وڈ اسٹیٹ سے ایسی ایسی اسٹیشن ویگن کے گزرنے کا اسے شبہ ہوا تھا۔ اب اسے یہ پکا یقین ہو گیا ہے کہ گزرنے والی گاڑی اسٹیشن ویگن نہیں تھی اور اگر ویگن ہی تھی تو اس کا حلیہ قطعاً وہ نہیں تھا جو مفرور گاڑی کا بتایا گیا ہے۔

وہ جو کہتے ہیں نا تو گیند اب زوبر میاں سلہٹی کے کورٹ میں تھی۔

ہربل ٹی یعنی جڑی بوٹیوں کی چائے پینے سے لے کر اب تک برانٹ کے تیز رفتار لائق کارندوں نے ہماری تحقیقات کو میلوں پیچھے جنگل میں بنے زوبر میاں کے جنگل ریسٹ ہاؤس میں واپس پہنچا دیا تھا۔

مجھے پائن وڈ کے اس ایک آدمی کی وجہ سے اتنے گھنٹے ضائع ہونے کا قلق ہو رہا تھا مگر کوئی کیا کر سکتا ہے۔ ہم نے اس آدمی کے شک پر اتنا یقین کیوں کیا تھا۔ غلطی ہماری تھی۔

کھانا کھا کر اٹھے تو ہمارے میزبان کا موڈ پھر کچھ ہلکا پھلکا ہو رہا تھا۔ پوچھنے لگا تین چار تفریحی پروگرام چل رہے ہیں۔ برابر کی برانٹ ولا میں میزبان جوا کھیل رہے ہیں تو اگر انحد اور کھان کا جی چاہے تو چل کر جوا کھیلتے ہیں۔ مالکوں کے خاص مہمانوں کو دوسرے گاہکوں سے (جو عام مہمان کہلاتے تھے۔) ممتاز رکھنے کی کوئی کوشش نہیں کی جاتی تھی۔ خاص مہمانوں کو بھی جوا کھیلنے کے لئے پلاسٹک کے چپس مطلب ٹکلیاں دی جاتی تھیں اور وہ ہال میں سب کے ساتھ ہارتے جیتتے تھے۔ فرق یہ تھا کہ خاص مہمانوں کو یہ ٹکلیاں مالک کے اکاؤنٹ میں دی جاتی تھیں یعنی انہیں ان کے بدلے میں نقد رقم نہیں دینی ہوتی تھی پھر ہار گئے تو ہار گئے۔ جیتی ہوئی ٹکلیوں کے بدلے بھی رقم کا لین دین نہیں ہوتا تھا۔ ہار کی طرح وہ جیت بھی مالک کے حساب میں ہوتی تھی۔

میں نے انحد اور بلی سے معذرت کر لی کہ میں ان کے ساتھ اس تفریح میں شریک نہیں ہو سکتا۔

انحد کو جوئے سے بڑی دلچسپی تھی وہ اور برانٹ کھیلنے جانے لگے تو میزبان برانٹ نے کہا تم چاہو تو رے بے کا کے ساتھ جا کر کیسرے دیکھو یا اسپیشل فلم شو ہو رہے ہیں تو یہ تمہیں وہاں لے جائے گی۔

میں نے پوچھا کیسی فلمیں، تو بلی برانٹ نے بولا۔ "جرمن زبان کی بعض بہت اچھی اور تیز فلمیں ہیں۔" میں نے کہا۔ "مجھے جرمن زبان نہیں آتی۔"

رے بے کا ہنسی، بولی۔ "اس میں مکالمے سننے سمجھنے کا کچھ بھی نہیں، جو کچھ ہے آنکھوں سے دیکھنے کا ہے، تو آؤ ہم تم دیکھتے رہیں گے۔"

میں سمجھ گیا وہ کس طرح کی فلموں کی بات کر رہا تھا۔ میں نے معذرت کر لی، کہا۔ "میں جلد سونا چاہتا ہوں۔"

رے بے کا بیروت والی نے خوش ہو کر کہا۔ "تو آؤ۔"

میں نے بلی برانٹ سے کہا۔ "اس تمام تواضع کا شکریہ مگر میں فوری طور پر تنہا ایک دم تنہا اس کمرے میں چلا جانا پسند کروں گا جو میرے متواضع میزبان نے میرے آرام کے لئے پسند کیا ہے۔"

بلی نے رے بے کا کو آنکھ کا اشارہ کیا وہ بڑھی اور نہ معلوم کیوں میری پیشانی چوم کر مجھے شب بہ خیر کہتی رخصت ہو گئی۔ بلی نے ایک تجربے کار خادم کو اشارہ کیا وہ مجھے بہت احترام سے میرا کمرہ دکھانے چل پڑا۔

انحد نے شرافت سے چیتے کی کمر تھپتھپا کر کہا۔ "کھان! توں سو جا آرام طلب تے ناقدرا بندہ ہے توں۔ اسی شکر گزار بندے نیں۔ کج ٹائم ریاضت وچ گزاراں گے۔ نعمتاں دی ناقدری نہیں ناں کرنی چاہئے دی اے۔"

بلی برانٹ کی پرائیویٹ ولا کے یہ مہمان داری والے کمرے کسی بھی پانچ ستارہ ہوٹل کی طرح آرام دہ اور پر آسائش سامان اور سہولتوں سے لیس تھے۔

مگر میں کوئی دو گھنٹے تک پڑا جاگتا رہا اور کاکسیز بازار سے شروع ہونے والی اس سازش کے تانے بانے پر غور کرتا رہا جو بہ ظاہر سادہ اور یک رخی سے لگتی تھی مگر جس کے جال کسی ہزارپا عفریت کی طرح پھیلے ہوئے لگ رہے تھے۔ بنگالی بدمعاش بازلر کے ساتھ جگمگے قبائلی کا بیٹا رامل روز اول سے شریک تھا اور اب اس رامل کے واسطے سے یہاں برما میں نہ معلوم کتنے اور کیسے کیسے، جرائم پیشہ لوگ شامل ہو گئے تھے۔ اگر اس شخص بلی برانٹ کے کارندوں پر بھروسا کیا جا سکتا ہے اور کوئی وجہ نہیں ہے کہ بھروسا نہ کیا جائے، تو ہم جو تیز قدم اور بے عقل بن کر چل پڑے تھے اب زوبر میاں کے آس پاس پھیلی ٹمبر جائدادوں یا سرکاری ذخیروں میں اس رشنا کو ڈھونڈنے نکلیں گے جس کی وجہ سے بے چاری روکسانہ بھی پھنسی ہوئی ہے۔

میں رشنا کے بارے میں سوچتا ہوا سو گیا۔ میں نے خواب میں اسے دیکھا۔ کبھی سانپ کی جون میں کبھی انسان کی، وہ میرے ساتھ، کبھی جنگل کے شیر کے ساتھ، کبھی

شیر علی بخش کے ساتھ' جنگلی راستے طے کرتی دکھائی دی۔

ایک بار میں نے یہ خواب دیکھا کہ وہ فائیو اسٹار ہوٹل جیسے کمرے میں میرے بیڈ پر بیٹھی ہے۔ ٹیلی فون کی گھنٹی بجتی ہے اور رشنا فون اٹھاتی ہے مگر سن رہی ہے اور گھنٹی بجے جارہی ہے۔ وہ بات بھی کررہی ہے اور گھنٹی بج رہی ہے۔

میں چونک کے اٹھ بیٹھا۔ بستر کے برابر رکھا فون بجے جارہا تھا۔

کسی نے امریکی لہجے میں کہا کہ لیجئے یہ آپ کا دوست آپ سے بات کرے گا پھر وہی لڑکی' کسی اور کو زور زور سے پکارتے ہوئے فون کے پاس آنے کو کہنے لگی۔ زور دار آواز سے دروازہ کھلا اور تیز فوارے سے پانی برسنے کی آوازیں آنی لگیں۔ کوئی بہت پرجوش انداز میں گنگنا رہا تھا۔ بنو دا۔ بنو دا لک چن ورگا ..... اوبنو دا .....

"ظاہر ہے یہ انحد سنگھ تھا۔ ابھی شاور لے رہا تھا۔

اس کی ساتھی امریکی چیتے نے "پکے۔ ہے کھم آ آ آن!" کرکے اسے پھر بلایا' تو شاور بند ہوا اور سوں سوں کرتا انحد فون کے پاس آتا سنائی دیا۔ امریکی چیتے نے اسے سرزنش کی کہ وہ کچھ اوپر لے کے کیوں نہیں آیا۔ سردی کھا جائے گا۔ انحد نے چیتے کی مدد سے کوئی علاج کرلینے کا ارادہ ظاہر کیا اور ایک فضول سی بات کہی اور گھوڑے کی طرح ہنہناتا ہوا بولا۔ "ہے لو۔ شیر کھان! اٹھ میرے یار شاور لے لے تو بھی۔ اسیں دس منٹ وچ بریک فاسٹ کرن والے آں۔"

مجھے حیرت ہوئی صبح کے تین بجے ہیں اس وقت کیسا ناشتا؟

کہنے لگا کہ کوئی خبر سنانے والا ہے بلی برانٹ۔ اس نے تھوڑی دیر پہلے ہی فون کرکے انحد سنگھ کو اٹھایا ہے۔

انحد نے فون رکھا تو میں نیند میں بھرا لڑکھڑاتا ہوا شاور میں داخل ہوگیا۔ حیرت کی بات تھی جو دونوں بندے رات میں دیر تک مے نوشی اور دوسرے مشاغل میں رہے وہ تو پوری طرح بیدار تھے اور میں نیند میں ایسا دھت ہو رہا تھا کہ کیا کوئی مے خوار ہوگا۔

دس منٹ بعد ہم کھانے کی میز پر تھے۔ بلی برانٹ اور انحد' برانٹ کا منیجر اور میں۔

زبردست کافی اور ہلکے ناشتے پر برانٹ کے منیجر نے بتایا کہ ہمارے تینوں ایجنٹ اس وقت زوبر میاں سہلٹی کے مزدوروں کی میس میں ہیں۔ اس شیڈ میں ان کے ساتھ وہ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

دو ہندو باپ بیٹے ہیں جنہوں نے زوبر کے جنگلی ریسٹ ہاؤس کی طرف جانے والے کچے پہاڑی راستے پر فرار ہوتی اسٹیشن ویگن دیکھی تھی اور یہ کہا تھا کہ ویگن میں کوئی فیملی تھی۔

مجھے فوراً وہ مضبوط اور واضح شہادت یاد آگئی جس سے طے ہوگیا تھا کہ اغوا کرنے والے زوبر اسٹیٹ سے آگے پائن وڈ والوں کی طرف گئے ہیں۔

مجھے جنگلی ریسٹ ہاؤس میں کسی کے رکنے اور چائے بناکر پینے کی کافی شہادتیں بھی یاد آئیں۔

بلی کے منیجر نے کہا۔ "سر! وہ دونوں بدمعاش باپ بیٹا ایک دم جھوٹے سو فیصد فراڈ ہیں۔ ہمارے ایجنٹوں نے تھوڑی دیر میں ان سے سب کچھ اگلوالیا ہے۔ ریسٹ ہاؤس میں آگ جلا کے خود انہوں نے ہی چائے بنائی تھی اور جھوٹے اشارے چھوڑے تھے۔"

بلی برانٹ نے میری طرف گھور کے دیکھا۔ "آپ کو مونگ لی اسٹیٹ سے آگے اور آگے بھیجنے' بھٹکانے کے لئے ان فراڈ باپ بیٹوں کو تیار کیا گیا تھا' جتنی دیر میں ہم ناشتا کرکے زوبر میاں کی اسٹیٹ میں جاکر باپ بیٹے کو شرف ملاقات بخشیں گے اتنی دیر میں میرے تینوں کارندے اپنی مشقت اور ترکیبوں سے انہیں اور بھی تیار اور نرم کرچکے ہوں گے۔ ہمیں امید ہے کہ آج کا سورج نکلنے سے پہلے اس راز پر سے پردہ اٹھ جائے گا کہ وہ لوگ جنہوں نے تمہیں غلط راستے پر ڈالنے کے لئے اتنی محنت کی اور پیسہ خرچ کیا۔ آخر خود کہاں ہیں۔"

بلی برانٹ کا اپنے کارندوں کی لیاقت پر فخر اور اعتماد غلط نہیں تھا۔ وہ واقعی بڑے ٹف اور بلاشبہ تیز کام کرنے والے ایجنٹ تھے۔

آدھے گھنٹے میں ناشتے سے فارغ ہوکے ہم بلی برانٹ کی تین ولاؤں کے پیچھے بنے ہیلی پیڈ پر آگئے۔ امریکی سیاہ چیتے کے سوا بلی کی میزبانیں نیند اور شراب کے ٹوٹتے خمار میں ہلکے پھلکے لہرا سی رہی تھیں۔

بیروت والی بی بی رے بے کا انحد سنگھ کو اتنا باہوش اور مستعد دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔ کہنے لگی کہ میں نے مسٹر سنگھ کو رات میں جس طرح پیتے دیکھا تھا تو اس کے بعد تو سمجھ رہی تھی کہ یہ دن نکلنے کے بھی پانچ سات گھنٹے بعد تک خمار میں رہیں گے مگر ابھی ساڑھے تین بجے ہیں اور بقول کسے یہ منصف کی طرح باہوش اور مستعد ہیں۔

انحد نے کہا کہ بی بی ہم ترکھان لوگ ہیں "سچی" لکڑی کو اور اوکھے ٹائم کو دیکھ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کے کھیل جاتے ہیں اور فیصلہ کر لیتے ہیں کہ وقت شرابیں پی کے الٹنے پڑے رہنے کا ہے کہ نہیں ہے تو بس اسی لیے چوکسی کے ساتھ حاضر ہوگئے ہیں۔

امریکی چیتے نے مجھے رخسار پر اور بی بی بیروت نے اسی طرح پیشانی پر پیار کیا۔

چلتے ہوئے پرنسس کنتی نے مجھ سے مصافحہ کیا اور اس طرح اپنی لمبی مخروطی انگلی سے میری ہتھیلی کھجائی اور آنکھ دبا کر ایک اہم بازاری اشارہ کیا' دھیرے سے بولی۔

"کبھی کسی اچھے موسم میں کھان! تجھ سے ملاقات ہوگی۔ میرا دل اندر سے بول رہا ہے۔"

میں نے رخصت ہوتے ہوئے اس سے پوچھا کہ بی بی کنتی جی دل ہے تمہارے پاس یا بس یہ کوئم بٹوری بدن ہی بدن ہے؟ اور یہ کہتے ہوئے بھی انحد اور بلی برانٹ کے ساتھ برانٹ اسٹیٹ کے ہیلی کاپٹر پر سوار ہوگیا۔

زوبر میاں کے علاقے میں ہم لوگ کم و بیش اس وقت پہنچے جس وقت سیکورٹی پوسٹ پر زوبر میاں کے ماموں صاحب کو تہجد کی نماز پڑھتے دیکھا تھا۔ ہم مزدوروں کے میس والے شیڈ سے کچھ فاصلے پر درختوں سے صاف کیے ہوئے ایک قطعے میں اترے۔ میں نے ہیلی کاپٹر اترنے سے پہلے دیکھا شب برات میں جلتے چراغوں کی طرح ایک دائرہ چراغوں کا جنگل کے اندھیرے میں نظر آرہا تھا۔ پاس ہی ایک تیز ٹارچ لائٹ خاص ترتیب سے جلائی اور بجھائی جارہی تھی۔

مشتاق پائلٹ نے چراغوں کے بیچوں بیچ رہتے ہوئے کاپٹر اتارا تو پنکھے سے پیدا ہونے والے زبردست جھونکوں نے سب چراغ بجھا دیے مگر جگہ سمجھ میں آچکی تھی پھر ہیلی کاپٹر کی سرچ لائٹ نے وہ دائرہ بھی روشن کر دیا تھا۔ ہم آرام سے اتر گئے۔

ہیلی کاپٹر سے اترے تو ہم نے اندھیرے سے نکل کر آتے بلی برانٹ کے کٹ تھروٹ تینوں کارندوں کو دیکھا وہ اسی طرح سوٹ پہنے تر و تازہ اور مستعد ٹارچیں چمکاتے ہوئے اپنے باس اور باس کے مہمانوں کے استقبال میں جھک کر اور ایڑی بجا بجا کر سلام کرتے آئے تھے۔

بلی نے ان کے سلام کے جواب میں ایک مختصر سا جملہ کہا۔ "گڈ ورک!" مطلب خوب کام کیا۔ بعد میں پتا چلا کہ اس شاباش کا مطلب تینوں کے لئے بھاری نقد انعام بھی تھا۔ وہ اپنے باس سے اپنی تعریف سنکر اندھیرے میں مسکرائے بھی ہوں گے مگر یہ فومانچو مسکراہٹ ہوگی۔ اکیلی سڑک پر اس طرح مسکراتے ہوئے ایک آدمی کو بھی اپنے مقابل دیکھ کر کسی بھی سمجھدار آدمی کو پوری طرح چوکنا ہو جانا چاہئے۔ وہاں تو تین

آدمی تھے جو مسکرا رہے ہوں گے۔

برانٹ کے یہ ایجنٹ اپنے باس اور مہمانوں کو جنگل کے عارضی ہیلی پیڈ سے مزدوروں کی میس تک پہنچانے کے لئے زوبر ٹمبر اسٹیٹ کا ایک ٹرک پکڑ لائے تھے۔ انہوں نے یہ ٹرک شیڈ کے پاس میکانیکل شاپ سے چرایا تھا۔ وہ اسے چابی کے بغیر کسی طرح اسٹارٹ کر لائے تھے۔ ہم ٹرک پر سوار ہوئے اس وقت بھی وہ اسٹارٹ ہی تھا۔

کوئی پندرہ منٹ میں ہم ورکرز میس کے شیڈ کے سامنے پہنچ گئے۔ شیڈ کے سامنے ٹیوب لائٹوں کی سفید روشنی میں وولی بال کورٹ کے ایک کھمبے کی جڑ میں ٹاٹ کی بوریوں کا ڈھیر سا پڑا تھا۔ ہمارے ٹرک کی آواز سن کے یہ ڈھیر ہلا تو ہم سمجھ گئے کہ برانٹ کے کارندوں نے یہاں اپنے قیدی "اسٹور" کیے ہیں۔

ویت نامی' تھائی کارندوں نے ٹاٹ ہٹائے تو نیچے سے کھمبے سے بندھے منہ پر چپکنے والی پٹیاں لگا کے غوں غوں کرتے اور تھر تھراتے وہ دونوں باپ بیٹے نکلے۔ ہمیں دیکھ کے وہ اور بے تاب ہوئے اور غوں غوں کرنے لگے تو کٹ تھروٹ کارندوں نے بھاری ٹارچوں سے دونوں کی پنڈلیوں پر دو دو ضربیں لگائیں اور ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ تکلیف سے دونوں لہرا کے رہ گئے لیکن ایک بات ان کے سمجھ میں آگئی کہ شور مچانے میں اور جان ضائع ہوگی۔

بلی برانٹ نے اپنے کارندوں سے معلوم کیا کہ کیا زوبر میاں سلہٹی والا کو اطلاع دے دی گئی ہے کہ یہاں کیا ہوا ہے اور یہاں برانٹ صاحب انحد سنگھ صاحب شیر خان صاحب آنے والے ہیں؟ کارندوں نے نہ صرف یہ کہ اطلاع نہیں کی تھی بلکہ اس ایریا کے سب ذمہ دار لوگوں کو ایک کمرے میں تالے میں بند کر دیا تھا۔ تمام ٹیلی فون لائنیں ڈس کنکٹ کر دی تھیں۔

برانٹ نے انہیں ایک بار گھور کر دیکھا اور کہا۔ "یہ برا کیا۔"

میں نے دیکھا اپنے باس کے اس ریمارک پر تینوں فومانچو ایک بار لرزے تھے۔ بعد میں بتایا گیا کہ اس ایک حماقت پر انہیں سزا ..... جسمانی سزا ..... دی جائے گی۔ تاہم اس بے ضابطہ حرکت سے ان کے نقد انعام پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

ہم میس والے شیڈ میں کرسیوں پر بیٹھے رہے۔ برانٹ کے اشارے پر اس کے کارندوں نے زوبر میاں کے ان بہت سے فور مینوں' چارج مینوں' سپر وائزروں اور طرح طرح کے چھوٹے بڑے گینگ لیڈروں کو کھول دیا۔ سب کو میس میں جمع کیا۔ پہلے تو وہ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بے چارے سمجھے کہ ڈاکا پڑ رہا ہے مگر جب انہوں نے دو پڑوسی اسٹیٹ کے مالکوں کو دیکھا تو جان میں جان آئی۔ بلی برانٹ نے اپنی کام چلاؤ بری زبان میں انہیں بتایا کہ ادھر ڈاکا ڈالنے والے' اغوا کرنے والے ایک جتھے کو پکڑنے کے لیے یہ کارروائی کی گئی ہے۔ تمہارے اسٹیشن پر یہ دو باپ بیٹے ڈاکوؤں کے مخبر موجود تھے۔ خطرہ اس بات کا تھا کہ ان کی گرفتاری کے لئے آنے والے ایجنٹوں اور ڈاکوؤں یا ان کے حامیوں کا مقابلہ ہوگا تو گولیاں چلیں گی۔ ہم نے عام مزدوروں کو اپنے شیڈوں میں سونے دیا آپ ذمہ دار لوگوں کو آپ ہی کی اپنی حفاظت کے خیال سے محفوظ جگہ پر اکٹھا کر دیا۔ اب ہم آپ کو خوشی سے یہ اطلاع دے رہے ہیں کہ ڈاکوؤں کے گرگے گولی چلائے بغیر آگئے ہیں۔ اب ہم اپنے دوست اور آپ کے ٹمبر اسٹیٹ کے مالک زوبر کو فون کر کے بلاتے ہیں۔ آپ لوگوں نے ہمارے ساتھ تعاون کیا اس کا شکریہ۔

برانٹ کے گردن تراش ماہروں نے ٹیلی فون لائنیں پھر جوڑ دیں تو پہلے انحد سنگھ نے زوبر میاں سے بات کی۔ پوری بات اسی طرح بتائی جیسی بلی برانٹ نے زوبر اسٹیٹ کے فورمین گروپ کو بتائی تھی۔ زوبر میاں اور دوسرے ہمسائے برانٹ سے کوئی زیادہ ربط ضبط نہیں رکھتے تھے مگر کیونکہ اس وقت وہ زوبر میاں کی جائداد پر اپنے ہیلی کاپٹر اور فومانچوؤں کے ساتھ موجود تھا اس لئے خود اس نے بھی معذرت' مداخلت اور اسی طرح کی باتیں کیں اور زوبر میاں نے بھی حسب توقع اس اچانک عزت افزائی کو بہت مبارک گردانا اور برانٹ صاحب کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے زوبر ٹمبر اسٹیٹ کو اپنا گھر سمجھا اور چلے آئے۔ اس ہمسائیگی اور اپنائیت سے زوبر میاں بہت متاثر ہوا ہے اور وہ خوش آمدید کہنے خود آرہا ہے۔

زوبر میاں کے آنے سے پہلے برانٹ کے کٹ تھروٹ کارکن ہم تینوں "باس لوگوں" کو اور آغاز کرنے والوں کے دونوں مخبروں کو ایک بند کمرے میں لے گئے۔ وہاں برانٹ کے ان فومانچوؤں نے دونوں باپ بیٹوں کو پہلے تو احتیاطاً چار چوٹ کی مار لگائی پھر ان کو ہدایت کی کہ اب جو ہم پوچھتے جائیں کچھ چھپائے اور جھوٹ بکے بغیر وہ بتاتے جاؤ ورنہ زوبر میاں کے آتے آتے ہم تمہاری وہ حالت کر دیں گے کہ تم کھال کے بنے تھیلوں کی طرح سو جاؤ گے۔ جن میں ٹوٹی ہوئی ہڈیاں اور کچلا ہوا گوشت بھرا ہوگا۔

میں نے سوالات پوچھنا شروع کیے اور باپ یا بیٹا یا دونوں جواب دینے لگے۔

میں نے پوچھا۔ "کیا تم اسے پہچانتے ہو جس نے تم سے ہمیں بھٹکانے کو کہا

تھا۔"

وہ بولے۔ "نہیں۔ وہ ادھر پہلے کبھی نہیں آیا تھا۔"

"تم کو تو وہ پہچانتا ہوگا ورنہ کیوں آتا؟"

"ہاں اس نے آتے ہی میرا اور بابا کا نام لیا تھا۔" یہ بیٹے نے بتایا۔ "برابر پہچانتا ہوگا۔"

"شروع سے بتاؤ۔ وہ کس طرح آیا اس نے کیا کہا۔"

بیٹے نے بتایا کہ فلاں دن (یہ وہ تاریخ تھی جب میں اور انحد سنگھ' اس کی ٹمبر اسٹیٹ سے جیپوں میں روانہ ہوئے تھے اور انحد نے پڑوسی مونگ لی صاحب کو فون کیا تھا کہ ہم آرہے ہیں۔) تو بیٹا کہنے لگا کہ فلاں روز رات میں جب وہ سونے کی تیاری کر رہا تھا اور بابا اونگھ چکا تھا تو کسی نے اس کا نام لے کر پکارا شیڈ سے باہر بلایا کہا کہ کوئی ضروری کام ہے۔ باہر آکے اس نے دیکھا کہ کوئی نیا ہی آدمی تھا۔ نئے آدمی نے جو اچھا خاصا کھایا پیا دکھائی دیتا تھا۔ اپنا نام جگدیش بتایا۔ اس جگدیش نے ان لوگوں سے کہا کہ ایک چھوٹا سا کام ہے جس کے ہزاروں روپے مل سکتے ہیں۔ اگر اپنے بابا کو بھی شامل کرے گا تو رقم ڈیوڑھی ہو جائے گی۔ وہ ڈر گیا مگر پیسے کس کو برے لگتے ہیں پھر یہ بھی تھا کہ وہ کسی جھنجٹ میں پڑنا نہیں چاہتا تھا تو خوف محسوس کر رہا تھا۔ جگدیش نے کہا۔ خطرہ کوئی نہیں تو ڈرتا کس بات سے ہے؟ بڈھے نے ہمت کی' پوچھا کہ پہلے کام بتاؤ پھر آگے بات ہوگی۔ کام انہوں نے یہ بتایا کہ اگر کوئی ادھر آئے اور یہ پوچھے کہ کیا ایسی ایسی گاڑی ادھر سے گزری ہے تو کہہ دینا کہ ہاں یاد تو پڑتا ہے اور کہنا عورت بچہ بھی کوئی گاڑی میں تھا اور وہ اس رستے پر گئے تھے۔ بڈھے نے کہا یہ کوئی ایسی بات نہیں لاؤ رقم ہم کہہ دیں گے۔ اس پر وہ جگدیش کہنے لگا کہ یہ آدھا ادھورا کام ہے پورا کام یہ ہے کہ جنگل کے ریسٹ ہاؤس میں تمہیں جا کے رکنا اور چائے بنانا ہوگا اور اس طرح نشان چھوڑنا ہوگا مگر یہ کام ہشیاری سے کرنا ہوگا۔"

میں نے پوچھا۔ "یہ تو ہو گیا۔ تم نے پیسے بھی لے لیے کام بھی کر دیا۔ یہ بتاؤ کام کے بعد اس جگدیش نے پھر تمہیں اپنی صورت دکھائی؟"

بڈھا بولا۔ "نہیں جی۔ پھر صورت نہیں دکھائی۔"

مگر جس طرح بڈھے نے یہ بات کہی تھی اس سے مجھے شک سا ہو گیا' میں نے پوچھا۔ "اچھا صورت نہیں دکھائی تو کیا آواز سنائی؟ کوئی ٹیلی فون کیا؟ ہاں؟ بول۔"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بڈھے نے انکار میں سر ہلایا لڑکے نے ہاں میں۔

بلی برانٹ کے گرگوں نے دونوں کی پنڈلیوں پر مارنے کو ٹارچ اٹھائی تو دونوں ہی گڑگڑانے لگے۔ لڑکے نے کہا۔ "میرے بابا کو خبر نہیں۔ انہوں نے فون کر کے دھمکی دی تھی۔ بات میں نے کی تھی۔ بابا کو اس لئے نہیں بتایا کہ یہ پریشان ہوتا۔"

مگر بڈھے کو ٹیلی فون کا معلوم تھا۔ اس کے انداز ہی سے پتا چل رہا ہے۔

بڈھے نے روتے بسورتے ہوئے بتایا کہ اصل میں اسے شک تھا کہ جگدیش نے دھمکانے کو فون کیا ہے۔ پکی خبر نہیں تھی۔ ڈر کے مارے اس نے بیٹے سے پوچھا بھی نہیں تھا۔

میں نے سوال کیا۔ "دھمکی کس طرح دی تھی؟"

"جگدیش نے نہیں دی تھی دھمکی۔ ایک لڑکی نے بات کی تھی۔"

لڑکی؟ یہ نئی بات پیدا ہوئی تھی اس پورے قصے میں۔

میں نے پوچھا۔ "کیسی لڑکی؟"

لڑکی نے فون پہ کہا میں جگدیش کا میسج دے رہی ہوں۔

"ٹھہرو ٹھہرو۔" میں نے اسے روکا۔ "کیا اس نے یہی کہا تھا میسج۔ بری میں بات یا پیغام کا لفظ نہیں کہا تھا۔ انگریزی لفظ کہا تھا؟"

"ہاں جی یہی کہا تھا ..... انگریزی لفظ۔"

"خوب۔ آگے بتاؤ۔ آگے کیا کہا؟"

"بس جی آگے اس نے کہا جگدیش کہتا ہے کوئی لوگ تم سے کچھ پوچھنے آرہے ہیں۔ وہ دشمن ہیں۔ اگر تم نے ذرا سا بھی کچھ بتایا تو جگدیش تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔ دونوں کو۔"

"بس۔"

"ہاں بس' پھر اس نے فون بند کر دیا۔"

"تم ڈر گئے۔ لڑکی کی بات سے ڈر گئے؟"

"کیا کرتا اور لگتا تھا وہ لڑکی نہیں ہے' جگدیش خود آواز بنا کے بول رہا ہے۔ مجھے اس بات سے ڈر لگا تھا کہ وہ موٹا۔ جگدیش ادھر ہی کہیں قریب میں ہے اور آواز بنا کے دھمکا رہا ہے۔"

"آواز بنا رہا تھا اس کا شک کیسے ہوا؟"

"جیسے ..... جیسے وہ آدھے مرد آدھے عورت آواز لہرا کے ہا آ آں کرتے ہیں وہ ان کی نقل کرتا تھا۔ کہتا تھا جگدیش زندہ نہیں چھوڑے گا۔ ہا آ آ آں۔"

میں نے کہا۔ "یہ ہا آ آ آں پھر کہو۔"

اس نے پھر کھسروں کی طرح ہا آ آ آں کہا۔

بہ یک وقت میں نے انحد کی طرف' انحد نے مجھے دیکھا۔ ان حد نے کہا۔ "انکل مونگ لی کا مالشیا ..... کھسرا مونگ جو۔"

میں نے ہاں میں سر ہلایا۔

بلی برانٹ نے کہا۔ "میں نے مونگ لی کے نوکر اس آدھے مرد آدھے عورت کو دیکھا نہیں ہے۔ ایک بار وائرلیس پر اس کا میسج ریسیو کیا ہے۔ وہ ہاں کو اسی طرح لہرا کے کہتا ہے۔"

"وائرلیس؟"

"ہاں کبھی کبھی سسٹم چیک کرنے کے لئے مونگ لی اسٹیٹ کو کھڑکھڑا دیتا ہوں۔ اس پورے علاقے میں یا تو ایک مونگ لی ہے یا ٹمبر اسٹیٹ والوں کی پرائیویٹ سیکورٹی فرم ہے۔ جس کے پاس وائرلیس کا سسٹم ہے۔"

ذہن میں جیسے بلب روشن ہو گیا۔ انحد کا دوست سیکورٹی فرم کا چیف سیکیورٹی افسر جس نے تمام سیکیورٹی چوکیوں سے وائرلیس پہ رابطہ کیا تھا اور بھاگنے والی اسٹیشن ویگن کا پتا اٹھانے کی کوشش کی تھی۔ اس کی تفتیش کا رخ کس طرف تھا۔ یہ کسی نے وائرلیس پر اس کے پیغامات کو سن کے جان لیا۔

جبھی پیش بندیاں کر لی تھیں۔ ایک بات' بلی برانٹ نے اپنے کارندوں کو وائرلیس پر ہدایات دی تھیں کہ زوبر میاں کے ملازم باپ بیٹے سے پوچھ گچھ کرو یہ بھی کسی نے اپنے وائرلیس ریسیور پر سن کر جان لیا تھا اور پھر باپ بیٹے کو فون کر کے دھمکی دی تھی کہ کوئی لوگ تم سے کچھ پوچھنے آرہے ہیں وہ دشمن ہیں اگر تم نے کچھ بتایا تو سمجھ لینا ..... ہاں آ آ آ آں۔ یہ دوسری بات۔

تو یہ جاننے والا کون تھا؟

دونوں باتوں سے ایک ہی طرف اشارہ ہو رہا ہے۔ مونگ جو۔ وہ جس نے جگدیش موٹے کو بھیجا تھا۔ یہ موٹا اس کا کک' دوست ہو گا جس کی بیٹی جنگل میں بانس کی کونپلیں اکٹھی کرنے جاتی ہے اور اس کے پیچھے پیچھے مونگ جو کھسرے کا فرسٹ کزن جاتا

ہے۔ وہی جو رنگون میں فزیو تھراپی سیکھنے والا ہے۔

میں نے انحد سے کہا۔ دوست جو کچھ ہے تیرے ہمسائے مونگ لی کی جائداد پر ہے اور مونگ جو کھسرے کے ارد گرد ہے۔

بلی رانٹ نے اپنی خطرناک تھائی' ویت نامی' چینی برمی گلے تراشوں سے کہا کہ وہ دونوں کو جانے دو اور تیزی کے ساتھ تینوں جاکر ہیلی کاپٹر میں بیٹھو۔ زوبر میاں کے آنے کا وقت ہو گیا ہے۔ پانچ سات منٹ بعد زوبر میاں آگیا۔ وہ اپنے ساتھ اپنے کتے اور میز وڈاک کیپر کو لایا تھا۔

بلی برانٹ اور زوبر میاں ایسے بغل گیر ہوئے جیسے ان میں بڑی دوستیاں محبتیں ہیں۔ اندر سے دونوں ہی شرمندہ تھے۔ بلی تو اس بات سے شرمندہ ہوگا کہ اس کے "لائق" گردن تراش گرگوں نے ایک پڑوسی کی جائداد میں گھس کے بہت بے ضابطگی کی ہے۔ لوگوں کو بند کیا ہے' ٹیلی فون کاٹے ہیں' ٹرک چوری کیا ہے' عملاً کئی گھنٹے تک ڈاکوؤں کی طرح ٹمبر اسٹیٹ کے اس حصے پر قبضہ جمائے رکھا ہے۔ زوبر میاں کو یہ شرمندگی تھی کہ آس پاس کی ٹمبر جائدادوں میں سب کو خبر ہو جائے گی کہ بلی برانٹ نے ایک رات ہیلی کاپٹر میں سوار ہو کر زوبر میاں سلہٹی کی میزبانی کا شرف حاصل کیا تھا۔ خدا معلوم لوگ اس وزٹ کو کیا سمجھیں گے۔

ان حد سنگھ اور میں بھی زوبر میاں سے بغلگیر ہوئے۔ ان حد نے فوری طور پر زوبر میاں سے اس بات کی معافی مانگی کہ اسی نے بلی صاحب کو مجبور کیا تھا کہ وہ زوبر اسٹیٹ میں اپنے کارندے بھیجے۔ بلی صاحب تو کہہ رہا تھا کہ پہلے زوبر میاں سے اجازت لے لو مگر ان حد کہنے لگا میں نے "عرج کی کہ جوبر میاں میرا بھائی ہے ہور کدے ایمر جنسی وچ اپنے بھائی کے گھر وچ اسی اجاجت بگیر وی وڑ سکدے آں۔" پھر وہ بولا کہ اب میں ایمر جنسی میں بغیر اجازت آپ کے گھر میں گھسنے کی معافی چاہتا ہوں۔ یہ کام میں نے اپنی "جمے واری" پہ کرایا ہے۔

زوبر میاں نے ہنس ہنس کے پیٹھ تھپکتے ہوئے انحد کو مجھے اور بلی صاحب کو خوش آمدید کہا اور خوشی کے ساتھ ایک دائمی اجازت نامہ ہم تینوں کو یہ دیا کہ ہم بے کھٹکے جب چاہیں زوبر اسٹیٹ میں دن ہو یا رات آسکتے ہیں۔ "حضرات! یہ آپ تینوں کا گھر ہے۔ اس کے دروازے آپ تینوں پر کھلے ہیں۔"

زوبر میاں روایتی بنگالی شرفا کی طرح کشادہ دلی دکھا رہا تھا مگر مجھے یقین ہے کہ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اگر وہ بلی کے ان تین ویت نامی تھائی کو ان چینی یا پتا نہیں کون کارندوں کی صورتیں دیکھ لیتا تو ان پر فوراً کتے چھڑوا دیتا۔ ایسے خوفناک تھے وہ تینوں فومانچو۔

بلی □ ب □ انٹ نے زوبر میاں سلہٹی کو ان ہندو باپ بیٹے کے بارے میں بتایا۔ نرمی سے مشورہ دیا کہ انہیں نوکری پر رہنے دو' مگر انہیں اپنی نظروں کے سامنے رکھو گے تو اچھا ہوگا۔ یہ کچھ لالچی زیادہ ہیں۔

زوبر میاں نے ہماری تواضع کرنا چاہی مگر میں نے اور ان حد نے کہا کہ ہم دونوں کو آگے مونگ لی اسٹیٹ میں بہت کام ہے پھر بلی صاحب بھی اپنے بعض کام ادھورے چھوڑ کر چل پڑا تھا تو ہم اب تینوں ہی آپ سے اجازت چاہیں گے۔

زوبر میاں نے بلی صاحب کو تو جانے دیا۔ ہمیں اجازت نہ دی۔ ہم سب بلی برانٹ کو عارضی ہیلی پیڈ تک چھوڑنے گئے۔

میں نے ان حد نے بغل گیر ہو کر خاص طور پر بلی برانٹ کا شکریہ ادا کیا۔ اس نے میرے معاملے میں پوری طرح مبتلا ہو کر مدد دی ہے۔ بلی نے کہا۔ "اینی ٹائم! کبھی بھی ہم اسے بلا سکتے ہیں اور اس کے پاس بے تکلفانہ آسکتے ہیں۔"

بلی برانٹ کے جانے کے بعد وہیں ورکروں کے میس میں ہم نے فوری طور پر ایک جنگلی ہلکا ناشتا کیا اور زوبر میاں کو بتایا کہ مونگ لی اسٹیٹ ہی ہمارا ٹارگٹ ہے اور مونگ جو کھسرا ہمارا وہ نامعلوم دشمن ہے جو اغوا کرنے والوں کی مدد کر رہا ہے یا خود اس نے اغوا کیا ہے۔

زوبر میاں نے کہا۔ "اب جبکہ سب انگلیاں اس ہیجڑے مونگ جو کی طرف اٹھ رہی ہیں تو میں بھی ایک واقعے کی طرف توجہ دلاتا ہوں جو کوئی پندرہ روز پہلے میرے نوٹس میں آیا تھا۔" زوبر میاں میری طرف مڑا۔ "یہ بتاؤ کیا تم کسی جنگش یا منگش نام سے واقف ہو۔ کوئی ایسٹ پاکستانی شخص ہے صمد جنگش یا منگش۔"

میں منہ پھاڑے زوبر میاں کی صورت دیکھتا رہ گیا۔ آخر بہ مشکل اتنا کہہ پایا۔ "صمد بنگش صاحب میرے والد ہیں۔ کہاں ہیں؟ کیسے ہیں؟"

O

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

زوبر میاں نے مجھ سے پوچھا تھا کہ کیا میں پاکستان والے کسی صمد بنگش کو جانتا ہوں؟ اور میں نے بے تابانہ بڑھ کر ان کے ہاتھ تھام لیے تھے "کہاں ہیں وہ؟ کیسے ہیں؟ وہ میرے بابا ہیں۔ خدا کے لیے بتاؤ کیسے ہیں؟"

زوبر میاں اور میرا دوست ان حد سنگھ میری صورت دیکھنے لگے تھے۔

"والد ہیں تمہارے؟" زوبر میاں نے پوچھا۔

میں نے کہا "ہاں۔"

"حد ہی ہو گئی وئی!" ان حد سنگھ بولا۔

"کہاں ہیں؟ کیسے ہیں؟"

زوبر میاں نے ہاتھ اٹھا کر تسلی دی۔ "ٹھیک ہوں گے۔ سب خیریت ہو گی۔ حوصلہ رکھو۔ اس وقت یہ کہنا مشکل ہے کہ کہاں ہوں گے..... میں نے پندرہ روز پہلے ان کا نام سنا تھا..... صحیح نام تو اب تم سے سنا ہے..... دو ہفتے پہلے میرے معالج ڈاکٹر عدنان الفضل نے جو ادھر چیف میڈیکل افسر بھی لگا ہوا ہے' مجھ سے مونگ جو کے بارے میں پوچھا تھا کہ کیا اس کی رشتے داریاں ایسٹ پاکستان میں ہیں.....؟"

میں نے زوبر کو بات نہ پوری کرنے دی۔ "مختصر بتاؤ..... میرے بابا کہاں ہیں؟"

زوبر کہنے لگے۔ "ہمارے پڑوسی مونگ لی صاحب کی ٹمبر اسٹیٹ سے کسی نے فون کیا تھا کہ مونگ جو کھسرے کا کوئی رشتے دار جو ایسٹ پاکستان سے آیا ہے' ٹریکٹر ٹرالی کے حادثے میں زخمی ہو گیا ہے۔ مونگ لی اسٹیٹ میں اس وقت کوئی ڈاکٹر نہیں ہے۔ اس لیے ہم مریض کو بھیج رہے ہیں۔ آپ اپنے ڈاکٹر کو کہہ دو کہ اسے اٹینڈ کر لیں۔"

میں نے پوچھا "بابا زخمی ہو گئے تھے۔ کیسے؟" تو کیا وہ مرہم پٹی کے لیے بابا کو ادھر لائے تھے؟"

"نہیں۔ میں نے ڈاکٹر عدنان کو خبر کر دی تھی۔ جب بہت دیر ہو گئی' مریض نہیں آیا تو انہوں نے مجھ سے پوچھا۔ میں نے مونگ لی اسٹیٹ فون کیا۔ لی صاحب مل گئے۔ کہنے لگے' میں معلوم کرتا ہوں کیوں نہیں لے گئے مریض کو۔ تھوڑی دیر بعد ان کا فون آیا' کہنے لگے۔ "میرا آدمی مونگ جو.....وہی کھسرا.....آ گیا تھا' اس نے مریض کو فرسٹ ایڈ دے دی ہے۔ وہ کہہ رہا ہے' اب ضرورت نہیں اس کا رشتہ دار ٹھیک ہے۔"

میرا سر گھوم رہا تھا۔ وہ بابا کو اپنا رشتے دار بتا رہا ہے۔ بابا زخمی ہو گئے تھے.....پندرہ دن پہلے۔ کیا بات تھی؟

زوبر میاں کو اس پورے قصے میں ایسٹ پاکستان کی وجہ سے دلچسپی پیدا ہوئی تھی۔ انہوں نے بہت یاد کیا مگر اس واقعے کی اور کوئی تفصیل انہیں یاد نہ آئی۔

جو بھی ہو' میں نے سوچا۔ بابا مجھے ڈھونڈتے ہوئے آئے ہوں گے۔ اب میں انہیں تلاش کروں گا۔ وہاں مزید رکنا ممکن نہیں تھا۔ میں نے ان حد سے کہا "میرے بابا صمد بنگش صاحب برما میں ہوں گے۔ اس کا تو مجھے یقین تھا لیکن یہاں مونگ لی اسٹیٹ میں ان کا ہونا سمجھ میں نہیں آتا۔ بات پندرہ روز پرانی ہے مگر پکی ہے..... میں فوراً مونگ لی اسٹیٹ جانا چاہتا ہوں۔"

ان حد بولا۔ "صرف "میں" نہیں دوست.....! اسی دو وی ای چلاں گے۔"

زوبر میاں نے کہا "آپ دونوں ہی کیوں ہم بھی چلیں گے۔"

زوبر میاں نے جس طرح ہماری مدد کی تھی اور جتنے شوق سے وہ ہمارا ساتھ دینا چاہتے تھے' اس کو دیکھتے ہوئے انہیں روکنا کچھ اچھا نہ لگا مگر ہم اچانک اور کم آدمیوں کے ساتھ لی صاحب کی جائیداد میں داخل ہونا چاہتے تھے اور زوبر میاں کا مزاج دیکھتے ہوئے یہ ممکن نہیں تھا۔ وہ اپنے کھوج لگانے والے کتوں اور نیروٹریز کو ساتھ لے جانے کا ارادہ ظاہر کر چکے تھے۔ ایک ڈرائیور' ایک گن مین تو ساتھ رہتا ہی تھا۔ اتنے آدمیوں کا جلوس لے کر وہاں جانے میں بہت سے کام بگڑ جاتے۔ میں نے ان حد سنگھ سے صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ لی اسٹیٹ میں ابھی بس ہم دونوں ہی داخل ہوں گے۔ ان حد کا ڈرائیور اردلی جو شروع سے ہی جیپ لے کر ہمارے ساتھ چلا تھا' میں نے اسے بھی روک دیا۔ ان حد نے اسے زوبر میاں کی ولا میں رک کے ہمارے بلاوے یا دوسری کسی ہدایت کا انتظار کرنے کو کہا اور خاموشی اور رازداری سے ان حد اور میں زوبر اسٹیٹ سے نکل گئے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بابا کے بارے میں یہ پریشان کرنے والی خبر سن کر میرا دل ڈوبنے سا لگا کہ وہ زخمی ہو گئے تھے۔ کیا وہ مونگ جو بدمعاش کے کسی فریب میں آ گئے ہیں' جبھی مونگ لی جائیداد میں دیکھے گئے ہیں۔ میں نے سوچا' یہ بات اب بالکل طے ہو چکی ہے کہ مونگ جو ہی ہمارا وہ نامعلوم دشمن ہے جس نے ہمیں بھٹکایا ہے اور میرے بابا کے بارے میں وہی بتا سکتا ہے اور ظاہر ہے رشنا اور روکسانہ کے بارے میں بھی وہی بتائے گا۔

ان حد نے کہا "یار کھان صاحب! اتنا مطلبی بندہ ہے یہ کھسرا کہ مجھے سمجھ نہیں آ رہی' جبھی میں اس کو گردن سے پکڑوں گا تو اسے مار پیٹ کرنے سے خود کو کس طرح روکوں گا۔"

میں نے اسے سمجھایا کہ نہیں نہیں' اسے ضائع نہیں کرنا ہے۔ سچی سچی باتیں معلوم کرنا ہیں اور جلدی۔

ہم دونوں زوبر اسٹیٹ سے آندھی طوفان کی طرح چلنا چاہتے تھے لیکن یہ آسام کا وہ علاقہ تھا جسے آسانی سے آسامی کو ہ مری کہا جا سکتا تھا۔ فرق اتنا سمجھ لیجئے کہ مری کی پہاڑیاں ایک موسم میں برف پوش ہو جاتی ہیں۔ یہ جنوبی خطہ تھا۔ سردی بے شک ہوتی ہو گی مگر برف باری کا کوئی موسم کبھی نہیں آتا۔ ڈھلان پر ان حد سنگھ بہت مہارت اور ہوش مندی سے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ ان حد کی اسٹیٹ سے نکلتے ہوئے ہم اغوا کی جانے والی لڑکیوں کی تلاش میں چلے تھے۔ ایمرجنسی بے شک تھی مگر ایسی شدت اور تشویش نہیں تھی جیسی اب تھی۔

ان حد نے مجھے گاڑی نہیں چلانے دی' کہنے لگا کہ تم سکون سے رہنے کی کوشش کرو اور سوچ سمجھ کے منصوبہ بناتے رہو کہ کس طرح مونگ جو کھسرے پر اچانک وارد ہو کر پوچھ گچھ کی جائے۔ وہ بزدل اور عیار ہے۔ اگر ہم نے صحیح دباؤ نہیں ڈالا تو بابا کے بارے میں اس سے صحیح معلومات حاصل نہیں ہو سکتیں۔

میں بتا نہیں سکتا کہ یہ راستہ کتنی بے تابی اور پریشانی میں طے کیا۔ کاکسیز بازار سے نکلنا اور ایسٹ پاکستان میں بہن بھائیوں اور ماں باپ کے ساتھ گزارا ہوا وقت یاد آ رہا تھا۔ کاکسیز بازار کے بعد سے جو پریشانیاں جھیلی تھیں' اس وقت وہ تو ذہن سے جیسے محو ہو گئی تھیں' بس ایک ہی لو لگی تھی۔

بے تابانہ میں ہر سنگ میل کی طرف دیکھتا تھا کہ مونگ لی اسٹیٹ کا اب اور کتنا فاصلہ رہ گیا ہے۔ اس لمبے راستے میں ان حد نے مجھ سے بس اتنی بات کی کہ زوبر میاں کی

ولا سے ہنگامی طور پر ساتھ لی گئی پکنک باسکٹ سے ایک سیب نکال کے اس نے میری طرف لڑھکا دیا اور دھیرے سے کہا "لے دوستا! سیب کھا۔"

وہ خود بھی راستے بھر سوچتا ہوا آیا تھا۔

دن نکلنے والا تھا۔ سردی میں بہت خفیف سی کمی ہوئی تھی۔ ہم سمجھ رہے تھے کہ لی صاحب کی اسٹیٹ پہنچتے پہنچتے روشنی ہو جائے گی اور سردی میں خاصی کمی ہو جائے گی۔ وہ وقت ہو گا۔ جب مونگ لی اسٹیٹ کے کارندے ٹریکٹر ٹرالیوں میں نکلنے اور اپنے اپنے علاقوں میں دن کا کام سنبھالنے کی تیاریاں کر رہے ہوں گے۔ اگر اس میں پندرہ منٹ کی بھی دیر ہو گئی تو کھسرا ہمیں ولا میں نہیں ملے گا۔ اسے ٹمبر اسٹیٹ میں تلاش کرنا خوار ہونا تھا۔ ان حد سنگھ مجھ سے پہلے یہ بات جانتا تھا۔ اس نے گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔ سڑک قدرے ہموار اور سیدھی ہوتی جا رہی تھی' اس لیے ہماری تیز رفتاری ہمارے لیے خطرہ نہیں بن سکتی تھی۔

لی اسٹیٹ آ رہی تھی۔ ہم نے سڑک کے کنارے ٹرالیوں کو جمع ہوتے دیکھا۔ ابھی تک مزدوروں' کاریگروں نے ٹرالیوں میں بیٹھنا شروع نہیں کیا تھا۔ ہم ٹھیک وقت پر لی صاحب کی ولا میں داخل ہو رہے تھے۔

قد آور درختوں کے پیچھے سے ولا کی خوبصورتی اور چمن بندی کسی اور وقت میں مجھے اپنی طرف کھینچ لیتی مگر اس وقت تو جیسے ولا کا پائیں باغ اور تعمیرات شفاف شیشے کی تھیں کہ ان کے پار میری نظریں کچھ اور دیکھ رہی تھیں۔ میں نے لان کے آخری سرے پر ہلکی روشنی میں کچھ دیکھا بھی۔ ولا کا مالی جھارا لگا پائپ اٹھائے لان کو سویرے ہی سویرے تر کر رہا تھا۔

ان حد سنگھ نے بھی مالی کو دیکھا ہو گا۔ اس کی تیز نگاہوں نے کچھ اور بھی دیکھ لیا۔

مالی نے انوکھے سے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے اس نے سڑک پر ہماری موجودگی محسوس کی تھی اور جب ہم ولا کی طرف مڑنے کی غرض سے ایک پھولوں بھرے لمبے چوڑے ٹیلے کی اوٹ میں چلے گئے تھے تو مالی کے رویئے' اس کے چلنے میں ایک نمایاں تبدیلی ہو گئی تھی جو فوری طور پر نہیں مگر بعد میں سمجھ میں آ گئی تھی۔ وہ اس طرح لان پر جھارا لگے پائپ سے چھڑکاؤ کر رہا تھا مگر ہماری طرف اس نے پیٹھ کر لی تھی اور اس کے انوکھے لباس میں کہیں کوئی ایسی گڑبڑ ہو گئی تھی جسے ان حد نے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

نوٹ کر لیا تھا۔

اس نے اپنی گرجتی گونجتی پنجابی میں "گال نکالی" گاڑی آہستہ کر کے نیوٹرل گیئر میں ڈال کر مجھ سے یہ کہتا ہوا کہ "شیر خان گاڑی سنبھالنا۔" خود چھلانگ مار کر رول کرتی ہوئی گاڑی سے اتر گیا۔ میں نے اسٹیئرنگ وہیل سنبھال کے گاڑی کو قابو میں کیا۔ اس وقت تک ان حد غائب ہو چکا تھا۔

میں اپنے ہدف یعنی جھارے پائپ والے مالی کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

میرے حساب سے مالی ہماری جیپ کی آمد سے بے خبر لان کو تر کیے جا رہا تھا۔ برابر کی روش پر جیپ جب اس کے بالکل قریب ہو گئی تو میری سمجھ میں آیا کہ وہ کون ہے۔ وہ مالی نہیں کک کی نوجوان بیٹی تھی۔ وہی جس کے ساتھ راز و نیاز کرنے مونگ جو کھسرے کا کزن پیچھے پیچھے جنگل میں جاتا تھا۔

کک کی بیٹی مجھے جیپ روکتے دیکھ کر مسکرائی تھی اور اس نے پائپ میں لگا لیور کھینچ کر پانی بند کیا تھا اور اسے گھاس پر پھینک دیا تھا۔

لڑکی مسکراتی ہوئی میری طرف آئی' بولی "گڈ مارننگ سر!"

وہ آئی اور جیپ سے ٹک کے کھڑی ہو گئی۔

"گڈ مارننگ!" میں نے جواب میں کہا۔ میں جاننا چاہتا تھا کہ لان کو پانی دینا آخر کب سے اس کے فرائض میں شامل ہو گیا ہے۔ ان حد سنگھ کے اس طرح ایک دم دوڑ پڑنے کی وجہ ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ شاید کوئی اور بھی وہاں ہو گا۔ میں نے لڑکی سے پوچھا۔ "تم یہاں ولا میں مالی کی اسسٹنٹ ہو؟"

وہ ہنسی تو میں نے دیکھا' اس کی عمر اتنی کم نہیں تھی جتنی نظر آتی تھی۔ اس نے ہنستے ہوئے خود کو جیپ سے بھڑا دیا۔ وہ اتنے قریب آ گئی کہ کلون کی تیز خوشبو میرے لیے پریشانی کا سبب بنتی جا رہی تھی۔

"قصہ یہ ہے ..... آج میں نے مالی سے ڈیوٹی بدل لی ہے۔ وہ میرے بدلے جنگل سے بانس کی کونپلیں توڑنے گیا تو بس۔ میں نے اس کی جگہ لان کو پانی دینا شروع کر دیا۔ تمہیں مالم .....؟ میں کک کی بیٹی ہوں۔"

مجھے تجسس تھا' میں نے کہا "ہاں مجھے معلوم ہے' تم کون ہو..... یہ بتاؤ کیا ابھی تمہارے ساتھ یہاں لان پہ کوئی کھڑا تھا؟"

وہ ہنس کر بولی "ابھی تو نہیں۔ دس منٹ پہلے یہاں مالی تھا میرے ساتھ۔"

میں نے کہا "دس منٹ پہلے کی باتیں نہیں کر رہا' ابھی دس سیکنڈ پہلے یہاں کوئی تھا۔ وہ تمہاری طرح نہیں تھا۔ کوئی اور چکر تھا۔ لان کو کوئی پانی دے رہا تھا مگر وہ تم نہیں تھیں۔"

ہنستے ہوئے کہنے لگی "وہ میری اسپرٹ (روح) تھی جو دس منٹ پہلے سے یہاں تمہارا انتظار کر رہی تھی۔" اس نے تمہارا کہتے ہوئے آنکھ سے بہت سستی قسم کا اشارہ کیا تھا اور ہاتھ بڑھا کر آہستہ سے میرا رخسار چھو لیا تھا۔

"میرا.....؟ میرا انتظار کیوں؟ تمہیں کیسے معلوم' میں اس طرف آ رہا ہوں؟"

اس نے اپنا ہاتھ میرے شانے پر ہی رہنے دیا۔ "دل کہہ رہا تھا میرا۔ یہ ہارٹ۔"

اگر اب وہ باقاعدہ جھک کر اپنا اوپری بدن..... شاید ہارٹ میرے چہرے سے مس کر رہی تھی۔ اس کے کلون کی مہک جانی پہچانی تھی۔ یہ خوشبو کزن کے کے نے اسے تحفے میں دی ہو گی۔ میں نے سوچا۔

میرے ذہن میں ابھی تک وہ سوال اسی طرح اہم تھا اور اسی طرح اپنا جواب چاہتا تھا مگر اس کا اتنا قرب میرے لیے پریشانی کا باعث بھی بنتا جا رہا تھا۔ میں نے بہت دھیمی آواز میں پوچھا۔ "کیا اس وقت ابھی ابھی وہ کے کے تمہارے ساتھ تھا؟"

"کے کے؟ وہ سالا کڈی۔ تمہیں پتا ہے کڈی کیسا ہوتا ہے؟ نرم نرم' بچے جیسا اور بے کار....." بے کار کا لفظ کہتے ہوئے اس نے ایک آنکھ سے بازاری سا اشارہ کیا تھا۔

"بے کار کس طرح؟" میں نے اس لفظ کی سنسنی میں خوامخواہ ایک سوال جڑ دیا۔

وہ اور جھک آئی۔ تقریباً میرے کان میں منہ دے کے کہنے لگی "جس طرح اس سالے کا فرینڈ وہ مونگ جو بے کار ہے۔ لیڈی بوائے سالا۔"

وہ بہت بے باک اور تیز و طرار لڑکی تھی' میں نے پوچھا "یہ بتاؤ..... تم اتنی سب باتیں کیسے جانتی ہو؟ میں تو سمجھ رہا تھا' تم بہت ینگ ہو اور شہر سے دور ہو تو....."

اس نے اب دبا ہوا قہقہہ لگایا اور اپنا سر میرے سر سے ٹکرا دیا۔ اسی طرح دھیرے سے بولی "شہر میں جو ہوتا ہے' کیا یہاں نہیں ہوتا؟ بلکی..... بلکی میں کہتی ہوں۔ ادھر ٹمبر اسٹیٹ میں سیزن زیادہ گرم ہے۔ تمہیں پتا ہے.....؟ تمہیں نہیں پتا۔ ہاہاہا۔"

وہ کسی طرح کے مسالے والی چونگم یا مائی چباتی رہی تھی جس کی تیز گرم بھاپ سی میرے چہرے سے ٹکرائی۔ اس نے ہنستے ہوئے پھر سر کی ٹکر ماری۔ اب کے نہیں سر

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

نہیں اس کا چہرہ..... ہونٹ میرے چہرے سے ٹکرائے تھے۔

میں ہنس پڑا۔ وہ بولی "اگر تم ذرا سی جگہ دو گے تو میں اسٹیئرنگ سنبھال لوں گی' تمہاری جیپ یہاں ہوا میں سے ہٹا کے اس کوزی کنج میں لے جاؤں گی۔ یہاں تیز ہوا ہے اور ہوا نقصان پہنچا سکتی ہے۔" میرے جواب کا انتظار کیے بغیر وہ کچھ مجھے کھسکاتے اور کچھ میری گود میں سوار ہوتے اسٹیئرنگ پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئی۔

میں نے بریک' کلچ' ایکسی لیریٹر..... سب ہی کنٹرول اس کے بے چین پیروں کے حوالے کر دیئے تھے اور تھوڑا سا برابر کی سیٹ پر کھسک آیا تھا مگر اس نے اپنا بایاں بازو پھیلا کر میرے شانے اپنی گرفت میں لے لیے اور مجھے خود سے بھڑا لیا۔ "بھاگو مت۔ میں تمہاری گاڑی پر پورا قبضہ نہیں کر رہی' ہم آدھی آدھی ڈرائیونگ کریں گے..... ریڈی؟" اور اس نے گاڑی اسٹارٹ کر دی' پھر آدھی میری مدد سے آدھی خود چلاتی ہوئی وہ قہقہے مارتی مجھے پش کرتی' کرش کرتی گاڑی کو بوگین ویلیا کے ایک کنج میں لے گئی اور یہاں مجھے معلوم ہوا کہ کک کی یہ نوعمر لڑکی کس قیامت کی بے باک..... نہ' نہ جارحیت پسند ہے۔ وہ کئی طرح کی خوشبوؤں میں بس ہوئی پانچوں حواسوں کی مدد سے میرے وجود میں رچنا بسنا چاہ رہی تھی۔ ابھی دن کی روشنی پوری طرح نہیں پھیلی تھی۔ ہماری جیپ گاڑی کو دور سے جھاڑی میں دیکھ لینا مشکل ہو گا۔ ہمارے حساب سے ہم تنہا تھے اور تقریباً کسی کمرے کی چہار دیواری میں تھے۔

میں آدمی کا بچہ تھا' نوجوان تھا' کک کی بیٹی اپنی کم عمری میں بھی خوب سمجھتی تھی کہ کس طرح اناڑی نوجوان کو لبھایا جاتا ہے۔ میں اس ولا میں کسی اہم' بہت اہم مقصد سے داخل ہوا تھا اور اب پھولوں کے کنج میں گاڑی کھڑی کیے سب کچھ بھول کر ایک کھلنڈرے غیر ذمہ دار لڑکے کی طرح کھیل میں لگ گیا تھا۔

یہاں جیپ کھڑی کیے دو تین ہی منٹ ہوئے ہوں گے کہ مجھ سے بھڑ کر بیٹھی ہوئی سر سے سر ٹکائے راز و نیاز کرتی وہ بری لڑکی ایک جھٹکے سے مجھ سے دور ہو گئی۔ وہ غصے کی آواز نکال کر پیچھے مڑ کر کچھ دیکھنا چاہ رہی تھی اور مڑ نہیں سکتی تھی۔ اگلے ہی لمحے وجہ میری سمجھ میں آ گئی۔

ان حد سنگھ کا ریچھوں جیسا بدن ہم دونوں پر جھک آیا تھا اور اس کے ریچھ پنجے میں لڑکی کے گھنے سیاہ بال تھے۔

"میرے بال تو چھوڑ' حرامی!" لڑکی نے بلبلا کے کہا۔

"اپنے یار کو دوڑا دیا گشتی نے..... اب میرے یار کو الجھائے بیٹھی ہے۔" ان حد نے غصے میں ایک زوردار جھٹکا دیا تھا جس پر لڑکی چیخی تھی۔

میں اس طرح دھر لیے جانے پر شرمندہ تھا۔ میں نے ان حد کو سمجھانے کی کوشش کی۔

"جانے دے ان حد سنگھ! غلطی میری تھی۔ میں ہی اس کے چکر میں آ گیا تھا۔"

وہ ہنسا۔ اس نے بال پکڑے پکڑے لڑکی کو جیپ سے اتار دیا' پھر اسے چھوڑ دیا اور کولہے پر ڈھیلے ہاتھ کا دھپ مار کے بولا۔ "دوڑ جا ادھر سے..... رکی تو پچھتائے گی..... گشتی.....! تو میرے ٹائپ کی نہیں ہے۔ جے ہوتی میرے ٹائپ کی تو ابھی میں چھوڑنا نہیں تھا۔ مصروف کر لینا تھا تجھے۔"

لڑکی اسے بری زبان میں گالی دیتی کنج سے نکلی اور بھاگتی ہوئی ایک طرف چلی گئی۔

میں نے شرمندگی دور کرنے کی کوشش میں پوچھا۔ "کون تھا جسے اس لڑکی نے ہٹا دیا تھا۔ کوئی تھا ضرور جس سے پائپ لے کے یہ کھڑی ہو گئی تھی۔"

"وہی تھا۔ کھدڑا مونگ جو۔ ہماری جیپ آتے دیکھ کے اس نے پائپ اسے پکڑا دیا تھا۔ یہ برابر میں گھاس پر بیٹھی تھی۔ وہ اس لڑکی جیسے رنگین کپڑے پہنے تھا۔ ایک پل میں' میں نے اسے دیکھا' دوسرے ہی پل میں تقریباً ویسے ہی رنگین کپڑے والی یہ آ گئی۔ وہ گھاس پر لوٹ لگا کے جھاڑی میں گھس گیا اور بھاگ لیا۔"

"اب کہاں ہے وہ؟"

"میرے قابو میں۔ اب ذرا سرک کے بیٹھو۔ میں گاڑی چلاؤں گا۔" ان حد نے اسٹیئرنگ سنبھال لیا اور ہم بوگین ویلیا کے کنج سے نکل آئے۔

میرا سکھ سا تھی جیپ دوڑاتے ہوئے بہت سنجیدہ لگ رہا تھا۔ مجھے شرمندگی سی ہو رہی تھی۔ یہ مہم تو میری تھی اور میں کھیل میں لگ گیا تھا۔

ہم ولا کے پچھواڑے پہنچ گئے تو ان حد سنگھ نے گاڑی روک دی' پھر ہلکا سا قہقہہ لگا کے بولا "شیر کھان! یارا پہلی ویری پتا لگیا کہ توں وی مرد کا بچہ ہے۔ لڑکی شڑکی وچ دلچسپی لے سگدا ہے۔"

میں نے کھسیا کے کہا۔ "چھوڑ یار۔"

اس نے کہا کچھ نہیں' شرارت میں ایک بار اور ٹھٹھا مارا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

گاڑی سے اتر کے ہم ولا کے عقب میں بنے ملازموں کے کوارٹروں کی طرف بڑھ رہے تھے۔ یہ اونچے درختوں سے گھرا بے رنگ سا علاقہ تھا۔ مجھے یاد آیا' یہیں ایک کوارٹر میں جائیداد کے مالک مونگ لی صاحب نے مونگ جو کھسرے کے کزن یا مالشیے اس لڑکے "کے کے" کو رہنے کی اجازت دے دی تھی۔

"کے کے" والے کوارٹر کے برابر ہی ولا کا کک رہتا تھا۔ پہلی بار جب ہم یہاں آئے تھے اور جس وقت اس مالشیے کے کوارٹر کی تلاشی لینے جا رہے تھے تو کک کی نوجوان لڑکی ہمیں دیکھ کے رک گئی تھی۔ کوارٹر سے لوٹتے ہوئے بھی وہ ہمیں چھپ کے دیکھتی رہی تھی۔ میں نے سوچا' اب جو واقعات ہو رہے ہیں' اس بات کا ثبوت ہیں کہ یہ لڑکی شروع ہی سے اس پورے قصے میں شامل ہے۔

ان حد سنگھ مجھے لے کر سیدھا مالشیے "کے کے" والے کوارٹر کے سامنے جا پہنچا۔ کوارٹر میں تالا پڑا تھا۔ ان حد نے رازدارانہ ایک دبا ہوا قہقہہ لگایا اور جیپ سے چابی نکال کے تالا کھول دیا۔ وہ مجھے اندر لے گیا۔ پہلی چیز جس نے کوارٹر میں پہنچتے ہی ہمارا استقبال کیا' مونگ جو ہیجڑے کے سینٹ کی تیز خوشبو تھی۔

دوسرا منظر جو میں نے اس کوارٹر میں دیکھا خاصا عبرت دلانے والا تھا مگر دیکھ کے ہنسی بھی آتی تھی۔

شوخ رنگوں کی پھول دار بش شرٹ اور انڈے جیسی سفید چست پتلون پہنے مونگ جو ہاتھ پیر بندھا لوہے کے بھاری پلنگ سے جڑا ہوا فرش پر بے بس پڑا تھا۔ ان حد سنگھ نے مونگ جو کے منہ میں کپڑا ٹھونس کے ڈھاٹا سا باندھ دیا تھا اور اب ہمارے داخل ہوتے ہی اس نے بے بسی سے ہلنا جلنا اور حلق سے غوں غوں کی آوازیں نکالنا شروع کر دیا تھا۔ ان حد نے آتے ہی دو کرسیاں فرش پر پڑے مونگ جو کے پاس کھینچ لیں۔ مجھے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے خود ایک کرسی سنبھالی اور اس سے بولا۔

"سن بئی کھسرے! میں بندہ ہوں کھڑپینچ قسم کا۔ ساتھ میں بدمعاش اور ظالم بھی بہت جیادہ ہوں۔ اس وقت ہم تیرے سے بات کرنے آئے ہیں۔ جے سیدھی طرح بات کرے گا تو خیر ہی خیر ہے' تو نے اگر شور مچایا۔ نکھرے باجی (نخرے بازی) کی تو میں تیرے ساتھ یہ سلوک کراں گا۔" یہ کہتے ہوئے ان حد نے اچانک کھسرے کے پیٹ میں لات ماری۔

"غوا!" کی آواز کرتا ہوا مونگ جو کھٹکے کے چاقو کی طرح ایسے بند ہو گیا کہ

حیرت ہوئی۔ لگتا تھا پیٹ میں کوئی سوئچ تھا جسے لات مار کے بند کیا گیا ہے۔

ان حد بولا "جے آرام نال گل بات کرے گا' تے ہم انعام دیاں گے۔ لی صاحب سے کہہ کے تیری تنکھا (تنخواہ) بڑھوا دیاں گے..... بول شور تو نہیں کرے گا؟"

مونگ جو نے تیزی اور مستعدی سے نفی میں سر ہلایا۔ ان حد نے اس کا ڈھاٹا کھول دیا اور منہ میں ٹھنسا کپڑا نکال لیا۔

وہ گہرے گہرے سانس لیتا' پھر مار کھائے ہوئے پلے کی طرح کوں کوں کر کے رونے لگا۔ ان حد نے مارنے کو پھر پیر اٹھایا۔ 'کھسرے نے "ناں ناں' ناں ناں۔" کرتے ہوئے اپنی آواز بند کر لی۔ ان حد نے اسے کک نہیں ماری' کہنے لگا۔ "ہاں۔ پر صئی ہے۔" مجھے مخاطب کر کے بولا۔ "یہ کھسرا اپنی بے بے..... اس کک کی بیٹی کے ساتھ باہر لان پہ کھڑا تھا۔ میری جیپ کو پہچانتا ہے۔ اندھیرے اجالے میں آتی ہوئی جیپ دیکھ کے سمجھ گیا کہ ہم لوگ آ رہے ہیں' فوراً ہی گھاس پر بیٹھ گیا اور ادھر بیٹھی ہوئی لڑکی کو پائپ تھما کے کھسک گیا۔ میں نے اسے جھاڑی کی اوٹ کے بھاگتے دیکھ لیا تھا۔ خاموشی سے پیچھے پیچھے آ کے اسے نوکروں کے کوارٹروں کی طرف بڑھتے دیکھا۔ یہ اپنے بھائی اس "کے کے" مالشیے کے کمرے میں چھپ گیا۔ ساتھ میں آپ کا کھادم ان حد سنگھ بھی چلا آیا۔ ادھر ہی اس کو باندھ کے ڈال دیا۔ اب ایسا ہے کہ تسی آرام نال پوچھ گچھ کر سکتے ہو۔ کوئی ڈسٹرب نہیں کرے گا۔"

میں نے پوچھا "مونگ جو! بتاؤ میرے بابا صمد بنگش صاحب کہاں ہیں؟"

مونگ جو نے فریاد کرتی آواز میں کہا "نہیں مالم۔ تم یہ کیا بولتے ہو۔ میں تمہارا بابا کو نہیں جانتا۔"

ان حد سنگھ نے بہت بے تکلفی سے دوبارہ اس کی پنڈلی پر اپنے بوٹ کی ٹھوکر ماری۔

کھسرے نے تکلیف کی آواز نکالی تو اس نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اشارہ کیا کہ آواز نہیں ہونی چاہیے۔

میں نے پھر پوچھا "صمد بنگش صاحب کہاں ہیں؟"

وہ گھگھیا کے کہنے لگا "مستر کھان! آپ منگیش کا نام صئی نہیں لیتے ہو۔ منگیش موسلمان کدھر ہے؟ وہ میرا ماما ہے۔ بدھسٹ ہے' وہ ادھر ہی ہے۔ آپ بولو گے تو ابی ملا دے گا۔ ہاں؟"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

میں نے کہا "میں کسی بدھسٹ کا نہیں..... تیرے ماما کا نہیں پوچھتا ہوں۔ میں اپنے بابا صمد بنگش صاحب کا پوچھتا ہوں جو ٹریکٹر ٹرالی کے کسی ایکسیڈنٹ میں زخمی ہو گئے تھے..... جنہیں زوبر میاں کے ڈاکٹر کے پاس بھیجنے کا ٹیلی فون ہوا تھا۔ وہ زخمی کہاں ہے.....؟"

"کھان صاحب! میرا ماما منگیش کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ وہ ابھی ٹھیک ہے۔"

میں نے ان حد کی طرف دیکھا۔ ان حد نے کرسی سے اٹھ کے اپنی پتلون میں لگی چمڑے کی بھاری بیلٹ کھولنی شروع کر دی۔ اس نے شاید تفصیلی پٹائی کا منصوبہ بنالیا تھا یا صرف ڈرانا چاہتا تھا۔

مونگ جو نے گھگھیاتے ہوئے "ناں ناں ناں" کہنا شروع کر دیا' بولا "جیسا کسم چاہیے وہ میرے سے لے لو۔ میں سچ بولتا ہوں۔"

وہ جس طرح دہشت زدہ ہو کے کہہ رہا تھا' اس سے اس خیال کو تقویت پہنچی تھی کہ جھوٹ نہیں بول رہا مگر یہ پریشانی والی بات تھی کہ بابا کے بارے میں ایک اطلاع ملتی ہے اور اب وہ خبر مشکوک ہو چکی ہے۔ میں نے ان حد کو مار پیٹ سے منع کر دیا۔ پھر بھی اس مونگ جو کے بیان کی پوری تحقیق ضروری تھی۔ میں نے کہا "وہ جو تیرا ماما منگیش ہے' ہم اسے دیکھنا چاہتے ہیں۔"

مونگ جو بولا "میرے کو کھول دو' میں منگیش کو دکھا دیں گا۔"

میں نے ان حد کو اشارہ کیا۔ آپس میں مشورہ کرنے کی غرض سے کوارٹر سے باہر آ گئے۔ ان حد کا خیال تھا کہ یہ "سورا کھدڑا" جھوٹ بک رہا ہے۔ میں نے مشورہ دیا کہ اس کے بیان کی تصدیق کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ان حد نے کہا "ٹھیک ہے مگر میں اس کے ہاتھ باندھ کر رکھوں گا۔ سورا بھاگنے کی کوشش تو نہیں کرے گا۔"

جیسا کہ طے ہوا تھا' ہم نے مونگ جو کو لوہے کے پلنگ سے آزاد کر کے اس کے پیروں کی رسی کھول دی اور اسے کوارٹر سے باہر لائے۔

وہ مسلے مسلائے' مٹی لگے کپڑوں کے ساتھ پشت پر ہاتھ بندھے باہر آیا تو ولا کے اکا دکا نوکروں نے رک کے حیران ہو کے ہمیں اور اسے دیکھا۔ ان حد سنگھ نے ہاتھ کے اشارے کیے کہ وہ جائیں' اپنا کام کریں۔ ایسے کیا دیکھ رہے ہیں؟ مونگ جو بڑبڑانے لگا۔ "یہ لوگ کا سامنے میرے کو ڈس آنر (بے عزت) کیا ہے۔ ابی آپ لوگ میرے کو شوٹ کر دو تو اچھا ہے۔"

ان حد نے آرام سے کہا "جے مارنی پوی تے گولی وی ماراں گے' پروا نہیں کر۔"

وہ ہمیں ولا کے دوسرے رخ بنی بارکوں میں لے گیا۔ وہاں ہمارے پہنچنے کے دو منٹ بعد ہی چینی ہاؤس کیپر اور ٹمبر اسٹیٹ کا مالک بوڑھا مونگ لی صاحب بھی آ گئے۔

لی صاحب پریشانی میں آیا تھا۔ ایک جملے میں وہ ہمیں خوش آمدید کہہ رہا تھا اور دوسرے جملے میں پوچھ رہا تھا کہ ہم دونوں کو کس بات کی پریشانی ہے؟ مطلب یہ کہ ہم نے مونگ جو کو کیوں باندھ کے رکھا ہے؟

بڑے میاں ان حد سنگھ کے تیور پہچانتے تھے' اس لیے جب ان حد نے کہا کہ انکل آپ جائیے' مجھ پر بھروسا کیجیے۔ میں ایک گھنٹے میں آ کے پوری تفصیل بتا دوں گا تو وہ اپنی چینی ہاؤس کیپر کے ساتھ چلے گئے۔ جانے سے پہلے اسٹاف سے یہ ضرور کہہ گئے کہ مسٹر سنگھ صرف ہمسائے نہیں ہیں بلکہ ان کے بیٹے کی طرح ہیں اور وہ جو اتنے ناوقت آئے ہیں اور اس قدر اشتعال میں ہیں تو یقیناً اس کی کوئی وجہ ضرور ہو گی۔

ولا کے اعلیٰ درجے کے ملازموں یعنی خانساموں' پلمبروں' بجلی کا کام کرنے والوں' مکینکوں' بڑھیوں کے بعد جو نچلے درجے کے مزدور اور عام صفائی والے نوکر تھے' وہ ان سادہ بارکوں میں رہتے تھے۔ آٹھ دس آدمیوں کے سوا یہ سبھی نچلے ملازم اپنے کام سے لگے ہوئے تھے۔ ان آٹھ دس لوگوں کو جو بارکوں کی صفائی اور اپنے ساتھیوں کا کھانا پکانے کے کپڑے دھونے میں مصروف تھے' ان حد نے ہدایت کی تھی کہ جو کر رہے ہیں' وہ کرتے رہیں۔ ہماری پروا نہیں کریں۔

مونگ جو ہمیں لیے ہوئے ایک بارک میں گھسا۔ پہلے ہی ہال میں داخل ہو کر ہم نے دیکھا کہ ایک قطار میں لوہے کی چارپائیاں بچھی ہیں۔ کونے والی چارپائی پر ادھیڑ عمر کا ایک آدمی تولیے سے بنا میلا سا گاؤن پہنے سیدھا ہاتھ سلنگ پٹی میں لٹکائے لوہے کے سرہانے سے ٹیک لگائے' بری زبان کا اخبار پھیلائے اونگھ رہا تھا۔ ہم پر شور طریقے سے بارک میں داخل ہوئے تھے تو وہ اس آواز سے چونک پڑا تھا اور اب اپنے بائیں ہاتھ سے اخبار تہہ کر کے ایک طرف ڈال رہا تھا۔

مونگ جو نے اسے آواز دی اور بری میں کہا "ماما! یہ لوگ تیرے سے ملنے آئے ہیں۔"

اس کے ماما نے پہلے نیم خوابیدہ آدمی کی طرح "ہہ؟" کہہ کر آنکھیں

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

پٹپٹائیں' پھر کہنے لگا "میرے سے..... کیوں؟"

اس کی بر می "خالص" نہیں تھی۔ مشرقی پاکستان کی سرحد سے ملنے والوں کی زبان تھی۔ ہمیں بنگال کے لہجے کی چمک صاف سنائی دی' وہ بولا۔ "میں ان لوگوں کو نہیں جانتا۔ یہ کیا چاہتے ہیں؟ کون ہیں؟"

ان حد نے کھرے لہجے میں کہا "ہم سرکاری لوگ ہیں۔ بڑی اونچی سرکار سے ہمارا تعلق ہے۔ جو بولے سو نہال! ست سری اکال!"

سلنگ میں ہاتھ لٹکائے آدمی نے پھر آنکھیں پٹپٹائیں' اپنے بھانجے سے پوچھا "یہ لوگ نے تیرے کو باندھا کیوں ہے؟"

ان حد نے درشتی سے کہا "بولا نہیں۔ ہم سرکاری آدمی ہیں جس کو جی کرے باندھ سکتے ہیں۔"

مونگ جو نے فوراً ہی کہا "ماما! یہ دونوں آدمی کو اپنا نام بتا۔"

"منگیش! تیرے ہاتھ پہ پٹی' سلنگ کیوں ہے؟"

کہنے لگا "ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔ ٹریکٹر ٹرالی الٹ گئی تھی۔"

"کب؟" ان حد نے پوچھا تھا۔ وہ اب اس کے دائیں طرف جا کھڑا ہوا تھا۔

ماما نے..... یا وہ جو بھی تھا' جھٹکے سے اپنا سر ان حد سنگھ کی طرف گھمایا' بولا "دو ویک..... پندرہ دن ہو گیا۔"

"کتنا؟" یہ بھی ان حد کا سوال تھا مگر وہ اب ماما کے بائیں ہاتھ کی طرف پہنچ گیا تھا۔

ماما نے جواب دینے کے لیے اب جھٹکے سے بائیں رخ اپنا سر گھما لیا "بولا نا پندرہ دن۔"

"بکواس کرتا ہے بھینی!" ان حد نے کڑک کے کہا اور جوڈو جیسا کھڑا ہاتھ اس کے زخمی ہاتھ پر مارا۔

میں سمجھ رہا تھا' وہ تکلیف سے چیخ پڑے گا مگر ان حد نے چیک کر لیا تھا کہ زخمی نہیں ہے' مکر کرتا ہے۔ اب اس نے منگیش نے یا جو بھی اس کا نام تھا' سلنگ سے اپنا پٹی بندھا ہاتھ نکالا اور بنگلا زبان میں گالی دیتے ہوئے تکیے کے نیچے پہنچا دیا۔

ان حد نے چیخ کے خبردار کیا۔ میں نے جھپٹ کر تکیے کی طرف چھلانگ لگائی۔ میری چھلانگ سے لمحہ بھر پہلے کسی نے بارک کے باہر سے فائر کر دیا تھا۔ گولی میرے سر

سے ایک ڈیڑھ انچ کے فاصلے سے گزری تھی۔ مجھے یقین ہے اتنا ہی فاصلہ ہو گا' کیوں کہ تھپڑ میں نے بہت شدت سے محسوس کیا تھا۔ میں نے دیوار کا پلستر اکھڑتے دیکھا۔ تکیے پر میرا ہاتھ اس طرح جا پڑا تھا کہ "منگیش مامے" کی کلائی کی ہڈی پر میرے کھڑے پنجے کی ضرب پڑی تھی اور اس نے تکلیف سے بے چین ہو کے ہاتھ ہٹا لیا تھا۔ تکیے کے نیچے اعشاریہ تین دو کا ایک کومپیکٹ پسٹل تھا جو اب میری گرفت میں تھا۔ میں نے پستول سنبھالتے ہی کھسرے کے "مامے" کو گریبان سے پکڑ کے اپنے اور فائر کرنے والے کے بیچ کر لیا۔

باہر سے پھر ایک فائر ہوا جس پر پلنگ کے نیچے سے کھسرے کی گھگیاتی ہوئی پرجوش آواز آئی۔ "او حرامی! گولی مت چلا رے' اس نے مجھے ڈھال بنا لیا ہے۔" وہ اپنے باہر والے ساتھی سے کہہ رہا تھا۔

خوب! ان حد سنگھ نے اس بدمعاش کھسرے کو قابو کر کے ڈھال بنایا ہوا ہے۔

میں نے تعریفی نعرہ لگایا۔ "ویل ڈن! ان حد سنگھ! میں نے اس کے ماما کو ڈھال بنایا ہے۔ اس کا پستول بھی قابو کر لیا ہے۔"

شقت کی آواز کرتے ہوئے ان حد سنگھ نے اس کھسرے کو لاتیں مار مار کے پلنگ سے باہر کر دیا' پھر چیخ کر اپنی سکھوں والی پنجابی میں کہنے لگا کہ خان مجھے کور دنا۔ میں اس باہر والے کو پکڑتا ہوں۔ تم اس کھسرے کو ادھر ہی روک کے رکھو۔

میں نے پے در پے دو فائر باہر کی طرف جھونک دیئے۔ ان حد سنگھ میرے فائر کے کور میں باہر کی طرف ڈپٹ گیا۔ مونگ جو کھسرا اپنے سر پر سے گزرتے فائروں سے دہشت زدہ ہو کے رونے لگا تو میں نے اسے خبردار کیا "ہلنا مت مونگ جو! نہیں تو اگلی گولی تیری گردن میں مار دوں گا۔"

اس نے فرش پر جھکے جھکے دونوں ہاتھ اٹھا دیئے۔ "نہیں نہیں کھان صاحب! میں ہلوں گا نہیں۔"

اب وہ ماما کچھ کسمسانے لگا تھا تو میں نے اس نقلی زخمی کے سر پر پسٹل کا اسٹوک مار کر اس کا سر پھاڑ دیا۔ اس طرح احتیاطاً اسے اصلی زخمی بنا دینے کے بعد باہر ان حد سنگھ کو سپورٹ دینی ضروری تھی۔ میں اس نئے زخمی کے ڈھیلے ڈھالے بدن کو پلنگ پر چھوڑ کر کھسرے کے سر پر چھلانگ مار کر اسے گراتا ہوا فرش پر آیا' پھر میں نے بارک کے دروازے سے نظر آتے آسمان کی طرف ایک فائر اور کر دیا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

باہر سے ان حد سنگھ کی آواز آئی "ٹھیک ہے شیر کھان! آجاؤ۔"

باہر وہ اپنا پسٹل سیدھا کیے ایک گھٹے ہوئے بدن کے بدمعاش کو ہاتھ اٹھوائے قابو میں لیے کھڑا تھا۔ بدمعاش کے سیدھے ہاتھ میں ابھی تک اس کا ریوالور تھا مگر اس طرح کہ گویا کھونٹی سے لٹک رہا تھا۔ ٹریگر کا کور اس کی انگلی میں پرویا ہوا تھا۔

میں نے بڑھ کے اس کے ریوالور کو قابو کیا اور اسی کی گردن میں پڑے ریشمی مفلر سے ہاتھ باندھ کے اسے ٹھیلتا ہوا پارک میں لے آیا اور مونگ جو کے برابر فرش پر بٹھا دیا۔

ان حد نے کہا "شیر کھان! تم ان دو بدمعاشوں کو ادھر ہی روکو' مجھے باہر ایک اچھی چیز نظر آئی ہے۔ وہ میں اس مونگ جو کو دکھانے لے جا رہا ہوں۔ آؤ مونگ جو! دوست تمہیں کھو کی سیر کرائیں۔ کھو سمجھتے ہو؟ کنواں' کنواں۔"

ان حد نے ہاتھ بندھے کھسرے کو اس کی پھول دار قمیص کے کالر سے پکڑ کر اٹھایا اور ٹھڈے مارتا ہوا اسے باہر لے چلا۔ کھسرے نے "ناں ناں.....ناں ناں' کرنا شروع کر دیا تھا۔ وہ گڑگڑا رہا تھا اور جانا نہیں چاہتا تھا مگر بے بس تھا۔

اگلے پندرہ منٹ میرے لیے ایسے تھے جیسے میں ریڈیو کے سامنے بیٹھا کوئی سنسنی خیز ڈراما سن رہا ہوں یعنی سنائی سب کچھ دے رہا تھا' نظر کچھ نہیں آتا تھا۔

باہر کی آوازوں سے واقعات ضرور سمجھ میں آرہے تھے اور جو واقعہ سمجھ میں آیا' یہ تھا کہ ان حد سنگھ نے اسے ڈول چرخی سے باندھ کے آہستہ آہستہ کنویں میں اتارنا شروع کیا تھا۔ وہ برابر خوشامدیں کر رہا اور گڑگڑا رہا تھا مگر ان حد کا اصرار تھا کہ "کھو کی سیر تو ضرور کرانی ہے۔"

شاید دو تین بار اسے پانی میں ڈبکیاں دے کر اور اوپر اٹھا کے ان حد نے اس سے پوچھا ہوگا کہ آخر میں وہ سچی سچی باتیں بتانے کے موڈ میں آگیا۔ مونگ جو نے ہاں ہاں نہیں نہیں کرنے کے بعد اپنی ماں کی قسمیں کھائی تھیں کہ وہ سب کچھ ٹھیک ٹھیک بتا دے گا۔ "مسٹر سینگھ" اسے پانی میں نہیں ڈبوئیں۔

آوازوں سے پتا لگا کہ ان احد نے احتیاطاً اسے رسی ڈھیلی چھوڑ کے آدھے پون منٹ کے لیے ڈبونے بھی دیا ہے تاکہ اسے یہ موت کا منظر یاد رہے' پھر نکال کر اس بھیگے چوہے کو کالر سے پکڑ کر کھینچتا ہوا واپس پارک میں لے آیا۔

مونگ جو زمین پر گھسٹتا روتا خوشامدیں کرتا آیا تو اس کا نقلی ماما اور وہ ہٹا کٹا گرگا

بہت متاثر ہوئے۔ ان حد نے انہیں دکھا کر ایک بار بری زبان میں پوچھا "تم ایسے آدھے مرد کے لیے اپنی جان خطرے میں ڈال رہے تھے جسے نہانے سے بھی ڈر لگتا ہے؟ لعنت ہے!"

ان حد نے زخمی ماما کو جس کے سر سے خون بہہ کر جم گیا تھا اور اس دوسرے ہٹے کٹے گرگے کو خوب اچھی طرح رسی سے باندھ کے پارک کے دور کے گوشے میں پھینک دیا۔ میری ڈیوٹی یہ تھی کہ میں ادھر ان حد کی تفتیش پر کان لگائے رہوں۔ مونگ جو کے بیان کو بغور سنوں اور گرگے سے چھینے ہوئے طاقت ور ریوالور سے دور کونے میں پڑے بدمعاشوں کو اپنی زد میں بھی رکھوں۔"

ان حد نے کھسرے سے پوچھا "ہاں جی کھدڑے جی! آپ میرے دوست کے والد صمد بنگش صاحب ہوری کو جانتے ہو؟"

بھیگے ہوئے مونگ جو نے کپکپاتے ہوئے کہا "یس سر! جانتا ہوں۔"

"بنگش صاحب کہاں ہیں؟"

"صحیح تو پتا نہیں.....مارنا نہیں.....مارنا نہیں سر! ہم نے ادھر سے بارہ دن پہلے اس کو.....بنگش صاحب کو رنگون بھیج دیا تھا۔"

میرا دل بے تابی سے دھڑکنے لگا۔ "وہ زخمی تھے.....اب کیسے ہیں؟"

مونگ جو میری طرف متوجہ ہوا "وہ تمارا بابا اب ٹھیک ہوگا۔ میں نے بینڈیج کر دیا تھا۔"

میں نے پوچھا "چوٹ کیسے لگی تھی؟"

مونگ جو بے بسی سے ان حد کو دیکھنے لگا۔ ان حد نے اپنے ریوالور والے ہاتھ کو گردش دے کر اس کی حوصلہ افزائی کی کہ وہ رکے بغیر اپنی بات کا جواب دیتا رہے۔

مونگ جو نے آہستہ سے کہا "میری مس ٹیک (غلطی) سے بنگش صاحب زخمی ہوا تھا۔"

"کیسی مس ٹیک؟"

مونگ جو نے ان حد کی طرف سر گھمایا اور بولا "آپ ڈگ گسا نہیں ہونا۔ وہ صاحب ہمارا بات نہیں مانتا تھا' بس ہرٹ ہو گیا۔"

ان حد نے اسے کس کے ایک ٹھڈا مارا "کیسے ہرٹ ہو گیا' کھل کے بتاؤ سورے!"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کھسر ارونے لگا۔ ان حد نے پھر ایک لات ماری' پوچھا "تو نے جکھمی کیا بنگش صاحب کو؟"

اپنے بابا پر اس بزدل زنانے کے تشدد کی تفصیل سننا مجھے اچھا نہ لگا' میں نے ان حد سنگھ کو منع کر دیا کہ یہ سب نہ پوچھو' آگے چلو۔ اس نے گالی دیتے ہوئے ایک اور ٹھڈا مارا اور پوچھا "رنگون میں بابا صاحب کس جگہ' کس کے پاس ہیں؟"

وہ بولا "سر! میں چھوٹا آدمی ہے' میری پاور کوئی کھاص (خاص) نہیں ہے۔ رنگون میں ایک سنتر ہے' اس کا سارا ست اپ ہے۔ وہ ہر کام کا مجھے پے منت کر دیتا ہے۔ میں ادھر کوشش ترائی کرتا ہے۔ اگر کام ہو گیا تو پے منت مل جاتا ہے۔ منتر صاحب کھش ہو جاتا ہے۔ کام نہیں ہوا تو پیسا نہیں ملتا۔ صاحب الگ گسا ہوتا ہے۔"

میں نے پوچھا "بنگش صاحب کو ادھر کون لایا تھا؟"

مونگ جو بولا 'ایسٹ پاکستان کا ایک بزنس مین ہے مستر سلسیل چودھری۔"

اوہ! مسٹر چودھری! مجھے سن کر حیرت کیوں ہوتی؟ مجھے معلوم تھا وہی بد معاش سلسیل چودھری اپنے منصوبے کی تکمیل کے لیے بابا کو برما میں لے کر آئے گا۔

"سلسیل چودھری میرے بابا کو تیرے پاس کیوں لایا تھا؟"

"سیف کیپنگ کے لیے...... مطلب میں حفاجت (حفاظت) سے ان صاحب کو ادھر رکھتا' پھر جب چودھری بولتا' چھوڑ دیتا۔"

ان حد نے کہا "اچھا تو ادھر تو نے پرائیویٹ جیل بنا رکھی ہے۔ انکل لی کی ٹمبر اسٹیٹ کا یہ حال کر دیا تم بد معاشوں نے۔"

ان حد اس کی پٹائی کرنے کو تھا مگر میں نے روک دیا۔

میں اب یہ سمجھنا چاہتا تھا کہ کیا مونگ جو میرے بابا کو اپنے پاس روکے رکھنے کے لیے سلسیل چودھری سے پیسے لے رہا تھا یا ڈیوٹی اس کے باس برمی منسٹر کی طرف سے لگائی گئی تھی؟

میں نے مونگ جو سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ یہ کیس تو اس نے اپنے طور پر ہاتھ میں لیا تھا مگر جب اس کے باس منسٹر نے مجھے یعنی شیر خان کو تلاش کرنے کا کام اس کے سپرد کیا اور ادھر ادھر کی رپورٹوں سے اور سلسیل چودھری سے سوال و جواب کرنے پر اسے معلوم ہو گیا کہ میں شیر خان صمد بنگش صاحب کا بیٹا ہوں تو مونگ جو نے فوراً اپنے باس منسٹر کو ٹیلی فون کیا۔

تفصیل سناتے ہوئے وہ کہنے لگا "فون پر ہی منتر نے شور کیا تھا کہ بڈھے بنگش صاحب کو ادھر رنگون بھیجو' اس لیے کہ اس کے بیٹے شیر کھان نے برمیز گورمنت سے بہت جیادہ دھوکا کیا ہے۔ وہ بولا "شیر کھان تو برما کی جیل سے بھاگا ہوا ہے۔"

میں نے پوچھا "تیرے اس منسٹر کا نام کیا ہے جس کے پاس میرے بابا کو بھیجا گیا ہے؟"

مونگ جو نے جو نام بتایا' وہ اسی منسٹر کا تھا جس سے کونٹی نینٹل ہوٹل کے منیجر مدن بسولا نے میرا' کوسومی کا اور اس کے دادا جی کا جعلی پاسپورٹ بنوایا تھا اور جو اب سرکاری عتاب میں آ گیا تھا۔ رنگون جیل سے میرے فرار ہونے اور دوبارہ بدھ وہار میں گھیر لیے جانے اور پھر وہاں سے بھی نکل جانے سے ویسے تو پوری سرکاری مشنری ہل کے رہ گئی تھی لیکن جو دھچکا اس جعلی پاسپورٹ والے وزیر نے پہنچایا اور خود اسے پہنچا تھا' اس کی شدت کو تو وزیر بھی خوب سمجھتا تھا۔ دوسرا کوئی اندازہ بھی نہیں لگا سکتا تھا۔ بابا کو قابو میں کر کے وزیر نے سمجھو' مجھے قابو میں کر لیا تھا۔ انتقام لینے' تباہ کرنے کے لیے۔

کونٹی نینٹل ہوٹل سے فرار ہوتے وقت مجھ پر جو جال پھینکا گیا تھا' اب اس میں میرے بابا آ چکے تھے۔ میں بے بسی اور جھنجھل میں اٹھ کے ٹہلنے لگا۔

قابو میں آئے ہوئے اس دشمن سے زیادہ سے زیادہ یہی معلوم ہو سکا تھا کہ بابا رنگون میں ہیں۔ میں نہیں سمجھتا تھا کہ آگے یہ ہماری معلومات میں کچھ اور اضافہ کر سکے گا۔

میں ٹہلتے ہوئے سوچتا رہا کہ آگے کیا کرنا ہے۔ فطری طور پر میں اپنے بابا کی طرف سے پریشان تھا اور کسی نہ کسی طرح رنگون پہنچنا چاہتا تھا۔ اسی بارے میں سوچے جا رہا تھا۔

ان حد کا ذہن اس طرح کے دباؤ میں نہیں تھا جیسے دباؤ سے میں گزر رہا تھا۔ وہ ٹھنڈے دماغ سے سوچ رہا تھا۔ اس نے سب چیزیں ترتیب سے یاد رکھی تھیں۔ اسے دونوں لڑکیاں رشنا اور روکسانہ بھی یاد تھیں۔ انہی کو تو تلاش کرتے ہوئے ہم ٹمبر والوں کے اس علاقے میں آگے تک نکل گئے تھے۔

ان حد نے مونگ جو سے پوچھا کہ ہاں جی اب لڑکیوں کے بارے میں بتاؤ جنہیں اسٹیشن ویگن والے سرکس سے اغوا کر کے اس علاقے میں لائے ہیں اور یہ بات پوچھتے ہوئے اس نے اپنی عادت کے مطابق مونگ جو کو احتیاطاً ایک لات بھی رسید کر

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

دی تھی تاکہ وہ کسی طرح کی عیاری نہ کرے اور سچ سچ بتادے کہ لڑکیاں کہاں ہیں۔

مونگ جولات کھا کے دھیرے سے مسکرایا' بولا "سر! لڑکیوں کی سیفٹی اور حفاجت کا میں آپ کو یقین دلاتا ہوں اور آپ سے سودا کر سکتا ہوں۔"

ان حد نے کہا کہ سورے! خود تیری حفاظت اور سیفٹی کا یقین نہیں دلایا جا سکتا تو کیا کوئی سودا کرے گا؟ پھر بھی ان حد نے کہا "بکو کیا بک رہے ہو؟"

مونگ جو نے سیدھی سی بات کم سے کم لفظوں میں کہہ دی۔ جو یہ تھی کہ میں لڑکیاں صحیح سلامت آپ کے حوالے کر سکتا ہوں' آپ مجھے سلامتی کے ساتھ مونگ لی صاحب کے جائیداد سے نکل جانے دیں۔ کہنے لگا "میرے پاس میری اپنی کار ہے۔ بس کار کی ٹنکی فل کرا کے میں ہائی وے پہ نکل جاؤں گا.....اگر آپ لوگوں کا پرمیشن ہوئی تو۔"

دس پندرہ منٹ اس میں اور ان حد سنگھ میں بحث ہوتی رہی۔ ان حد اسے پولیس کے حوالے کرنا چاہتا تھا۔ بدمعاش مونگ جو نے کہا کہ اگر سردار جی اپنا پولیس کچہری کا شوق پورا کریں گے تو لڑکیاں جان سے جائیں گی کیونکہ صرف تین آدمیوں کو ان کے چھپائے جانے کی جگہ معلوم ہے۔ خود مونگ جو' کک کو اور کک کی بیٹی کو۔ کک کی بیٹی اور کک آدھے گھنٹے پہلے نکل چکے ہیں۔ اب صرف مونگ جو کو معلوم ہے کہ دونوں لڑکیوں کو کہاں بند کیا گیا ہے۔ مونگ جو کو کچھ ہو گیا تو لڑکیوں کا پتا اس وقت چلے گا جس وقت اگلے ہفتے ان کی لاشوں سے تعفن اٹھے گا یا ممکن ہے اس وقت بھی پتا نہ چلے کیونکہ جگہ کافی ایئر ٹائٹ ہے۔ کھسرا بولا "ایک سو برس پیچھے کوئی لڑکی لوگ کا پنجر کھود کے نکالے گا' اس وکت بہت دیری ہو جائے گا۔"

ان حد سنگھ اس بلیک میلنگ پر غصہ ہو کے کھسرے کو مار پیٹ کرنا چاہتا تھا مگر میرے منع کرنے پر رک گیا۔ مجبوراً اس عیار غنڈے مونگ جو سے سودا کرنا پڑا۔

طے ہوا کہ مونگ جو کی جنگل میں چھپائی ہوئی کار اس کے ساتھ جا کر ادھر ولا میں لائی جائے گی۔ اس کی ٹنکی پٹرول سے فل کی جائے گی اور ٹمبر اسٹیٹ کے مالک مونگ لی صاحب کی ضمانت میں ایک ہاتھ سے لڑکیاں وصول کر کے دوسرے ہاتھ سے کھسرے کو اس کی کار کی چابی دیدی جائے گی۔ مونگ جو کی روانگی میں کسی قسم کی رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی کیونکہ لڑکیاں صحیح سلامت ہیں اور صحیح سلامت میرے یعنی شیر کھان بنگش کی سپردی میں دی جائیں گی۔

ان حد سنگھ نے بہت بک جھک کرنے کے بعد انکل مونگ لی کو بلوایا۔ بوڑھا لی

صاحب اپنی چینی ہاؤس کیپر کے ساتھ آیا۔ ان حد سے پوری بات سن کے سمجھو بے ہوش ہوتے ہوتے بچا۔ اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ کھسرا اتنا بڑا جرائم پیشہ نکلے گا۔ مونگ لی صاحب کے بڑھاپے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اور اس بات سے آئیڈیا لے کر کہ ان کا کوئی وارث ٹمبر اسٹیٹ میں موجود نہیں تھا' کھسرے نے یہ سازش تیار کی تھی اور اس عزت دار ٹمبر جائیداد کو اغوا اور دوسرے جرائم کا گڑھ بنا دیا تھا۔

بڑے میاں نے غصے میں بس ایک بات کہی کہ اگر وہ بودھ مذہب کے پیرو نہ ہوتے اور جاندار کی جان لے سکتے تو اس کھدڑے مونگ جو کو ابھی شوٹ کر دیتے۔ وہ اپنی ضمانت میں لڑکیوں کی بازیابی اور اپنے سابق ملازم مونگ جو کی جائیداد سے رخصتی کرانے پر رضامند ہو گئے تھے۔ کہنے لگے "میں کو اس باسٹرڈ مونگ جو سے کوئی انٹریسٹ (مطلب دلچسپی) نہیں ہے۔ یہ کتا ادھر سے چلا جائے تو میں کو سکون ملیں گا۔"

مونگ جو کی چھوٹی کومپیکٹ کار سرکاری ذخیرے میں بجلی کے ایک پرانے سب اسٹیشن میں زنگ آلود ٹرانسفارمر اور کاٹھ کباڑ کے پیچھے پلاسٹک کور میں سیل کی ہوئی رکھی تھی۔ پہلے وہ ٹوچین کر کے لائی گئی۔ مونگ جو کے کمرے سے اس کی طاقت ور بیٹری لائی گئی۔ کار میں لگائی گئی۔ لی اسٹیٹ کے پٹرول کے ذخیرے سے کار میں پٹرول بھرا گیا اور کوئی ایک گھنٹے بعد مونگ جو کی رہائی کی تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ اس نے اپنے سابق باس لی صاحب سے کہا کہ وہ مہاتما بدھ کی قسم کھا کر پھر ایک بار وعدہ کریں کہ لڑکیاں زندہ اور باہوش مل جائیں گی تو وہ کھسرے کو نکل جانے دیں گے۔ وہ یہ بھی قسم کھائیں کہ دو گھنٹے گزرنے سے پہلے پولیس یا سکیورٹی سے ہر بات چھپائی جائے گی اور خود ہم لوگ بھی نہ تو کوئی تعاقب پارٹی کھسرے کے پیچھے روانہ کریں گے' نہ خود جائیں گے۔

بوڑھے لی صاحب نے قسم کھائی اور کھسرے نے ان حد سے کہا کہ ٹھیک ہے' میں مطمئن ہوں۔ آپ مجھے لے کر کک کے کوارٹر میں چلیے۔ وہاں لڑکیوں سے ملاقات کراتا ہوں۔ رسیوں سے بندھا ہوا وہ بدمعاش اور ان حد سنگھ آگے آگے تھے۔ پھر میں اور لی صاحب' آخر میں چینی ہاؤس کیپر اپنی نوٹ بک پنسل سنبھالے ہوئے آ رہی تھی۔ میں اور ان حد سنگھ مسلح تھے۔ ان حد نے اپنا ہتھیار تیار کر کے کھسرے کی کمر میں گردوں کی جگہ لگا رکھا تھا۔ وہ کک کے کوارٹر کی طرف جاتے ہوئے دھیرے دھیرے اپنی مادری زبان میں بڑبڑا رہا تھا کہ ان حد سنگھ تو کھوتا مطلب گدھا ہے۔ تجھے پہلے ہی شک تھا کہ لڑکیوں کو کوارٹر کے پاس رکھا گیا ہے تو تو نے اس باسٹرڈ کھدڑے کو چنگی جئی مار لگا کے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اس سے اقبال جرم کیوں نہیں کرالیا؟

کک کا کوارٹر خالی تھا۔ سامان اس طرح بکھرا پڑا تھا کہ صاحب لگتا تھا' گھر والے جلدی میں فرار ہوئے ہیں۔ مونگ جو سب کو لے کر کچن سے ملے ہوئے اسٹور روم میں پہنچا۔ بظاہر عام سا اسٹور تھا' یہاں کپڑوں کی دو الماریاں بھی تھیں۔ برتنوں کے ریک' ٹوٹا ثابت فرنیچر' قالین وغیرہ سب بکھرے پڑے تھے۔ مونگ جو نے فرش پر پڑے قالین کے پہلے ٹکڑے کی طرف اشارہ کیا کہ اسے اٹھایا جائے۔ قالین کے ٹکڑے کو ہٹانے پر فرش میں لوہے کے فریم میں لوہے کا ایک دروازہ جڑا ہوا تھا۔ کھسرے کی بیلٹ میں چمڑے کا ایک وکی پرس لگا تھا جس سے اس نے ایک بھاری سی چابی نکال کے دروازہ کھولا۔ دروازہ بھاری تھا۔ مونگ جو کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے' اس لیے مجھے اور ان حد کو مل کر اٹھانا پڑا۔ خوب اچھی طرح تیل دیئے ہوئے دروازے کو اٹھانے سے کوئی شور تو نہ ہوا مگر یہ بھاری بہت تھا۔ مونگ جو ہنس کے بولا کہ کک سانڈ کی طرح مضبوط ہے' وہ تو اکیلا آرام سے دروازہ اٹھا لیتا ہے۔ ان حد کو اس کی یہ بات بری لگی' گالی دے کے بولا "تو اپنا گندہ منہ بند ہی رکھے تو اچھا ہے۔ نہیں چھترمار کے یہ گٹر بند کر دیاں گا سمجھا؟"

دروازہ کھلا تو سیمنٹ کی بدھی سیڑھیاں نظر آئیں اور ہمارے اترنے کی آواز سن کے اندر سے گونجتی ہوئی آواز آنے لگی۔ یوں لگتا تھا جیسے بہت سی شہد کی مکھیاں ابھی ابھی غصے میں اڑی ہیں۔

میں نے پکارا "رشنا!.....اے رشنا)"

مکھیوں کی بھنبھناہٹ ختم ہو گئی۔ اندر سے ایک لڑکی کی آواز آئی "کون؟"

میں نے پوچھا تو رشنا ہے؟ میں شیر خان ہوں.....رشنا کو بولو' شیر خان آگیا ہے۔ ہم نے سیڑھیاں اترنی شروع کر دی تھیں۔

اندر والی لڑکی نے کسی سے سرگوشی کی۔ پھر جو آواز آئی تو میں پہچان گیا۔ جس لڑکی نے برمی میں گالی دی' وہ رشنا تھی۔ کہنے لگی "جا جالیڈی بوائے سالا' کتا۔"

رشنا نے مجھے مونگ جو سمجھ کے غصہ کیا تھا۔ چیخ کے پھر کہنے لگی "ڈوب مر دھوکے باز!"

کھسرا ہنسا بولا "میں اس سے جوک کرتا تھا' اسی بات کا گسا کرتی ہے۔" وہ اونچی آواز میں کہنے لگا۔ "ہے لڑکی! تیرا شیر کھان آیا ہے۔"

سامنے اندھیرے میں کھسرے کی بات سن لی گئی۔ رشنا نے خوشی کی چیخ ماری

"ناں رے ناں۔ شیر کھان آگیا۔" اور وہ اندھیرے سے نکل کر لڑکھڑاتی خوشی کی کلکاریاں مارتی آئی اور مجھ سے لپٹ گئی۔

میں نے پوچھا "رشنا! تو ٹھیک ہے؟ ٹھیک ہے تو؟"

"ہاں رے بالکل ٹھیک۔ تو آگیا سردار' اب سب ٹھیک ہے۔"

ان حد سنگھ "لو جی۔ ادھر تو دو دو سردار ہیں۔ ایک ان حد سنگھ تو دو جا سردار شیر سنگھ.....مطلب اپنا شیر کھان پٹھان۔"

میں رشنا کا سر تھپتھپاتے اسے شانوں سے پکڑ کے روشنی میں لایا۔ وہ دبلی اور زرد ہو رہی تھی مگر مسکرا رہی تھی۔ "رشنا! روکسانہ کہاں ہے؟"

اندھیرے سے آواز آئی "ادھر۔" روکسانہ خود ہی کسی نوعمر لڑکی کو سہارا دے کر آگے آئی۔

سانپوں کے بادشاہ کی بیٹی روکسانہ ٹھیک تھی۔

میں نے اجنبی نوعمر لڑکی کے بارے میں پوچھا "یہ لڑکی کون ہے؟"

"رنگون سے لائے ہیں۔ ان کتوں نے اسے کب سے بند کر کے رکھا ہے.....دو لڑکیاں اور ہیں۔"

دھیرے سے مونگ لی نے کہا "مائی گاڈ۔"

کھسرا ہنسنے لگا جیسے ابھی ابھی اس کی کوئی شرارت پکڑی گئی ہے۔

ان حد نے خبردار کیا "ابھی توں ہنسنا نہیں او کھسرے! میں نے تیری پگی مروڑ دینی ہے۔" اس نے زوردار ہاتھ بھی گھمایا مگر مونگ جو تیار تھا' اس نے اپنا چہرہ تھپڑ کی زد سے ہٹا لیا۔

پانچوں لڑکیوں کو سہارا دے کر سیڑھیوں سے چڑھایا گیا۔ وہ دوسری تین لڑکیاں نہ معلوم کتنے دن سے بند ہوں گی۔ بہت دبلی' کمزور اور زرد ہو رہی تھیں۔ رشنا اور روکسانہ بھی کوئی بہت اچھی حالت میں نہیں تھیں مگر ان بیچاری لڑکیوں کی حالت تو ابتر تھی۔

مونگ جو نے اسٹور روم میں پہنچائے جانے پر کہا "سر! شیر کھان صاحب! ابھی آپ لڑکیوں کو ادھری روکو۔ پہلے باہر جا کے میرے کو رکھمت کرو۔ میں چلا جائے فیر لڑکی لوگ کو کوارٹر سے باہر نکالنا۔ ایگری منت یہی ہے۔ ہاں ماسٹر لی سر!"

لی صاحب نے جواب میں کہا "میں بدھسٹ ہے لیکن ابی بولتا ہوں تو تو جہنم

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

میں جاؤ' مونگ جو راسکل (مطلب بد معاش)

میں نے رشنا اور روکسانہ سے کہا کہ وہ لڑکیوں کے ساتھ ابھی وہیں ٹھہریں' چینی ہاؤس کیپر ان غریب قیدی لڑکیوں کے لیے فوری طور پر کچھ کھانے پینے کا سامان لینے دوڑ گئی۔ لی صاحب اور ہم دونوں اس لعنتی مونگ جو کو معاہدے کے مطابق اس کی گاڑی میں بٹھا کر آزاد کرنے کے لیے ولا کے بڑے ہاتھی گیٹ پر پہنچے۔

انتظام اس لیے تھا کہ ولا کے گیٹ سے ہائی وے تک جانے والی ڈرائیو پر سکیورٹی کی ایک چوکی تھی جس پر دو آدمی ہمیشہ موجود رہتے تھے۔ وہی مہمانوں کے آنے اور جانے کی خبر ولا میں پہنچاتے تھے۔ کھسرے کی نئی گاڑی جو کہ جنگل میں اسٹور کی ہوئی تھی کیونکہ ولا کے پچھلے دروازے سے اندر لائی گئی تھی' اس لیے ہائی وے والے گیٹ کی سکیورٹی کے لیے نئی تھی۔ وہ اسے نہیں نکلنے دیتے۔ اسی لیے یہ انتظام کیا گیا تھا کہ خود لی صاحب جا کر اس گاڑی کو سکیورٹی چوکی سے نکلوا دیں۔ کسی کو معلوم بھی نہیں ہو گا کہ نئی گاڑی کو (جس کے شیشے گہرے رنگ کے تھے) کون چلا کر لے جا رہا ہے۔ سکیورٹی چوکی والے تو بس اپنے مالک کو دیکھیں گے' ساتھ والی گاڑی پر توجہ نہیں دیں گے۔

ہم نے مونگ جو کے ہاتھ کھول دیئے۔ لی صاحب نے گاڑی کی چابی اس کے حوالے کی اور دونوں گاڑیاں سائیڈ سے سائیڈ ملائے ہوئے ولا کے ہاتھی دروازے سے گزر کر ڈرائیو پر نکل آئیں۔ سامنے کچھ دور پر ہائی وے تھی۔ ہائی وے اور ولا کے بڑے پھاٹک کے درمیان سکیورٹی کی چوکی اور بھری پائپ کی رکاوٹ والا ٹھیا تھا جہاں باریئر کا پائپ گرا ہوا تھا۔ ہماری گاڑی کی چوکی کی طرف والی کھڑکی سے مونگ لی صاحب نے جھانک کر سکیورٹی والوں کو اپنا چہرہ دکھایا اور ہاتھ کا اشارہ کیا کہ پائپ کی رکاوٹ ہٹا دی جائے۔ گاڑیوں کو نکلنے دیا جائے۔

رکاوٹ اٹھ گئی اور دونوں گاڑیاں گزر کر ہائی وے کی طرف بڑھ گئیں۔ اس طرح ہم نے اس بد معاش بلیک میلر کو ایک شریفانہ معاہدے کی اوٹ میں نکل جانے دیا۔ مجھے اس کا بہت دکھ تھا' تاہم ان لڑکیوں کی جان بچانے کے لیے یہ سب کچھ ضروری تھا۔ میں نے خود کو یہ کہہ کے بہلا لیا کہ مجبوری ہے مگر ان حد سنگھ ترکھان غصہ ور آدمی تھا' اسے مونگ جو کھسرے کا نکل جانا اتنا برا لگ رہا تھا کہ اسے بالکل چپ سی لگ گئی تھی۔ بہت کر رہا تھا تو وہ لی صاحب کے سوال کے جواب میں ہوں یا ہاں کہہ دیتا تھا۔ کھسرے نے سکیورٹی بیریئر سے نکلتے ہوئے ان حد کو ہاتھ ہلا کر خدا حافظ کا اشارہ کیا تو ان حد نے

بپھرے ہوئے سانڈ کی طرح ناک سے سانس لے کر دانتوں کے درمیان سے پھنکار کی سی آواز نکالی اور اپنی کپور تھلہ پٹیالہ چھاپ سکھا شاہی میں ایک گونجتی گرجتی ہوئی "گالی" نکالی.....ان حد سنگھ کی گالی کے ساتھ ہی ہماری گاڑی پر آندھی کے اولوں کی طرح گولیاں برسنے لگیں۔

گولیوں کی دھات سے ٹکرانے کی پنگ اور ان حد کی بپھری ہوئی گالیوں کے بیچ میں نے بوڑھے لی صاحب کی کمزور' ہائے کی آواز بھی سنی۔ انہیں گولی لگی تھی۔ ان حد نے اپنی گاڑی کو تیزی سے کاٹتے ہوئے ہائی وے سے اتار کر درختوں کے جھنڈ کی اوٹ میں روک لیا۔ ہم پر خود ہمارے اپنے میزبان کی سکیورٹی چیک پوسٹ سے گولیاں برسائی جا رہی تھیں۔ ان حد نے جھک کر لی صاحب کو دیکھا اور پھر اس نے اپنے ہیجان پر قابو پاتے ہوئے کم سے کم لفظوں میں مجھے بتایا کہ لی صاحب کے بازو میں گولی لگی ہے۔ خون روکنا ضروری ہے۔ فوری طور پر کچھ کرو' میں تم دونوں کو اتار کر چیک پوسٹ پر جوابی فائرنگ کرنے والا ہوں۔

میں نے کہا "ان حد! کوئی گولی فائرنگ وائرنگ مت کرو' چیک پوسٹ پر شاید کھسرے کے آدمیوں کا قبضہ ہے۔ ہم کو فی الحال لی صاحب کو دیکھنا چاہیے۔ دشمنوں کو ایک منٹ کے لیے بھول جاؤ۔"

ہماری گاڑی درختوں کی اوٹ میں چلی گئی تھی۔ پھر بھی چیک پوسٹ سے برابر گولیاں چلائی جا رہی تھیں جو یا تو درختوں کے تنوں میں پیوست ہو رہی تھیں یا "باں' شاں" کی سی آوازیں پیدا کرتی بے روک نکلی چلی جا رہی تھیں۔

مونگ جو اپنے کالے شیشوں والی کار نکال لے گیا تھا۔ اس کے آدمیوں نے یہ حملہ یا تو مجھے اور ان حد کو ختم کر دینے کے لیے کیا تھا یا وہ کھسرے کو نکلنے کا موقع دینے اور خود فرار ہونے کے لیے یہ سب کچھ کر رہے تھے۔

میں نے لی صاحب کی قمیص پھاڑ کے دیکھا کہ زخم کہاں ہے اور کتنا سیریس ہے۔ لی صاحب کے بازو میں گولی لگی تھی۔ یہ فلیش وونڈ یعنی صرف گوشت کو پھاڑ دینے والا زخم تھا' ہڈی سلامت لگتی تھی۔ میں نے زخم سے دل کی طرف جانے والی نسوں پر خوب کس کے کپڑا باندھ دیا۔ خون رک گیا۔ مونگ لی صاحب نے آنکھیں کھول کر کمزور آواز میں پوچھا "کیا ہوا؟"

ان حد نے کہا "انکل آرام سے لیٹے رہو۔ دیکھتے ہیں کیا ہوا ہے؟"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

لی صاحب کا ذہن ابھی صاف نہیں ہوا تھا۔ زخم کھانے کے بعد شاک میں تھے۔

ادھر چیک پوسٹ پر قبضہ کرنے والے حملہ آوروں کی فائرنگ بند ہو گئی تھی۔ میں نے ان حد سنگھ سے سرگوشیوں میں کہا کہ وہ اپنے ہمسائے کو کسی طرح ولا میں لے جانے کی کوشش کرے' میں اسے کورنگ فائر دیتا ہوں۔ ان حد سنگھ مجھ سے بحث کرنا چاہتا تھا مگر میں نے اس کی بات ہی نہ سنی۔ کھسرے کے آدمی سے چھینا ہوا پستول سنبھالا اور چیک پوسٹ کی طرف دو فائر جھونک دیئے۔ آواز سے پتا لگا کہ میرے فائروں میں سے ایک اگر کاری نہیں رہا تو ضائع بھی نہیں گیا۔ ہم نے کسی آدمی کی خوف اور تکلیف کی آواز سنی تھی۔ ایک فائر ادھر سے آیا جو گھبراہٹ میں کیا گیا ہو گا' وہ بالکل ضائع گیا۔

میں نے درختوں کی اوٹ لیتے ہوئے چیک پوسٹ کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ اس طرف بالکل سناٹا تھا۔ کسی کے چلنے پھرنے کی آواز نہیں سنائی دی۔ کوئی حرکت دکھائی نہ دی تو مجھے شک ہوا کہ یا تو وہ لوگ بھاگ چکے ہیں یا بھاگنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ پھر میں نے بھاری موٹر سائیکل اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی۔ دیکھا کہ ایک ٹرائمف موٹر بائیک دندناتی ہوئی چیک پوسٹ سے نکل کر سڑک پر آئی ہے۔ ٹرائمف موٹر سائیکل پر بیٹھے دونوں آدمی لی صاحب کے ملازموں کی وردی میں تھے مگر مجھے اور ان حد کو اب تک معلوم ہو چکا تھا کہ یہ سکیورٹی والے نہیں' مونگ جو کے گرگے ہیں۔

طاقتور موٹر سائیکل گھوم کے ہائی وے کی طرف چلی' میں نے دل میں کہا کہ شیر خان! یہی وقت ہے یا تو انہیں ابھی گرا لے یا پھر یہ کبھی ہاتھ نہیں آنے کے۔

میں نے فائر کیا۔ موٹر سائیکل کو ہلکا سا جھٹکا لگا مگر وہ چلتی رہی۔ چلانے والا صحیح سلامت تھا۔ پیچھے بیٹھا گرگا تیورا کر سڑک پر آ گرا۔

میں جھپٹ کر اس کے قریب گیا۔ احتیاطاً میں اس کی طرف اپنا ہتھیار سیدھا کیے کیے ڈپٹ کے برمی میں بار بار کہتا بڑھ رہا تھا کہ ہلنا مت' اگر ہلے تو گولی مار دوں گا۔ ہلنا مت۔

یہ آدمی اپنی سکیورٹی والی وردی کے ساتھ ہوا یا موسم کی شدت سے بچنے کو یا پھر اپنی شکل چھپائے رکھنے کو اس طرح مفلر لپیٹے تھا کہ اس کا آدھا چہرہ ڈھکا ہوا تھا۔

وہ بے سدھ پڑا تھا۔ میں نے دیکھا' اسے گولی نہیں لگی تھی۔ اس کی وردی بھی صحیح سلامت تھی۔ میں نے اس کی تلاشی لی۔ بھاری ریوالور قبضے میں کیا اور کالر پکڑ کر

اسے اٹھانے کے لیے زور لگایا' وہ صرف دہشت زدہ تھا اور ہوش میں تھا۔ کراہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا تو اس کے چہرے سے مفلر سرک گیا۔ پورا چہرہ اب میرے سامنے تھا۔ یہ میرا جانا پہچانا دیکھا ہوا آدمی تھا۔ وہی نوجوان لڑکا جسے مونگ جو اپنا فرسٹ کزن کہتا تھا جو دراصل اس کا مالشیا تھا' کھسرے نے جس کا نام "کے کے" بتایا تھا۔

نوعمر "کے کے" نے آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا اور رونا شروع کر دیا۔

"چپ بے! اگر رویا تو حلق میں ریوالور ڈال کے گولی چلا دوں گا۔" میں نے ڈرانے کو خطرناک لہجے میں یہ بات کہی۔ "کے کے" واقعی ڈر گیا۔ اس کا ساتھی اسے چھوڑ گیا تھا۔ موٹر سائیکل ہائی وے پر اتنی دور پہنچ گئی تھی کہ ہم تک اس کی آواز بہت دھیمی پہنچ رہی تھی۔

ان حد گاڑی کو درختوں کی اوٹ سے نکال کر میرے پاس لایا' اس نے پوچھا "کیا ہوا؟"

میں نے بتا دیا کہ ایک پرندہ اڑ گیا' ایک گرا لیا ہے۔ ڈالو اسے گاڑی میں۔

ان حد نے پوچھا "کیا مر گیا؟" میں نے کہا "نہیں نہیں۔ صحیح سلامت ہے۔"

ان حد اسے پہچان چکا تھا۔ ڈراما کر کے بولا "ویسے بھی نہیں بچے گا' گولی مار کے ادھری سڑک پر پھینک دو۔"

نوجوان لڑکا پھر رونے لگا۔ میں نے ہلکا سا چپت لگایا۔ "چپ رہ' تو جانتا نہیں سردار جی مذاق کر رہا ہے۔"

ہم "کے کے" کو اور لی صاحب کو ان کی ولا میں لے آئے۔ چینی ہاؤس کیپر ایسی باصلاحیت عورت تھی۔ اس نے ڈاکٹر کے آتے آتے زخمی کو سنبھالا۔ ڈاکٹر نے آدھے گھنٹے میں لی صاحب کے زخم کی بینڈیج کر دی اور کسی قسم کی سکون بخش دوا دے کر انہیں بستر پر پہنچا دیا۔

لی صاحب کے ریذیڈنٹ ڈاکٹر کو اس قسم کے "حادثوں" کا خاصا تجربہ تھا مگر حادثہ اس بار مالک کو پیش آیا تھا۔ اس بات سے ڈاکٹر کچھ پریشان ضرور ہو گیا تھا۔

ہاؤس کیپر اور ڈاکٹر کا خیال تھا کہ پولیس کو خبر کی جائے کیونکہ گولیاں چلی تھیں۔ اغوا کی ہوئی لڑکیاں برآمد ہوئی تھیں اور تین قیدی ہماری تحویل میں تھے۔ ان حد کو کچھ اندازہ تھا کہ پولیس کو فوری طور پر بلانے میں میرے لیے کیا مسئلے پیدا ہو جائیں گے۔ اس نے کہا کہ پہلے ہم اور شیر خان قیدیوں اور اغوا کی گئی لڑکیوں سے باتیں کر لیں'

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

پھر جو کرنا ہو گا' کیا جائے گا۔

سب سے پہلے ان اجنبی لڑکیوں سے سوال و جواب ہوئے جنہیں مونگ جو کی تہہ خانہ جیل سے نکالا گیا تھا۔ دو لڑکیاں مشرقی پاکستان سے اغوا کی گئی تھیں اور مچھیروں کی بیٹیاں تھیں۔ ایک میزو قبائلی تھی۔ تینوں نو عمر اور اچھی شکل و صورت کی تھیں۔ کچھ ہی دیر میں معلوم ہو گیا کہ مونگ جو نے انہیں برما سے باہر فروخت کیے جانے کے لیے رکھا ہوا تھا۔ کسی قسم کے گروہ کے لوگ دھوکا دے کر' بہلا پھسلا کر ان معصوم لڑکیوں کو ان کے گھروں سے نکال لاتے تھے۔ مونگ جو نے لی صاحب کی اسٹیٹ کو ایک طرح کا ٹرانزٹ کیمپ بنایا ہوا تھا۔ اس عارضی کیمپ سے لڑکیوں کو بردہ فروشوں کی منڈی تک پہنچانا مونگ جو کی ذمہ داری تھی۔ اس کے بعد انہیں کہاں کہاں اور کس لیے فروخت کیا جائے گا' یہ کھسرے مونگ جو کا دردِ سر نہیں تھا۔ ایک بات طے تھی کہ بیچاری لڑکیوں کو مختلف چکلوں' عیاشی کے اڈوں کے لیے خریدا جائے گا۔ چینی ہاؤس کیپر ان بدنصیب (یا سمجھو اب نصیبوں والی) لڑکیوں کی حالت دیکھ کر اتنی متاثر ہوئی تھی کہ روہانسی ہو گئی تھی۔

ان حد سنگھ نے اور میں نے لڑکیوں کو سرکاری تحویل میں دے دینے کی تجویز سے اتفاق کیا۔

اب قیدی رہ گئے تھے۔ کے کے اور ان دوسرے دو بدمعاشوں سے ایک ایک لفظ اگلوانا ضروری تھا۔ ان حد سنگھ نے اور میں نے پہلے اس نقلی منگیش سے پوچھ گچھ کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ اور اس کے ساتھ گرفتار ہونے والا بدمعاش ہم پر حملہ آور ہوئے تھے اور لگتا تھا کہ آسانی سے ان سے سچ اگلوانا ممکن نہیں ہو گا۔ میں ان حد سنگھ ترکھان کے طریقوں سے پوری طرح متفق نہیں تھا مگر ایک بات سمجھتا تھا کہ وقت بہت کم ہے۔ میں نے مجبوری میں سردار جی کو وہ کچھ کرنے دیا جو وہ کرنا چاہتے تھے۔

کے کے اور نقلی ماما کو تیرنا نہیں آتا تھا۔ تیسرا بدمعاش نہ صرف پیراک تھا بلکہ پیشہ ور غوطہ خور رہ چکا تھا۔

ہم صرف ماما اور کے کے کو کھینچتے ہوئے کنوئیں پر لے گئے۔ ان حد نے احتیاطاً ان کے منہ پر ٹیپ چپکا دیا تھا تاکہ وہ شور نہ مچائیں اور زیادہ پانی پی لینے کے نتیجے میں مر بھی نہ جائیں۔ پھر اس نے انہیں انگوروں کے گچھے کی طرح رسی سے باندھ کے کنویں میں اتارنا شروع کیا۔ ظاہر ہے دونوں بدمعاشوں کے ہاتھ پیر بھی باندھ دیے گئے تھے۔

طریقہ وہی پرانا' خاصا سادہ اور وحشیانہ تھا۔ ان حد سنگھ انہیں پانی میں ڈبوتا تھا اور پہلے یہ اطمینان کر لیتا تھا کہ ناک کے رستے تھوڑا سا پانی ان کے مغز میں پہنچ جائے۔ جب دونوں گرگوں کو یقین ہو جاتا تھا کہ وہ بچتے نہیں' بس اب مرنے والے ہیں تو سردار جی انہیں کھینچ لیتا تھا۔ کنوئیں کے باہر انہیں کیچڑ مٹی میں پھینک دیا جاتا تھا اور ٹیپ کھول کر پوچھا جاتا تھا کہ ہاں بھئی ہم سے بات کرنے کے موڈ میں ہو؟

باہر نکالے جانے پر ماما نے دو مرتبہ تو بہت بکواس کی گالیاں دیتا رہا مگر ایک بار جب اس اکیلے کو ان حد نے ضرورت سے زیادہ دیر پانی میں روکے رکھا تو موت سامنے دیکھ کے گھگیانے لگا۔ بولا کہ ہاں سب کچھ بتا دوں گا۔

اسے نرم کرنے کے بعد "سوکھنے کو" ایک الاؤ سا جلا کے اس کے پاس چھوڑ دیا گیا۔ اب پھر کے کے کی باری تھی۔ وہ تمام عرصے گھگیاتا رہا تھا۔ اس پر ان حد سنگھ نے اسے خبردار کرنے کو کچھ زیادہ ہی دیر ڈبوئے رکھا جس سے کے کے کی حالت غیر ہونے لگی۔ اسے لرزہ چڑھ گیا تھا۔ میں نے ان حد کے "چنگل" سے اسے بچا لیا۔ کچھ زبانی ہمدردی کی اور لے جا کے الگ کمرے میں کمبل میں لپیٹ دیا اور پھر جو کے کے سے میں نے پوچھ گچھ کی تو بہت مفید نتائج نکلے۔

تیسرے بدمعاش کے لیے کنوئیں کی ٹیکنک کچھ زیادہ موثر نہیں ہوئی' اس لیے اسے آگ کے پاس لے جایا گیا جہاں ماما جی پڑا سوکھ رہا تھا۔

یہ بدمعاش ماما کا پرانا واقف کار تھا۔ مامے نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ یہ غوطہ غور ہے۔ پانی سے نہیں ڈرتا مگر آگ سے اس کی روح فنا ہوتی ہے۔ بچپن میں اس کے گھر میں آگ لگی تھی۔ یہ جلتے ہوئے کمرے میں کچھ دیر بند رہا تھا تو آگ کی دہشت اس کے اندر بیٹھی ہوئی ہے۔ اسی خوف کی وجہ سے یہ شخص سگریٹ بیڑی کچھ نہیں پیتا۔ ان حد نے یہ معلوم کر کے خوشی ظاہر کی تھی۔ کہا تھا کہ ایسے بندے مجھے "چنگے" لگتے ہیں جو تمباکو سے دور رہیں۔

مگر اس غوطہ خور بدمعاش کو ان حد نے آگ سے دور نہیں رکھا بلکہ دیکھا جائے تو اسے مامے کے برابر الاؤ میں تقریباً گھسا کے لٹکا دیا۔ لکڑیاں چٹختی اور چنگاریاں اڑتی تھیں تو غوطہ خور بدمعاش کی حالت بری ہو جاتی تھی۔

مختصر یہ کہ ان حد کے حصے میں ماما اور غوطہ خور آئے تھے۔ کے کے' میرے حوالے ہوا تھا۔ میں نے سر سہلا کے اس سے بہت کچھ بلکہ سب کچھ معلوم کر لیا۔ مامے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اور غوطہ خور کو بہت زیادہ تو نہیں معلوم تھا مگر وہ دونوں جتنا کچھ جانتے تھے' انہوں نے اگل دیا۔

کے کے مونگ جو کا رشتے دار تھا۔ وہ اس کی شبانہ مصروفیات کا ساتھی بھی تھا۔ کسی خلاف فطرت سرگرمی میں دونوں ملوث ہو گئے تھے تو یہ بات مونگ جی کو ٹھیک ٹھاک لگتی تھی۔ کے کے' کو برابر الجھن رہتی تھی اور ایک طرح کا احساس جرم موجود رہتا تھا وہ جلد از جلد مونگ جو سے دور رنگون پہنچنا چاہتا تھا مگر کھسرا اسے ٹال مٹول کر کے روک لیتا تھا اور اب وہ' کے کے' سے فائرنگ کرا کے اور بقول کے کے' اسے کیس میں پھنسا کے خود نکل گیا تھا۔ اس بات پر کے کے' کو بہت غصہ تھا۔

میں نے زبانی ہمدردی کر کے اور ان حد سے اس کا پیچھا چھڑا کے نوجوان' کے کے کو گویا رام کر لیا تھا۔ اس نے مجھے بہت کچھ بتا دیا۔ ہمارے قیدیوں میں سے صرف کے کے ہی کو وہ جگہ معلوم تھی جہاں میرے بابا صمد بنگش صاحب کو لے جایا گیا تھا۔ کے کے نے وعدہ کر لیا اور مجھ سے وعدہ لے لیا کہ اگر میں اسے پولیس میں نہ دوں اور مونگ جو کے گینگ سے بھی اسے بچا لوں تو وہ مجھے رنگون شہر میں وہاں پہنچا سکتا ہے۔ جہاں لی کی ولا سے لے جا کر میرے بابا کو رکھا گیا تھا۔ یہ سودا میرے لیے بھی فائدہ مند تھا اور کے کے' کے لیے بھی۔ مگر یہ سودا مہنگا پڑ سکتا تھا کیونکہ مونگ جو کے وہ دونوں گرگے کے کے سے شروع ہی سے حسد رکھتے تھے۔ کچھ مونگ جو کی قربت کی وجہ سے کچھ' اس وجہ سے کہ کے کے کو بہت سی وہ اندر کی باتیں معلوم ہوتی تھیں جو ان گرگوں سے پوشیدہ رکھی جاتی تھیں۔ اب ہم نے بھی کے کے سے امتیازی سلوک کیا تھا۔ اسے ان دونوں سے الگ رکھا تھا' اس بات سے وہ اور تپ گئے تھے۔ اسی لیے ان حد سنگھ نے اور میں نے اپنے تینوں قیدیوں کو پھر اکٹھا نہ ہونے دیا۔

طے یہ ہوا کہ ان حد سنگھ دونوں لڑکیوں رشنا اور روکسانہ کو سرکس گراؤنڈ پہنچا دے گا۔ روکسانہ کا باپ سانپوں کا بادشہ مقامی پولیس اور سرکس کی انتظامیہ کو لے کر دور دور ٹمبر جائیدادوں میں مارا مارا پھر رہا تھا۔ سب سے پہلے تو اس کی پریشانی دور کرنے کی ضرورت تھی۔ اس لیے طے ہوا تھا کہ ان حد سنگھ پولیس کو مطلع کرے اور لڑکیوں کو پہنچائے۔ رشنا کی حالت ذرا بہتر ہوئی تھی تو اس نے میرے ساتھ رنگون جانے کی ضد شروع کر دی تھی مگر ان حد نے اور میں نے اسے راضی کر لیا تھا کہ جب تک میں اپنے بابا کا پتا لگا کے ان سے مل کے رنگون سے نہیں لوٹتا ہوں' وہ روکسانہ کے ساتھ سرکس ہی

میں رہے گی۔ پھر میں آ کر اسے جہاں بھی کہے گی' لے جاؤں گا۔

کیونکہ میں پولیس کے سامنے نہیں آنا چاہتا تھا' اس لیے میں نے خود کو اور مونگ جو کے مالشیے کزن کے کے کو اس پوری داستان سے نکلوا دیا تھا۔ کوئی بھی اب ہمارا ذکر نہیں کرے گا۔ ان حد سنگھ نے اپنی جیپ راشن پانی کے ساتھ میرے حوالے کر دی تھی۔ پولیس کو وائرلیس کر دیا گیا تھا کہ لڑکیاں مل گئی ہیں اور مونگ لی صاحب کی ٹمبر جائیداد میں ایک جرائم پیشہ گروہ پکڑا گیا ہے۔ ان حد سنگھ مونگ جو کھسرے کے دونوں ساتھیوں کو لی صاحب کی سکیورٹی کی تحویل میں گیٹ آفس کے برابر کمرے میں بند کر کے میرے ساتھ ناشتا کر رہا تھا۔ کہنے لگا "آج توں بعد فیر رنگون اچ ساڈی ملاقات ہونی ہے..... رب کرے گا تو۔"

ان حد اس وقت اچھے موڈ میں تھا کیونکہ اس کے کہنے کے مطابق اس کی دلدار چینی ہاؤس کیپر پہلی ویری' اس کی دلداریاں کر رہی تھی۔ اپنے ہاتھ سے اس کی پلیٹ میں کھانے کی چیزیں نکال نکال کے دے رہی تھی۔ وہ شاید اس لیے زیادہ مہمان نوازیاں کر رہی تھی کہ میز پر اس کے باس لی صاحب کی کمی کوئی تو پوری کرتا۔

میں نے کھاتے اور پیتے ہوئے ان حد کو اتنا مگن کبھی نہیں دیکھا تھا لیکن نہیں..... پیتے ہوئے تو وہ کہیں زیادہ مگن ہو جاتا تھا۔

ایک بار ہاؤس کیپر نے میری اور ان حد کی کرسیوں کے پیچھے سے ہاتھ بڑھا کر چاندی کے بڑے چمچے پر لایا گیا پنیر کا گرما گرم پکوڑا نحد کی پلیٹ میں رکھا تو بظاہر پکوڑے کی تلن کی خوشبو سے مست ہو کے مگر اصل میں ہاؤس کیپر کو ستانے کے ارادے سے ان حد نے لمبی سی آآآہ کی اور ہاتھ بڑھا کر پیچھے سے آیا ہوا ہاؤس کیپر کا بازو تھام لیا۔ لگا تعریفوں کے پل باندھنے کہ آہاہا' یہی وہ ہاتھ ہے جو ایسی لذیذ نعمتیں تیار کرتا ہے۔ واہ کیا ہاتھ ہے اور دھیرے دھیرے گنگنانے بھی لگا کہ "تیرا ہاتھ ہاتھ میں آ گیا کہ چراغ راہ میں جل گئے۔"

ہاؤس کیپر پہلے تو مسکراتی رہی' پھر بولی "میرا ماسٹر میز پر نہیں ہے' اس لیے میں مہمان کو زیادہ توجہ دے رہی ہوں۔ یہ میری ڈیوٹی ہے مگر شاید یہ بات مہمان کے نوٹس میں نہیں آئی ہے۔"

ان حد بولا "میرے نوٹس میں تو بس ایک ہی بات آئی ہے کہ انکل لی سامنے ہوتا تو میرا معشوق مجھ پر زیادہ توجہ نہیں کرتا۔"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

چینی ہاؤس کیپر اسی طرح رکی کھڑی تھی' ہنس کے بولی "اچھی ہاؤس کیپر زیادہ توجہ اپنے مال کو دیتی ہے۔"

ان حد کہنے لگا "تمہارا مالک تو میں کبھی نہیں بن سکتا' ناں ناں اس جنم میں تو ممکن نہیں ہے۔ ہاں تم میری مالک بن سکتی ہو تو بن جاؤ....."

وہ کیا کہتی' خوش مزاجی سے ہنستی رہی۔

ان حد بولا "کیا کہتی ہو؟ میرا یار شیر کھان بھی سامنے بیٹھا ہے۔ اس کی گواہی میں ہو جائے جو شادی کانٹریکٹ وی ہونا ہے۔"

ہاؤس کیپر نے آہستگی سے اپنا ہاتھ ان حد کے قابو سے نکال لیا۔ اداسی سے بولی "مسٹر سنگھ! اتنی سیریس اور برکت والی بات کو آپ اس طرح سرسری مذاق میں کہہ دیتے ہو..... میں الجھ جاتی ہوں کہ سچ کیا ہے اور مذاق کہاں سے شروع ہوتا ہے۔"

میں نے دیکھا سنجیدگی سے کہی گئی اس بات کا ان حد پر اثر ہوا ہے۔ اس کا کھلنڈرا پن جیسے ایک دم ختم ہو گیا۔ وہ اٹھ کے کھڑا ہو گیا اور برابر میں کھڑی ہاؤس کیپر کے چمکیلے سیاہ اور سیدھے بالوں پر ہاتھ رکھ کے بولا "یہ آخری بات جو میں نے کہی' واہگرو کی قسم مخول میں نہیں تھی۔ میں اکیلے رہتے رہتے اور 'غیر ذمہ داری' کے ساتھ رہتے رہتے بیزار ہو گیا ہوں۔ تیری قسم ہے! اگر کبھی تیرے پلان میں شادی بھی شامل ہو جائے تو بی بی! میری درخواست پر غور کرنا۔"

ہاؤس کیپر ان حد کے سنجیدہ لہجے کی سچائی پہچان کر مسکرائی۔ اس نے چاندی کا چمچہ میز پر رکھ دیا اور ہاتھ بڑھا کر ان حد سنگھ کا شانہ چھوا۔ یہ کوئی بہت اپنائیت کا اشارہ ہو گا جس سے چین کے اس علاقے کے لوگ مخاطب تک اپنی بات پہنچاتے ہوں گے۔ وہ اس کا شانہ چھوتے ہوئے دھیرے سے بولی "میں تمہارے بارے میں سوچتی رہتی ہوں مسٹر سنگھ!"

ان حد نے آنکھیں پھاڑتے ہوئے پنجابی میں سوال کیا "ہالا؟"

ہاؤس کیپر لہجے سے سمجھ گئی کہ ان حد نے کیا کہا ہے' اس نے مسکرا کے ہاں میں سر ہلایا۔

ان حد نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف پھینک کے نعرہ لگایا "جو بولے سو نہال!" پھر خود ہی اپنے نعرے کے جواب میں نعرہ لگایا "ست سری اکال!"

ہاؤس کیپر مسکراتی ہوئی جانے کو مڑی ہو گی کہ ان حد سنگھ ترکھان نے اس کی

کلائی تھام لی' بولا "ایسے نہیں جانے دوں گا' ہاں کر کے جاؤ اور شادی کی ڈیٹ دیو۔ کم آن! میرے یار کے سامنے تاریخ دو۔"

ہاؤس کیپر مسکراتے ہوئے ہاتھ چھڑا رہی تھی۔ وہ مجھ سے بھی شکایت کرنے لگی کہ دیکھئے مسٹر کھان یہ پھر نان سیریس (مطلب غیر سنجیدہ) ہو رہا ہے۔" ابھی میں نے اپنے دوست کی حمایت میں ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا کہ مین گیٹ کی سمت سے تڑتڑ گولیاں چلنے کی آوازیں آنے لگیں۔

ان حد اور میں کھانے کے کمرے سے دیوانہ وار باہر کی طرف دوڑے۔

لان پر نکلے تو ہم نے دیکھا برمی پولیس ڈیپارٹمنٹ کی دو گاڑیاں گیٹ کے عین سامنے کھڑی ہیں اور چھ سات پولیس والے اپنی گاڑیوں کی اوٹ لیے سڑک پر کسی موونگ ٹارگٹ (مطلب حرکت کرتے ہدف) پر فائرنگ کر رہے ہیں۔ میں نے سوچا ابھی تو وائرلیس کیا تھا' یہ پولیس والے اتنی جلدی کیسے آ گئے؟

ہمیں آتا دیکھ کے ایک پولیس والے نے ہاتھ ہلائے اور پکار کر کہا "تمہارے دونوں قیدی بھاگ رہے ہیں' اندر جاؤ اندر' تم لوگ اندر جاؤ۔"

ان حد سنگھ نے مجھے واپس ولا کی عمارت میں دھکا دیا' وہ بولا "پولیس والوں کے سامنے مت آؤ شیر کھان' اندر رہو اور ابھی نکلنے کی بھی کوشش مت کرنا' انہیں بلاوجہ شک ہو جائے گا۔ پھر یہ نکلنے نہیں دیں گے۔"

ٹھیک تو ہے' مجھے ان لوگوں کے سامنے نہیں آنا چاہیے۔

میں ولا میں آ گیا۔ ہاؤس کیپر کو بلا کے پھر یاددہانی کرنا' سمجھانا ضروری تھا۔ کہیں وہ بے دھیانی میں پولیس والوں کے سامنے میرا ذکر نہ کر بیٹھے۔ میں نے نوجوان کے کو اپنے ساتھ لیا اور بالکنی میں ایک اسکرین کی اوٹ لے کر ہم دونوں خاموشی سے بیٹھ گئے۔ انتظار کرنے لگے کہ کب پولیس والے ٹلتے ہیں اور میرے رنگون کی طرف نکلنے کی راہ کب کھلتی ہے۔

پہلی بار کے بعد گولیاں نہیں چلیں۔ پولیس والوں نے فراریوں کو پکڑ لیا ہو گا۔ کم سے کم آدھے گھنٹے تو ولا میں ضرور رکیں گے۔ ابتدائی بیانات لیں گے اور تفصیلی بیانات کے لیے یہاں کے لوگوں کو پابند کریں گے کہ وہ فلاں اسٹیشن پر آ کر تفتیش میں مدد کریں اور جب تک اجازت نہ ملے' کہیں نہ جائیں وغیرہ وغیرہ۔

کوئی ایک گھنٹہ ہم بالکنی کے اسکرین کی اوٹ میں بیٹھے رہے' کے کے اونگنے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

لگا۔ مجھے بے چینی ہو رہی تھی' ہم دونوں اگر یہاں سے جلدی روانہ نہ ہو پائے تو رنگون جانے والے راستے ہمارے لیے مخدوش ہو جائیں گے۔

پورا سوا گھنٹے بعد نیچے ہال میں لوگوں کی تیزی سے باتیں کرنے کی آوازیں آئیں۔ میں نے بالکنی کی ریلنگ پر سے ذرا سا سر نکال کر جھانکا' چار پانچ پولیس والے زیادہ تر افسر لوگ' کھسرے کے منہ بولے ماما اور دوسرے بد معاش کو رسیوں میں جکڑے ہال میں لے آئے تھے اور لی صاحب کے قیمتی قالینوں اور صوفوں کی ایسی تیسی کرتے ہوئے خود بھی آ کے جم گئے تھے اور انہوں نے اپنے دونوں قیدیوں کو بھی بٹھا لیا تھا۔ ان حد سنگھ اور ہاؤس کیپر قیدیوں' پولیس والوں کے پیچھے پیچھے آئے اور بیٹھ گئے۔ ایک ہی جھلک کافی تھی' مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ ان حد اور چینی ہاؤس کیپر پولیس والوں سے خفا ہیں اور انہیں اور ان قیدیوں کو کہیں اور بٹھانے میں کامیاب نہ ہونے پر جھنجھلا رہے ہیں۔ بمشکل دو منٹ اور یہ جھک جھک چلی ہو گی' پھر دنیا بھر کے پولیس والوں کی طرح ان بر می پولیس افسروں نے بھی دھونس اور ہٹ دھرمی سے کام لیا' جم کے وہیں بیٹھے رہے اور ہاؤس کیپر کو یاد دلانے لگے کہ لی صاحب کی جائیداد میں آنے والوں کی ہمیشہ تواضع کی جاتی ہے۔ جاؤ ہمارے کھانے پینے کو کچھ لاؤ۔

ہاؤس کیپر کو میں اب جھانک کر دیکھ نہیں سکتا تھا۔ وہ چلی گئی تھی مگر اس کے لہجے سے صاف پتا چل رہا تھا کہ وہ غصے میں بھری ہوئی گئی ہے۔ ان حد کو شاید اندازہ ہو گیا تھا کہ میں اور کے کے بالکنی کے اسکرین کی اوٹ میں بیٹھے ہیں۔ اس نے اونچی آواز میں پولیس والوں سے کہا کہ اگر وہ قیدیوں کو اپنے پولیس اسٹیشن لے جا کر جلد از جلد لاک اپ میں "جمع" کرا دیں گے تو یہ سب کے لیے بہتر ہو گا۔ لی صاحب کے لیے خاص طور پر کیوں کہ وہ بیمار آدمی ہیں اور پولیس والے جہاں آن جمے ہیں' اس جگہ سے لی صاحب کا بیڈ روم اتنی دور ہے کہ ان کے کھانسنے کی آواز یہاں سنائی دیتی ہے۔

ایک پولیس والے نے بہت اطمینان سے جواب دیا کہ سنگھ صاحب فکر نہ کریں' لی صاحب کی کھانسی کی آواز سے ہمارے سرکاری کام میں کوئی حرج نہیں ہو گا۔

ان حد کو طرارہ آ گیا' اس کی تیکھی آواز سنائی دی۔ "مجھے جناب کے سرکاری کام کے حرج کی کوئی فکر نہیں' مجھے اپنے دوست کے آرام کی فکر ہے۔ اگر آپ لوگ کو اسی جگہ بیٹھ کر میٹنگ کرنا اچھا لگتا ہے تو پھر اس میٹنگ کو شارٹ (مطلب مختصر) کیجئے..... سمجھے جناب؟"

دوسرے افسر نے جو آواز سے سب کا سینئر اور کچھ سمجھدار لگتا تھا' کہا "سنگھ صاحب! سوری سر ان دو قیدیوں سے ابتدائی پوچھ گچھ کرتے ہوئے ہمیں ایسی ضروری معلومات حاصل ہوئی ہیں جو ہم لی صاحب کے اسٹاف کے سامنے دہرا نہیں سکتے تھے..... یہ جگہ الگ تھلگ ہے' اس لیے ہم قیدیوں کو یہاں لائے ہیں۔ آپ میرے اسسٹنٹ کی بات کا برا نہ منائیں۔ ہم لی صاحب کو بے آرام نہیں کریں گے۔"

ان حد بولا "قیدیوں سے آپ کو کیسی معلومات حاصل ہوئی ہیں؟"

"عرض کرتے ہیں..... پہلی بات سنگھ صاحب! آپ سے یہ پوچھنی ہے کہ کیا اس وقت یہاں مونگ لی ولا میں آپ کا کوئی پاکستانی دوست شیر خان موجود ہے؟"

"شیر خان؟" انحد نے بہت معصومیت سے سوال کیا "شیر خان گجر کو تو نہیں پوچھتے ہو؟ وہ پچھلے سال سردیوں میں میرے پاس رہنے آیا تھا۔"

افسر ہنسا "شیر سنگھ نہیں' سنگھ صاحب! میں شیر خان پاکستانی کو پوچھتا ہوں جو دوست ہے آپ کا۔"

"دیکھیں جی۔" سردار جی نے بے مروتی سے کہا۔ "پاکستانی مجھے اچھے لگتے ہیں جی..... بہت سے میرے دوست وی ہیں۔ ادھر یو کے میں' لندن کے ساؤتھال محلے میں پاکستانیوں سے بڑی دوستیاں محبتاں ہیں میریاں..... پر شیر خان گجر کوئی دوست نہیں میرا۔"

افسر بولا "سوچ لیجئے..... ویسے نام آپ نے درست نہیں لیا ہے۔ آپ کے دوست کو شیر خان بنگش کہتے ہیں' گجر نہیں ہے وہ۔"

"بھاویں گجر ہو جی بھاویں بنگش ہو' آپ کو میں نے بتا دیا کہ شیر کھان نام کا کوئی دوست نہیں میرا۔"

"جھوٹ بولتا ہے سالا۔" کسی کی آواز سنائی دی اور ساتھ ہی زبردست طمانچے کی آواز آئی۔

پولیس والے نے بری زبان میں گالی دے کر شاید بولنے والے کو طمانچہ مارا تھا۔

ان حد سنگھ نے خوش دلی سے کہا "تھینک یو جی! یہ چنگا کیا جو آپ نے اس سالے مامے کو چماٹ ماری۔ ذرا دی دیری ہو جاتی تو میں نے اسے چماٹ مار دینی تھی۔ پر میری چماٹ کوئی بہت ہی ہیوی ویٹ ہونی سی کیونکہ جی یہ کتا بہت گندے منہ کا ہے۔"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

افسر بولا "یہی تو کہہ رہا ہے کہ آپ نے اور آپ کے اس دوست شیر خان نے اسے ٹارچر کیا تھا۔ مطلب کنوئیں میں رسی سے باندھ کے ڈالتے نکالتے رہے تھے۔"

"ہاں جی۔" سردار بولا "بے شک جی کنوئیں میں ڈال ڈال کے اس سے پوچھ گچھ بے شک کی ہے میں نے اور یہ ضروری تھی۔"

"آپ کے دوست نے بھی پوچھ گچھ کی ہے؟"

ان حد بولا "میرا دوست ادھر ہوتا تو ضرور میرا ساتھ دیتا۔ میں شیروں سے دوستیاں یاریاں کرتا ہوں جناب۔ جے شیر سنگھ ادھر ہوتا تو فیر اس نے وی ٹارچر کرنی تھی۔ انگلینڈ کی تعلیم شعلیم اپنی جگہ پر' اس نے مار مار کے دنبہ بنا دینا تھا اسے مگر میرا یار شیر سنگھ گجر ادھر نہیں تھا۔ اکیلے میں نے مار پیٹ کے پوچھ لیا جو پوچھنا تھا۔"

اب ایک دوسرے پولیس والے نے کہا "سنگھ صاحب! آپ یہاں کے پرانے معززین میں سے ہو....."

ان حد سنگھ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "ہمارے پنجاب میں معتبر کہتے ہیں۔ پنڈ کے لوگ جلدی میں موتبر بھی کہہ دیتے ہیں' پر بات ایک ہی ہے۔"

ایک دوسرے پولیسیے نے چڑ کے کہا' آپ بات کو گھمائیں مت۔"

یقیناً ان حد نے اس چڑچڑے کو گھور کے دیکھا ہوگا۔

مگر پھر لگا کہ سینئر پولیس والے نے جلدی سے حالات سنبھال لیے' بولا "سنگھ صاحب! یہ مونگ جو گینگسٹر کا آدمی کہہ رہا ہے' آپ نے ایک بدمعاش کو اور قابو کیا ہے۔ بتائیے مونگ جو کا وہ منظور نظر لڑکا "کے کے" کہاں ہے؟ ہم چاہتے ہیں آپ برمیز پولیس ڈیپارٹمنٹ کے ساتھ تعاون کریں جیسا کہ آپ جیسا معزز شہری ہمیشہ کرتا ہے۔ پلیز سر سنگھ صاحب!" کے کے "شیر خان مجھے ہر حال میں چاہئیں۔"

"یہ پریشانی کی بات ہے پلس افسر صاحب! آپ ابھی تک کسی شیر کھان کا کہتے رہے اور اب آپ کو وہ منجور نجر" کے کے وی درکار ہے۔ "کے کے" نام کا ایک مالشیا بے شک ادھر اسٹاف میں شامل تھا' وہ کدھر گیا' کدھر نہیں گیا' یہ آپ اسٹاف سے معلوم کرو۔ میں تو جی ادھر مہمان ہوں۔ آپ کو تو پتا ہے۔"

پولیس والے کے لہجے میں اب دھمکی شامل ہو گئی تھی۔ "سنگھ صاحب! بات مختصر کریں جی۔ یہ آدمی ہمیں سب کچھ بتا چکا ہے۔ ادھر آپ کی قید میں وہ لڑکا "کے کے" بھی ہے اور آپ کے ساتھ جو ولا میں سویرے سویرے ادھر آیا تھا شیر خان' اسے

بھی آپ نے یہاں رکھا ہوا ہے۔ ہم آپ کو ساتھ لے کے ولا کی تلاشی کریں گے۔ دونوں آدمی ہمیں ملنا چاہئیں' یہ ایک طرح سے آپ کی ذمہ داری ہے۔"

ان حد نے انگریزی میں گالی دی اور غصے میں کہا "میں فون کر کے اپنے وکیل کو یہاں بلا رہا ہوں۔ آپ کی جاہلانہ باتوں اور دھمکیوں کا میرے پاس یہی جواب ہے کہ مجھ سے اب جو بھی بات ہوگی' میرے وکیل کے تھرو ہوگی۔ کچن میں جا رہا ہوں' ضرورت ہو تو وکیل کے آنے پر وہیں آجانا۔"

پھر کسی طرح کی ہاتھاپائی کی آواز آئی۔ پولیس والے نے تکلیف کی آواز نکالی اور اس کے کسی ساتھی نے ایک دم چیخ کر کہا "ہینڈز اپ.....!" اس نے شاید ان حد کو ہتھیار کی زد پر لے لیا تھا۔ میرا خیال ہے' اس دوسرے نے سردار جی کو روکنے کی کوشش کی ہوگی تو وہ چوٹ کھا گیا ہوگا۔

حالات ہمارے..... بلکہ میرے خلاف جا رہے تھے۔ ان بدمعاش قیدیوں نے نہ صرف یہ کہ سب کچھ بک دیا تھا بلکہ پولیس والوں کو قائل کر لیا تھا کہ میں اور لڑکا "کے کے" ولا ہی میں موجود ہیں۔

میں "کے کے" کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتا ہوا اسکرین سے ہٹا اور دبے قدموں بالکنی سے نکل آیا۔ آخری آواز جو نیچے ہال سے آ رہی تھی' پولیس افسروں کی آواز تھی۔ انہوں نے اپنے ماتحتوں کو حکم دیا تھا کہ پوری جمعیت کو لے کر ولا میں پھیل جائیں اور شیر کھان اور کے کے کو تلاش کریں۔

کے کے کی سمجھ میں ابھی پوری طرح نہیں آیا تھا کہ ہمیں کیا کرنا ہے؟ وہ نیند میں تھا۔ میں نے بالکنی سے سیڑھیاں اترتے ہوئے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"سن بھئی ہمارے لیے ولا کے پچھواڑے ایک جیپ تیار کھڑی ہے۔ اس میں پٹرول' راشن' کمبل سب کچھ ہے۔ چل پولیس پہنچنے سے پہلے پچھلے گیٹ سے نکل چلیں گے۔"

وہ تیزی سے سیڑھیاں اترتے ہوئے ٹھٹک کے کھڑا ہو گیا۔ پوچھنے لگا "کس کے حکم پر کس نے جیپ پیچھے والے گیٹ پر نکالی ہے؟"

میں نے کہا "سنگھ صاحب نے' میرے دوست سردار جی نے ولا کے ڈرائیور بنسی سے کہا تھا' اس نے اور ہاؤس کیپر نے سب تیاری کر کے جیپ پہنچا کے گیٹ کی اور گاڑی کی چابیاں مجھے لا دی ہیں۔ کیا بات ہے.....؟ ایسا کیوں پوچھ رہا ہے بھئی؟"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

لڑکے کے چہرے پر پریشانی گہری ہو گئی۔ ”بنسی ڈرائیور مونگ جو کا خاص آدمی ہے۔ یہ جو آدمی پکڑے ہوئے ہیں ناں..... ماما اور وہ دوسرا یہ دونوں تو کچھ بھی نہیں بنسی' ان کا باس ہے۔ اس کو مونگ جو کا آرڈر ہے کہ ادھر جبھی سب گڑبڑ ہو جائے تو آخر میں ولا کو آگ لگا کے نکل جانا۔“

لڑکا عجیب بات کہہ رہا تھا۔ فوری طور پر میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں اس کا اعتبار کروں نہ کروں۔ وہ میرا تذبذب دیکھ کے بولا۔ آپ کو بعد میں سمجھا دوں گا۔ ابھی تو جو بتا رہا ہوں' اس کا یقین کرو۔ بنسی ایک حساب سے مونگ جو کا پارٹنر ہے۔ اسے مونگ جو روپے میں چار آنے منافع دیتا ہے۔ باقی ہم سب لوگ تنخواہ دار ہیں۔“

”کے کے“ نے جس سیدھے لہجے میں یہ بات کہی تھی' اس سے تو یقین سا آگیا' پھر بھی میں نے اطمینان کرنے کو پوچھ لیا۔ ”تم نے پہلے بنسی ڈرائیور کا نام کیوں نہیں لیا تھا؟“

لڑکا سر کھجانے لگا۔ مجھے بے چینی ہو رہی تھی۔ ”بتاؤ' میری بات کا جواب دو۔ اتنا وقت نہیں ہے کہ میرے ساتھ تم کوئی کھیل کھیلو۔ میں دھر لیا گیا تو تم بھی نہیں بچ سکو گے۔“

کے کے نے آہستہ سے کہا ”یہ بنسی..... موسی کا بیٹا' میرا بھائی ہے۔ مونگ جو میرا کچھ نہیں' بنسی مجھے ادھر لایا تھا۔“

اوہو! یہ تو عجیب بات معلوم ہوئی تھی۔

میں نے پوچھا ”اب کیا ہو گا؟ تم کیوں اس کے خلاف ہو گئے؟“

”اس نے میرے ساتھ غداری کی ہے۔ مجھے مونگ جو کے پاس بیچ دیا ہے۔“

”ہاں۔“ وہ شرما رہا تھا' بولا ”مونگ جو جیسا دکھائی دیتا ہے' ویسا ہی ہے۔ وہ سارے ہی برے کاموں میں پھنسا ہے۔ اسی لیے تو مجھے خریدا ہوا ہے اس نے..... میں بیزار ہو گیا ہوں۔ اس کے ساتھ بدمعاشی کر کر کے تھک گیا۔ اس لیے نکل رہا ہوں تمہارے ساتھ۔ اگر رنگون چلنا ہے تو میری بات مان لو' پچھلے گیٹ پہ اس بنسی نے تمہارے مارنے کو بارود لگا دی ہو گی۔“

”بارود.....“

”ہاں بنسی کو بم بنانا' آگ لگانا یہی سب کام آتا ہے۔ اس لیے مونگ جو اسے چھوڑ کے گیا ہے۔“

”واہ! یعنی جب سب کچھ ہاتھ سے جانے والا ہو گا تو یہ ولا کو آگ لگا دے گا؟“

کے کے نے زور زور سے ہاں میں سر ہلایا' بولا ”سب کچھ ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ ولا اب ان لوگوں کے کام کی نہیں رہی' آگ برابر لگانے کا ہے۔“

”اچھا تو بتاؤ۔ کیا کریں؟“

”نکلنے کا ایک راستہ ہے مگر وہاں پولیس پہنچ گئی ہو گی۔“

”نکلنے کی بات مت کرو۔ جب تک بنسی یہاں ولا میں ہے' ہم بھی یہیں ہیں۔“

”کیوں؟“ لڑکا روہانسا ہو گیا۔ ”نہیں۔ نہیں۔ میں اب یہاں ایک سیکنڈ نہیں رک سکتا۔“ یہ کہہ کر وہ سیڑھیوں پر جھپٹا۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر پیچھے سے اس کا کالر تھام لیا۔ ”نہیں کے کے بیٹے! جب تک بنسی کا قصہ تمام نہیں کر لیتے' ہم دونوں کہیں نہیں جائیں گے.....“

وہ بہت ڈرا ہوا تھا' ہکلانے لگا ”مگر پولیس۔ پولیس تو ہم دونوں کو تلاش کر رہی ہے۔ چھوڑے گی نہیں۔“

میں نے اسے زوردار جھٹکا دیا۔ ”ہم پولیس سے بچتے بچاتے اس بنسی کے پاس جائیں گے..... اب ہم اسے نہیں چھوڑیں گے۔“

”مگر کیوں.....؟“ میں نے دیکھا' وہ کانپنے لگا تھا۔

”اس لیے کہ یہاں بہت سے لوگ ہیں جنہیں میں بنسی کے اور آگ کے حوالے کیے نہیں جا سکتا۔“

”کک کون؟ کون لوگ ہیں..... تم کیوں بے کار کی باتیں کر رہے ہو۔ چلو نا یہاں سے۔“

میں نے اس کے سر پر ایک ہلکی سی دھول رسید کی۔ ”میں نہیں جا سکتا' یہاں میرا دوست ہے ان حد سنگھ' میرے ساتھ آنے والی وہ لڑکیاں ہیں جنہیں تو نے چارے کی طرح استعمال کیا تھا اور ہمیں لمبے چکر میں پھنسا دیا تھا۔ یہاں لی صاحب ہیں اور بہت سے بے قصور لوگ ہیں جنہیں ولا کے ساتھ جلنے کے لیے نہیں چھوڑا جا سکتا۔“

کے کے بچے کی طرح ٹھنکنے لگا۔ وہ ڈر کے مارے اب باقاعدہ لرز بھی رہا تھا۔ میں نے جما کے اسے دو ہاتھ مارے اور پیچھے سے اس کی بیلٹ میں پنجا پھنسا کے اسے آگے کر لیا۔

”چلو بیٹا۔ اب اس سالے بنسی کو تلاش کرو اور آواز بالکل مت نکالنا' نہیں تو

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

میں مار ڈالوں گا۔"

ہم ولا کے گراؤنڈ فلور پر تھے۔ میں نے یہاں بہت کم وقت گزارا تھا۔ کے کے یہاں مہینوں سے رہ رہا تھا۔ یقیناً پوری طرح واقف ہو گا۔

میں نے کہا "کے کے! پہلے ہمیں بنسی کے کوارٹر میں لے کے چلو۔"

کہنے لگا "وہ کوارٹر میں نہیں' اس وقت گیراج میں ہو گا۔"

"گیراج چلو۔"

"گیراج میں پولیس کی گاڑیاں کھڑی ہوں گی۔ وہ جب بھی آتے ہیں' وہیں کھڑی کرتے ہیں۔ مفت میں آئل چینج کراتے ہیں اور سروسنگ کے چکر میں رہتے ہیں۔"

میں نے کہا "پولیس والے سب جگہ ہیں۔ گاڑیوں کے پاس ہوئے بھی تو ڈرائیور ہی ہوں گے۔ ان سے میں نمٹ لوں گا۔"

"چلو۔" اس نے مری ہوئی آواز کہا "لیکن سمجھ لو' پولیس والے تو جو کریں گے سو کریں گے۔ بنسی نے تمہیں میرے ساتھ دیکھ لیا تو وہ بس مجھے گولی مار دے گا۔"

میں نے کہا "تو نہیں چلا تو بس میں بھی تجھے گولی ہی ماروں گا اور کیا کرنا ہے..... اس لیے چلتا رہ۔"

گیراج کی طرف جانے کے لیے برآمدے میں نکلنا ضروری تھا اور برآمدے کا مجھے یاد تھا کہ وہاں پتھر کے بھاری گملوں میں قطار سے انوکھے استوائی درخت سجے تھے۔ وقت ضرورت جن کی اوٹ لی جا سکتی تھی۔ برآمدے کی طرف ہال کے برابر سے ایک تنگ راستہ گزرتا تھا۔ میں کے کے کو بیلٹ سے پکڑے ہوئے ہال میں لایا جو اس وقت خالی تھا۔ اس تنگ راستے میں ہم تیزی سے گھوم رہے تھے کہ دھڑ سے کوئی سامنے آیا اور کے کے سے ٹکرا گیا۔ کے کے نے اور ٹکرانے والے نے ایک ساتھ خوف کی آواز نکالی تھی۔

مارے گئے' میں نے سوچا..... مگر وہ کوئی عورت تھی۔

اوہ! وہ چینی ہاؤس کیپر تھی' کہنے لگی۔ "تمہارے پاس ہی آ رہی تھی۔ چلو مسٹر سنگھ کچن میں ہے۔"

"ہم کام سے جا رہے ہیں۔ سنگھ سے کہو کچن سے پولیس کو دور رکھنا' ہم ایک کام کے آدمی کو پکڑ کے باندھ کے وہاں لا رہے ہیں۔"

"باندھ کے؟"

"ہاں۔"

"برآمدے کی طرف مت جاؤ' ادھر پولیس ہے۔"

"کتنے؟ کیا زیادہ آدمی ہیں؟"

"دو' تین۔"

"تم انہیں برآمدے سے ہٹا سکتی ہو؟"

ہاؤس کیپر نے پوچھا "کیسے ہٹاؤں؟"

"کچھ کرو..... ہم سامنے کے گملوں کی اوٹ لے کے انتظار کر لیتے ہیں' دو منٹ میں کچھ کر لینا' ٹائم نہیں ہے۔"

"اچھا۔" کہہ کے وہ ہمارے برابر سے نکلتی ہال میں پہنچ گئی۔ ہم برآمد کے سب سے پھیلے ہوئے جھاڑ کی اوٹ میں آ گئے۔ ہم نے دیکھا۔ تین پولیس والے کچھ دور برآمدے سے اتر کر لان پر آ رہے ہیں۔

میں کے کے کی بیلٹ تھامے دم سادھے گملے کی اوٹ میں جھکا ہوا تھا۔ کے کے سمجھو گملے کے گرد کنڈلی مار کے لیٹ گیا تھا۔ ہم نے ہاؤس کیپر کو دو منٹ دیئے تھے۔

پہلی بار مجھے معلوم ہوا کہ دو منٹ کتنے طویل ہوتے ہیں۔ دل دھڑکے جا رہا تھا۔ اگر وہ تینوں پولیس والے لان کی طرف سے سلتے ہوئے پھر برآمدے میں چڑھ آئیں تو ہم مارے جائیں گے۔ خبر نہیں ہاؤس کیپر نے کیا ترکیب سوچی ہے۔ بس سانس روکے دعا پڑھتے ہوئے انتظار ہی کیا جا سکتا ہے۔

دو منٹ کب کے پورے ہو چکے تھے۔ کوئی فائدہ نہیں۔ میں نے دل ہی دل میں کہا۔ کوئی فائدہ نہیں اور اس وقت جبکہ میں مایوسی میں گملے کی اوٹ چھوڑنے ہی والا تھا کہ اندر کسی بھاری برتن کے گرنے اور جھنجھناتے رہنے کی آواز کے ساتھ عورت کی چیخ سنائی دی۔ عورت نے بری زبان میں فریاد بھی کی تھی کہ بچاؤ۔

لان کی طرف سے دوڑتے قدموں کی آواز آنے لگی۔

میں نے کے کے کی بیلٹ کو جھٹکا دیا۔ اب پولیس کے سپاہی لان کی طرف سے برآمدے میں آ رہے تھے۔ ہمیں ان کے اور اپنے بیچ گملے کی اوٹ رکھنے کے لیے حرکت میں رہنا ضروری تھا۔ وہ دوڑتے ہوئے برآمدہ چڑھے۔ ہم گملے سے لپٹے لپٹے لان کی طرف کھسک گئے اور جیسے ہی تینوں ہال میں جانے کے لیے تنگ رستے کی طرف جھپٹے' ہم

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

دونوں بے آواز لان کے رخ کود گئے۔ "گیراج کی طرف چلو۔" میں نے کے کے کو پھر جھٹکا دیا۔

گیراج تک پہنچنے میں ایک منٹ لگا ہوگا۔ ہمارا یہ ایک منٹ سمجھو' گھاس پر نہیں برچھیوں پر دوڑتے صرف ہوا۔ بارہ چودہ برس کے ایک لڑکے نے مجھے اور کے کے کو بھاگتے دیکھا۔ وہ شاید گھاس پر سے پتے سمیٹ رہا تھا۔ کے کے نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ لڑکے نے سمجھداری سے اثبات میں سر ہلایا۔

"مالی کا اسسٹنٹ ہے۔ یہ کسی سے نہیں کہے گا۔"

گیراج میں گھستے ہی ہمیں ایک پولیس والا نظر آیا۔ وہ اپنی سرکاری گاڑی کا بونٹ اٹھائے نئے ٹن سے دھار باندھ کر انجن میں تیل ڈال رہا تھا۔ اتنے انہماک سے وہ اپنے کام میں لگا تھا کہ ہم تقریباً اس کی ناک کے نیچے سے گزر کر گیراج میں پہنچ گئے۔

میں نے اپنا ہتھیار فائر کے لیے تیار کر لیا۔

اندر شاپ سے ہتھوڑا چلانے کی آواز آ رہی تھی۔

کے کے نے اشارہ کیا یعنی اس طرف بنسی ہوگا۔ میں کے کے کی بیلٹ میں ہاتھ پھنسائے سکون سے شاپ میں داخل ہو گیا۔

دوسرا پولیس والا یہاں اندر مصروف تھا۔ وہ ایک چپٹا دھات کا ٹکڑا بلاک پر رکھے ہوئے تھے اور اوور آل پہنے ایک مستری سا آدمی جس کا بعد میں پتہ چلا کہ یہی بنسی ہے' دھات کے اس ٹکڑے کو ہتھوڑے سے کوٹ کوٹ کے سیدھا کر رہا تھا۔

ہمارے داخل ہونے پر پولیس والے نے سر اٹھا کے دیکھا اور کوئی خاص توجہ دیئے بغیر پھر سر جھکا لیا۔ بنسی نے سر اٹھا کے دیکھا' اس کا ہتھوڑے والا ہاتھ میکانیکی انداز میں چلتا رہا۔ اس نے کے کے کو اور مجھے دیکھا اور ہمیں وہاں دیکھ کے حیرت اور خوف میں اس کا ہاتھ بہک گیا۔ ہتھوڑے کی پوری ضرب پولیس ڈرائیور کے ہاتھ پر پڑی اور اس نے ڈکراتے ہوئے تکلیف کی آواز نکالی بلکہ ٹھیک ٹھاک چیخ ماری۔

باہر سے آئل ڈالنے والے پولیسے کی آواز آئی "ارے کیا ہاتھ توڑ لیا تو نے؟"

میں نے جواب میں کہا "ہاں۔ ذرا ادھر آنا۔" میں نے اپنے ہتھیار کا رخ بنسی اور ہاتھ کی چوٹ کھائے آدمی کی طرف رکھا تھا۔ وہ بھی اب تک سمجھ چکا تھا کہ ہم کون ہیں۔

آئل کا ڈبا اٹھائے پہلا پولیس والا آیا تو میں نے اسے بھی اپنی ہینڈ گن کے

اشارے سے بنسی کے اور دوسرے کے پاس کھڑا کر لیا۔

بنسی نے ایک بار اس سے یہ ضرور کہا تھا کہ ہم وہی دونوں ہیں جنہیں وہ لوگ تلاش کر رہے ہیں مگر جب میں نے اس کی پنڈلی پر اپنے جوتے کی ٹو سے ایک بھرپور ضرب لگائی اور اسے چپ رہنے کا مشورہ دیا تو وہ خاموش ہو گیا۔

کے کے اپنے رشتے کے بھائی سے آنکھ نہیں ملا رہا تھا۔ بنسی بھی سمجھ گیا تھا کہ اس کی اصلیت مجھ پر کھل چکی ہے۔ ضائع کرنے کو وقت نہیں تھا۔ سب سے پہلے میں نے قریب کھڑے بنسی کی ٹانگوں کے بیچ گھٹنے کی ضرب لگائی' ساتھ ہی اس آئل چور پولیس والے کے سر پر اپنی ہینڈ گن کی نال سے چوٹ دی۔ دوسرا پولیس والا اب تک ہاتھ کی تکلیف میں باؤلا ہو رہا تھا۔

اس اچانک حملے کے مطلوبہ نتائج نکلے۔ بنسی تکلیف میں دہرا ہو گیا۔ اس کا سر میرے سامنے اس طرح جھک آیا کہ جیسے کوئی خوشامدی درباری بادشاہ کو سلامی پیش کر رہا ہو۔ میں نے سیدھے کھڑے ہاتھ کی ایک بھرپور ضرب بنسی کی گردن پر لگائی' وہ سکون سے لمبا لمبا لیٹ گیا۔ اب کچھ دیر کے لیے وہ خطرے کا باعث نہیں رہے گا۔ میں نے گن کی چوٹ سے چکراتے ہوئے پولیس والے کے پیچھے جا کر دیسی پہلوانی داؤ لگاتے ہوئے ہتھوڑے چڑھا دیئے یعنی اس کی بغلوں سے ہاتھ نکال کر اپنے پنجوں کو اس کی گردن پر جمایا اور الجھا لیا۔ وہ گالی بک بک کے ہتھوڑے کی چوٹ والے سے کہہ رہا تھا کہ "مار اس کو.....اس کو پکڑ لے۔ مارنا سالے کھڑا کیا ہے؟"

تکلیف کے باوجود پولیس والے نے میرے گھٹنے پر ٹھوکر ماری جو خاصی کار آمد رہی مگر میں جھیل گیا۔

بنسی اور ایک پولیسے کے خلاف میری کارروائی کا کے کے نے اچھا اثر قبول کیا تھا۔ میں نے جب کہا کہ "ہتھوڑے کی چوٹ والے کو سنبھال" تو کے کے نے میری ترکیب پر بے ڈھنگے پن سے سہی مگر فوری عمل کیا اور پولیس والے کے پیٹ کے نیچے گھٹنا مار کر اسے لٹا دیا۔

اب صورتحال سو فیصد ہمارے حق میں تھی۔ بنسی بے ہوش تھا۔ دونوں پولیس والے تھے تو اپنے پیروں پر کھڑے مگر ایک تکلیف میں تھا اور دوسرا میرے داؤ کے پھندے میں فی الحال بے بس تھا۔

میں نے کے کے سے کہا' ہتھوڑے کی چوٹ والے کو خالی مت چھوڑ' اس کو

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بے بس کر دے۔ لڑکے کی سمجھ میں کچھ آیا' کچھ نہیں آیا۔ تاہم اس نے تکلیف میں جھکے ہوئے زخمی پولیس والے کو اس کے چہرے پر گھٹنے کی ایک اور چوٹ لگا کر گرا دیا اور اس پر سوار ہو گیا۔

میرے بالکل سامنے پرانے ٹائروں کا کیبن یا سمجھو مرغی ڈربہ سا تھا۔ میں نے اپنے بے بس کیے ہوئے سرکاری آدمی سے جان چھڑالی۔ اسے پوری طاقت سے اس کیبن میں پھینک دیا۔ دیسی داؤ کھلتے ہی میرا مخالف بپھرے ہوئے آزاد بیل کی طرح مجھ پر حملہ کرنے کو اٹھا مگر ٹائروں کے اسٹور میں وہ اس زور سے گرا تھا کہ توازن برقرار نہ رکھ سکا تھا اور لڑھکتے ٹائروں پر پھسل کر لمحے بھر کے لیے بے بس ہو گیا تھا۔ میں نے اسٹور کا لوہے کی سلاخوں والا دروازہ بند کیا اور تالے کی چابی گھما دی۔ جب تک پولیس والا خود کو ٹائروں سے آزاد کرتا' چابی میری جیب میں تھی۔

پولیس والے نے اپنی دیہاتی بری زبان میں بکتے جھکتے ہوئے جیسے پورا اولا سر پر اٹھالیا۔ وہ اپنے افسروں' ساتھیوں کو نام لے لے کے پکار رہا تھا۔

میں نے سوچا' اگر ایک منٹ اور یہ اسی طرح چیختا رہا تو سب پولیس والے ادھر ہی دوڑ آئیں گے۔

کونے میں چار گیلن والا ایک ڈبہ رکھا تھا۔ میں نے وہ جھپٹ کے اٹھالیا۔ ڈھکن کھول کے سونگھا' پٹرول تھا۔ میں نے سلاخوں کے پار شور مچاتے' بکواس کرتے پولیس والے کو نشانہ بنایا اور ٹن کا آدھا پٹرول اس پر پھینک دیا۔

"کے کے! اپنی جیب سے ماچس تو نکال ذرا۔" میں نے اطمینان سے کہا۔ حالانکہ مجھے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ یہ لڑکا سگریٹ بیڑی بھی پیتا ہے۔

پٹرول کی بو سونگھتے ہی ماچس کا نام سنتے ہی اندر ٹائروں پر پڑے شور مچاتے پولیس والے نے دم سادھ لیا۔ ایسا لگتا تھا اس کے منہ میں زبان ہی نہیں ہے۔

کے کے نے زخمی پولیس والے پر بیٹھے بیٹھے اپنی جیب سے ماچس نکال کر بجائی تو میں نے اس کی طرف توجہ کی۔

"لو سر! ماچس لو۔" یہ کہتے ہوئے کے کے کی باچھیں کھلی جاتی تھیں۔

میں نے ماچس کی ایک تیلی نکالی۔ ٹائروں پر بیٹھے پٹرول میں بھیگے پولیس والے کو ماچس اور تیلی دکھا کر ایسا اشارہ کیا جیسے کہ میں ماچس بس جلانے ہی والا ہوں۔ وہ آنکھیں پھاڑے تھا اور مردہ پولیس والے کی طرح پیلا پڑا ہوا تھا۔ میری طرف دیکھ کے

اس نے ہاتھ جوڑ دیے۔

میں نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کے اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا تو وہ زور زور سے ہاں میں سر ہلانے لگا۔ اس کے ہاتھ اسی طرح خوشامد میں بندھے ہوئے تھے۔

اب تک ایک اسکیم میرے ذہن میں پوری طرح تیار ہو چکی تھی۔

بنسی بے ہوش تھا۔ وہ کروٹ بدلتے ہوئے ایک بار کراہا بھی تھا۔ میں نے اندازہ لگا لیا کہ تین چار منٹ وہ اور اسی طرح پڑا رہے گا۔ سامنے کے کے پولیس والے پر چڑھا بیٹھا تھا۔ میں نے جیب سے اپنی ہینڈ گن پھر نکالی۔ "کے کے! بچے اس گدھے پر سے اب اٹھ جاؤ' مجھے اس سے بہت کام لینا ہے۔"

کے کے اٹھا تو الجھے دماغ کے پولیس والے نے سر جھٹک کے اپنے پٹرول میں بھیگے ساتھی کو دیکھا' پھر ہمیں دیکھا' بولا "تم دونوں بچ نہیں سکتے حرامی۔"

وہ ابھی تک فرش پر بیٹھا تھا۔

میں نے ہینڈ گن اس کی صورت کی طرف سیدھی کر لی اور چپ رہنے کا اشارہ کیا۔

کے کے' اپنے کزن بنسی کو کسمساتے دیکھ رہا تھا۔

میں نے کہا۔ "یہ ابھی دو منٹ اور سوئے گا۔ اس کی فکر مت کرو.....اس پولیس والے دوست کو کھڑا کرو' مجھے کچھ دیر کے لیے اس کی وردی چاہیے۔"

"وردی؟" کے کے کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔

میں نے کہا "ہاں اس کی کینچلی.....کچھ دیر کے لیے۔ مجھے اس کے یہ گندے کپڑے ادھار لینا ہیں۔"

کے کے سمجھ کے مسکرانے لگا۔ پولیس والے نے سمجھ کے گالیاں بکنا شروع کر دیں۔ میں اتنی دیر اس کی طرف اپنی ہینڈ گن سیدھی کیے رہا جتنی دیر کے کے اسے اس کی وردی سے آزاد کرتا رہا۔ وردی زیادہ میلی نہیں تھا۔ اندر پہنا ہوا بنیان اور انڈر ویئر بہت میلا تھا۔

کے کے اس سے وردی لے کے ہٹا تو پھر وہ بک بک کرنے لگا۔ میں نے ٹن کا باقی پٹرول اچانک اس پر انڈیل دیا۔ بری پولیس والے کے سر کے بال تک بھیگ گئے تھے۔ اس نے آنکھیں ملتے ہوئے منہ سے عجیب عجیب آوازیں نکالیں جو فریاد جیسی سنائی دیتی تھیں۔ گالیاں بہر حال نہیں تھیں۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

میں نے کہا "لانس نائیک! تو اندر سے بہت گندہ ہے۔ چل یہ پٹرول سے صفائی تو ہو جائے گی۔"

پولیس والے کی وردی پہننے سے پہلے میں نے اس ادھ ننگے کو اس کے ساتھی کے پاس ٹائروں کے منی گودام میں بند کر دیا۔ وہ دونوں پٹرول میں بھیگے مجھے برا بھلا کہنے کی بجائے اب ایک دوسرے کو گالیاں دے رہے تھے۔

میں جب تک پولیس کی وردی پہن کر تیار ہوا۔ اس وقت تک بنسی کو ہوش آگیا تھا۔ میں نے کے کے کو بھیج کے پولیس وین سے ہتھکڑی کی ایک جوڑی منگوالی' اسے بنسی کے ہاتھ میں ڈال کر ایک ذمہ دار پولیس مین کی طرح میں اب بے کھٹکے ولا کے کچن تک جانے کی حالت میں آگیا تھا۔

کے کے کی ماچس اسے واپس کرتے ہوئے میں نے پولیس والوں سے کہا "یہ یہیں بیٹھے گا۔ تمہاری خبر لیتا رہے گا۔ اگر شور مچایا تم نے تو میرا آرڈر ہے یہ ایک تیلی جلا کے تمہارے اوپر پھینک دے گا اور چلا جائے گا سمجھے؟"

کے کے' کے لیے فوری بھیس بدلنے کا سامان کہاں سے آتا۔ میں نے ایک طرف پڑی پلنگ کی پھول دار چادر اسے اوڑھنے کو دی۔ اپنے اتارے ہوئے سویلین کپڑے بھی کے کے کو سنبھال کے رکھنے کے لیے دے کر ہم تین آدمی اس ایریا سے باہر آگئے..... ہم یعنی ایک نقلی پولیس والا' ایک نقلی قیدی اور ایک جعلی عورت یا لڑکی چادر کے پیچھے سے اپنے جینز اور ٹینس شوز دکھاتی ہوئی.....

برآمدے کے گملوں کے پاس ایک پولیس والا کھڑا تھا۔ اس نے مختصر جلوس کو ادھر سے نکلتے اور لان پر دو قدم چل کر سیدھے ہاتھ گھومتے دیکھ لیا۔ پکار کے پوچھنے لگا

"کیا بھائی؟ کس کو پکڑا؟"

میں نے مڑتے ہوئے ٹھٹک کر اسے دیکھا۔ جھلسے ہوئے لہجے میں کہا "ساہوکار کو۔"

"ہاہا۔' وہ میرے فوری جواب سے خوش ہوا' بولا "یہ جنانی کون ہے؟"

یعنی کے کے کا عارضی بھیس قابل قبول تھا' دور سے اسے عورت سمجھا جا رہا تھا۔

میں نے کہا "اس کی رکھیل ہے اور کون ہو گی۔"

"کیا کر رہے تھے؟" اب کے برآمد والے پولیس مین کے لہجے میں شرارت

بہت واضح تھی۔ "کیا کریں گے؟ تو ہی بتا بھولے ناتھ .....! سیٹھ لوگ ساہوکار لوگ کیا کرتے ہیں۔"

میں بنسی کو تھامے تھامے گھوم گیا۔ دور تک پولیس مین کی احمقانہ ہنسی کی آواز سنائی دیتی رہی۔ آگے ایک کمرے کا کھلا دروازہ تھا۔ برمی سیرونگ میں ملبوس ایک ملازمہ کمرے میں فرش پر گیلے بھاری تولیے سے پونچھا دے رہی تھی۔ میں نے دل میں کہا' لو گڑبڑ ہو گئی مگر ساتھ کا لڑکا اب ہشیار ہوتا جا رہا تھا۔ اس نے میرا خوف' میرے چہرے پر پڑھ لیا اور دھیرے سے کہا "یہ نئی عورت ہے' کسی کو نہیں جانتی۔"

ہم تینوں کو آتے دیکھ کر عورت کپڑا چھوڑ ادب سے ایک طرف کھڑی ہو گئی۔ میں گیراج سے چلا تھا تو بنسی کی کمر میں اپنی ہینڈ گن ٹکا کے چلا تھا۔ اب وہ عورت کے برابر سے گزرتا ہوا کچھ بے چین ہونے لگا تو میں نے اس کے گردن پر گن کی نال اور چبھو دی۔ کمرے سے نکلے تو ایک اندرونی صحن سا دکھائی دیا۔ صحن میں آنے سے پہلے میں نے کے کے کو اشارہ کیا تھا کہ آہٹ لے دیکھے کہ ادھر کوئی آتو نہیں رہا۔ کے کے نے دائیں بائیں چہرہ گھما کر سننے کی کوشش کی۔ ظاہر ہے وہ اس گھر کو خوب اچھی طرح پہچانتا تھا۔ اسے کہیں کوئی انوکھی آواز سنائی دی ہو گی تو مجھے صبر کرنے کا اشارہ کرتا ہوا وہ دروازے کا پٹ تھام کے رکا رہا۔ پھر میں نے بھی وہ آواز سن لی۔ کچھ لوگ تین یا چار یا چھ آدمی اپنے جوتوں سے آوازیں کرتے اسی طرف آرہے تھے۔ کے کے نے مجھے بازو سے تھاما اور ہم کمرے میں واپس ہو لیے۔ ہم نے دیکھا لوہے کا ایک گھماؤ دار زینہ اوپر کسی اسٹوریا دو چھتی کی طرف چلا گیا تھا۔

کے کے بلی کی طرح نرمی سے پیر رکھتا زینے پر چڑھ گیا اور تنگ نظر آتے دروازے سے غائب ہو گیا۔

میں نے بنسی کی کمر میں گن کا ٹہوکا دیا۔ سرگوشی میں کہا "آواز نہیں ہونی چاہیے۔ بلی کی طرح تو بھی چڑھ جا اور سانس روک لے۔"

ہم زینہ چڑھ کے دو چھتی کے دروازے پر گھسے ہی تھے کہ نیچے آدھے منٹ پہلے چھوڑے ہوئے کمرے میں وہ دھڑدھڑاتے ہوئے گھس آئے اور تیز تیز باتیں کرنے لگے۔ آوازوں ہی سے پولیس والے لگ رہے تھے۔ کوئی افسر ہی بک بک کیے جا رہا تھا۔ وہ ماتحتوں کو بے رکے ہدایات دے رہا تھا کہ خاموشی سے ہر جگہ داخل ہونا ضروری ہے ورنہ تمہاری آہٹ سے وہ لوگ ہوشیار ہو سکتے ہیں۔ کہنے لگا "مزا تو جب ہے کہ ان لوگ کے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سر پر اچانک جا کھڑے ہو..... سمجھا؟"

میں نے دل میں کہا "واہ بیٹا! سب سے زیادہ شور تو تو ہی کر رہا ہے ماہر کہیں کا۔"

مگر جو اگلی بات اس ماہر نے کہی' اس سے میرا خون جیسے خشک ہو گیا۔ کسی پولیس والے کو مخاطب کر کے وہ کہنے لگا۔ "اے سمہا! جا بیٹا تو سیڑھی چڑھ کے دیکھ' اوپر کیا ہے؟"

"اوپر؟" سمہا کی کاہلوں جیسی تھکی ہوئی آواز سنائی دی۔ "اوپر کیا ہونا ہے سر! وہی کاٹھ کباڑ کا اشور ہوتا ہے۔"

افسر نے غصے میں پوچھا "ارے تو نے دیکھ لیا ہے جو ایسا بولتا ہے۔"

سمہا خوشامد کرنے لگا "نہیں سر! دیکھا تو نہیں ہے' بس ایسا ہی کہتا ہوں۔"

"جا اوپر جا گدھا۔"

افسر ناراض ہو گیا' بولا "ہاں میں ادھر ہی کھڑا ہوں۔ تجھ سے رپورٹ لے کے آگے جاؤں گا۔"

"ہاں سر۔ ایک دم سر۔" اس کی کاہلی ڈر کے مارے ہوا ہو گئی تھی۔

ادھر دو چھتی میں جسے خالی سمجھ کے ہم بنسی کو لے کے گھسے تھے' ہمیں عجیب ہی منظر دیکھنے میں آیا تھا۔ ایک نوجوان بہت نوجوان جوڑا' ولا کے نوکر لڑکا لڑکی..... کاٹھ کباڑ سے بھرے اس اسٹور میں ایک دوسرے کو بانہوں میں لیے راز و نیاز میں الجھے ہوئے تھے اور کوئی وقت ہوتا تو بنسی انہیں پکڑ کے ہاؤس کیپر یا مالک کے سامنے لا کھڑا کرتا کہ دیکھئے سالوں کی عمریں دیکھیں اور ان کی حرکتیں دیکھئے مگر اس وقت وہ انہیں اپنا مسیحا سمجھ کے خوشامد سے دیکھنے لگا تھا کہ شاید اسے بچا لیں گے۔

مسیحا تو میں بھی انہیں سمجھا تھا کہ کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ میں نے انہیں استعمال کرنے کا فیصلہ کیا۔ میں نے کے کے کو اشارہ کیا کہ وہ ٹوٹی سنگھار میز کے پیچھے چھپ جائے۔ بنسی کو گلے سے پکڑے ہوئے میں اس عاشق معشوق پارٹی کی طرف بڑھا۔ میرا پستول دیکھ کے وہ سمجھ گئے تھے کہ آواز بالکل نہیں نکالنی۔ رومان تو ان کا کبھی کا ہوا ہو گیا تھا۔ اس کی جگہ خوف نے لے لی تھی مگر وہ ایک دوسرے کی گردن میں بانہیں ڈالے گرد آلود دیوان پر اس طرح سمٹے بیٹھے تھے' چہرے سے چہرہ بھڑائے۔ ڈر کے مارے دور کھسکنا تک بھول گئے تھے۔ میں نے دونوں کے قریب اپنا چہرہ پہنچا کر صاف سادہ برمی میں

کہا "پولیس ہمارے پیچھے سیڑھی چڑھتی آ رہی ہے۔ ہم ٹوٹے فرنیچر کے پیچھے چھپتے ہیں۔ آواز مت نکالنا' مار دیں گے۔ تم اسی طرح چماشا کرتے رہو' رکو مت۔ سمجھے؟"

لڑکے نے ڈر کے مارے جلدی جلدی ہاں میں سر ہلایا۔ میں بنسی کو گلے سے پکڑے پکڑے کاٹھ کباڑ کے پیچھے رینگ گیا۔ گھومے ہوئے زینے پر سمہا نامی پولیس والے کے ہانپ ہانپ کر چڑھنے کی آواز بالکل قریب آ گئی تھی۔

پھر ہم نے اس کے اوئے کہنے کی آواز سنی۔ وہ ڈر بھی گیا تھا اور شاید نوجوانوں کو دھمکا کر بدمعاشی سے باز رکھنا بھی چاہتا تھا۔ ہمیں لڑکا لڑکی کی خوف کی سسکی بھی سنائی دی۔ نیچے سے افسر نے پوچھا "کیا بات ہے' اوپر کوئی ہے؟"

کاہل پولیس والے نے کہا "بچے ہیں۔ لڑکا لڑکی۔ بدمعاشی کر رہے ہیں۔"

"اچھا اور کیا ہے اوپر؟"

"کاٹھ کباڑ ہے..... پر یہ ادھر چھپے بیٹھے ہیں۔ کیسی بے شرمی کی بات ہے۔ بھلا دیکھئے کون سی جگہ ڈھونڈی ہے سالوں نے..... بے حیا۔"

"چل چل۔ اتر آ' بکواس کر رہا ہے۔"

"مگر سر! یہ بھی کوئی بات ہے ان لڑکا لڑکی کو....."

"چل سالا گدھا! لڑکا لڑکی کیے جا رہا ہے' نیچے آ..... مت ستا بچوں کو۔"

"بچے نہیں سر! خیر جیسا آپ کا حکم۔" کہتا ہوا وہ بڑبڑاتا ہوا اترنے لگا۔ "ہمیں کیا جی..... بھگتیں گے ان کے ماں باپ۔ بتاؤ چھوڑ رکھا ہے۔ سالے یہاں گھسے ہوئے گھپلا کر رہے ہیں۔ صاحب بولتا ہے مت ستا بچوں کو۔ ارے یہ بچے ہیں بدمعاش..... سالے عیاش نہیں تو۔"

ایک بار اور افسر نے اسے ڈانٹا اور یہ پارٹی کمرے سے نکل گئی۔

میں بنسی کو کاٹھ کباڑ کے پیچھے سے گھسیٹتا ہوا نکلا تو دیوان پر دونوں عاشق معشوق لونڈا لپاڑی ایک دوسرے سے دور ایک ایک کنارہ پکڑے سمٹے ہوئے بیٹھے تھے۔ میں نے سامنے آ کر کہا "شاباش۔ اب آؤ ہمارے ساتھ چلو۔"

"نہیں۔" لڑکی بولی۔

"کیوں نہیں؟" میں نے پوچھا۔

لڑکے نے کہا "تم ہمیں لی صاحب کے سامنے لے جا کے کھڑا کر دو گے۔"

میں نے ہنس کے اطمینان دلایا۔ "نہیں لی صاحب کے سامنے نہیں کھڑا کروں

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

گا' انعام دوں گا۔ تم دونوں نے ہمیں بچایا ہے۔"

"اسے ڈرائیور بنسی کو کہاں لے جا رہے ہو؟" لڑکی نے ہمت کر کے پوچھا۔

"ہم اس بنسی کو بجائیں گے۔ بجانا سمجھتی ہو؟" لڑکی نے انکار میں سر ہلایا۔

لڑکے نے کہا "تم اسے مارو گے؟"

"شاباش۔ بالکل ٹھیک سمجھے۔ ہم بنسی ڈرائیور کو مار لگائیں گے۔ تمہیں اور سب کو یہ تماشا دکھائیں گے۔"

"اس نے کیا کیا ہے جو مارو گے؟"

"یہ حرامی سب کو..... تمہیں' تمہارے مالک لی صاحب کو' ولا کے سب آدمی کو بم سے اڑانے والا تھا۔"

"نہیں' نہیں۔" بنسی نے کے کے کو گھورتے ہوئے احتجاج کیا۔ گیراج کے بعد سے اس نے یہ پہلی آواز نکالی تھی۔

میں نے مڑے بغیر گن والا ہاتھ چلا کر اسے بیچ میں بول پڑنے کی سزا دی۔ فولاد کی ضرب سے بنسی کا ہونٹ سوجنے لگا۔

لڑکی نے نفرت سے بنسی کی طرف دیکھا' بولی "یہ سالا بدمعاش بھی ہے۔ صفائی کو جاتی تھی تو مجھے گیراج میں پکڑ لیتا تھا۔"

لڑکا جذباتی ہو گیا' اس نے اپنے دونوں پنجوں کو الجھا کر بغدہ سا بنا لیا اور بنسی کی گدی پر اس بغدے کا بھرپور وار کیا۔ اس ضرب سے بنسی لڑکھڑا گیا۔

"ٹھیک ہے' ٹھیک ہے۔ ابھی ہم اسے خرچ نہیں کرنا چاہتے۔ اس سالے نے جگہ جگہ ولا میں بارود بچھائی ہوئی ہے۔ پہلے اس سے سب جگہیں معلوم کرنا ہے' پھر کہیں جا کے....."

"اسے مار دو گے تم لوگ؟ یہ کے کے تو سنا ہے' اس کا بھائی ہے۔" لڑکی پریشان ہو گئی تھی۔

"تم غلط سمجھیں۔ ہم اسے ماریں گے نہیں' سب کو لے کے نکل جائیں گے۔ اسے ولا کے پچھلے گیٹ سے باندھ کے چلے جائیں گے۔ جب بہت دور پہنچ جائیں گے تو رائفل سے نشانہ لے کے اس کا اپنا لگایا ہوا بم ہم دور سے اڑا دیں گے۔ بس یہ اپنے ہی بم کے دھماکے سے اڑ جائے گا۔ ایک پنتھ دو کاج۔"

بنسی نے اب باقاعدہ رونا' گڑگڑانا شروع کر دیا۔

میں نے گدی میں ہاتھ دے کر اسے آگے کر دیا۔ اتنی چھوٹی سی جگہ میں وہ خوشامد کر رہا تھا۔ گڑگڑا رہا تھا تو اس سے آواز بہت گونجتی تھی۔

ہم اسے ان حد سنگھ کے پاس لے جانا چاہتے تھے تاکہ جو پوچھنا ہے' مار پیٹ کے پوچھ لے۔

"رکو۔" لڑکی بولی۔ "مجھے پتا ہے اس کا بارود اور بم کہاں رکھا ہے۔"

"خوب۔" لڑکی یہ بہت اچھی بات کہہ رہی تھی۔

بنسی نے منہ سے کسی قسم کی آواز نکالے بنا انکار میں زور و شور سے سر ہلانا شروع کر دیا۔

میں نے اس کی طرف سے توجہ ہٹالی۔ لڑکی نے اپنے عاشق کی طرف شرما کے دیکھا۔ بولی "وہ جو مالی کا سامان رکھا جاتا ہے نا پمپ ہاؤس کے برابر..... کوٹھی میں؟"

لڑکے نے بھی مسکرا کر ہاں میں سر ہلایا۔ "اچھا اچھا..... وہ۔"

میں نے بھی مسکرا کر دونوں کی طرف دیکھا۔ "اچھا وہ۔ تم لوگوں کی ملاقات کی کوٹھری؟"

لڑکے نے جلدی میں کہہ دیا "ہاں۔" لڑکی گڑبڑا گئی "ناں رے۔ نہیں۔"

"اچھا آگے بتاؤ' کیا وہاں اس نے بارود بم چھپائے ہوئے ہیں؟"

"ناں جی ناں..... وہاں پہ بھی..... مطلب یہ کک کی بیٹی کو لے کے جاتا تھا۔"

کک کی بیٹی؟ میں نے پریشان ہو کے اپنے ساتھی کے کے کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ رش کرتے ہوئے خون کی وجہ سے سرخ بلکہ براؤن ہو گیا تھا۔

اس نے ایک مرتبہ بنسی کی طرف دیکھ کر ایک لفظ "اچھا؟" کہا اور جھپٹ کر بنسی کے پیٹ کے نچلے حصے میں گھٹنے کی بھرپور چوٹ لگائی۔

"ہہ۔" یا "ہائے" جیسی کوئی آواز بنسی ڈرائیور نے اپنے منہ سے نکالی اور وہ چکرا کے اسٹور کے فرش پر گر گیا۔ وہ یقینی طور پر بے ہوش ہو گیا تھا۔

اس کمینے آدمی کی دل پھینک بدکرداریاں اتنی زیادہ تھیں کہ لگتا تھا' یہ اپنے رقیبوں کے ہاتھوں ہی ختم ہو جائے گا کہ بموں اور بارود کے بارے میں مفید اطلاعات ہمیں نہیں مل سکیں گی۔

میں نے کے کے کو سمجھایا کہ بھئی اتنا زیادہ طیش نہ کھاؤ۔ آخر کو تمہارا خالہ زاد بھائی ہے۔ اس کی بدکرداریوں کی وجہ سے وقت سے پہلے تو اسے ناکارہ مت کرو اور ابھی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کچھ دیر زندہ بھی رہنے دو۔ یہ ضروری ہے۔

نوعمر لڑکی اس مار پیٹ سے ڈر گئی تھی' کہنے لگی "مجھے نہیں معلوم تھا کہ کک کی لڑکی کی بات سن کے یہ لڑکا اتنا برا منائے گا۔ میں کہتی بھی نہیں۔"

میں نے کہا "جو ہو گیا' جانے دو۔ یہ بتاؤ بارود والی جگہ کا کیا کہہ رہی تھیں؟"

وہ بولی "اس کوٹھری میں کک کی لڑکی اس کے لیے کچن سے کھانے کو اچھی اچھی چیزیں لایا کرتی تھی۔ یہ دونوں پہلے بیٹھ کے وہ سب کھاتے پیتے تھے پھر....."

لڑکے نے جواب ایک ذمہ دار آدمی کی طرح لگ رہا تھا' اپنی محبوبہ کو ہوں کہہ کے روک دیا کہ وہ غیر ضروری باتوں کا ذکر نہ کرے۔

لڑکی پھر شرما گئی تھی۔ بولی "اس کوٹھری میں کک کی بیٹی اپنے اور اس کے لیے کھانے کی چیزیں چھپا کے بھی رکھتی تھی۔ جب یہ دونوں وہاں سے ہو کے چلے جاتے تھے تو میں جا کے تلاشی لیتی تھی۔ کبھی کبھی کوئی اچھی چیزیں مل جاتی تھیں۔"

کے کے اپنی سابقہ محبوبہ کی بے وفائی کا سن کے بجھ سا گیا تھا مگر لڑکی کا محبوب اپنی محبوبہ کی چالاکیاں سن سن کے مسکرا رہا تھا۔

لڑکی کہنے لگی "ایک روز ان کے چلے جانے کے بعد میں گئی تو میں نے دیکھا' ایک عجیب سی چمکدار چابی کوٹھری میں کہیں کونے میں پڑی رہ گئی ہے۔ میں نے وہ اٹھالی۔ رات میں' میں نے دیکھا۔ یہ بنسی ادھر ٹارچ لے کے گیا اور کتنی دیر کوٹھری میں رہا۔ یہ بہت پریشان تھا تو میں سمجھ گئی کہ چابی دیکھ رہا ہے اور چابی کسی خاص جگہ کی ہے۔ میں نے سوچا' ہو نہ ہو' اس نے کہیں پیسے' زیور' کوئی قیمتی چیز چھپائی ہوئی ہے۔ مجھے فکر ہو گئی کہ وہ جگہ تو دیکھوں جہاں اس نے چمکدار چابی کا تالا ڈالا ہوا ہے۔ دو دن یہ ایک دم پریشان رہا۔ دو دن تک میں چھپ کے اس کا پیچھا کرتی رہی۔ یہ اپنی پریشانی میں کبھی کبھی برف خانے کی طرف چلا جاتا تھا۔ کتنی کتنی دیر وہیں رہتا تھا۔ یہ جیسا پریشان جاتا' اتنا ہی پریشان واپس آتا تھا۔ مجھے حیرت ہوئی لی صاحب اپنا برف خانہ صرف گرمی برسات میں چار ساڑھے چار مہینے چلواتے ہیں۔ سردی کے موسم میں یہ بنسی بند برف خانے میں کیا کرنے جاتا ہے؟

ایک دن میں گئی تو میں نے خوب تلاش کیا' خوب تلاش کیا۔ میں نے دیکھا ٹھنڈی جگہ کاٹھ کباڑ کے نیچے گڑھے میں اس نے لکڑی کا ایک صندوق چھپایا ہوا ہے اور

صندوق میں نیا چمکدار تالا پڑا ہے۔ میں نے اس چابی سے کوشش کی تو کھٹ سے وہ تالا کھل گیا۔ صندوق کا ڈھکنا جو اٹھایا تو باپ رے باپ' اس میں وہ بارود والی لکڑیاں کیا بولتے ہیں' ڈائنامائٹ اور کارتوسوں جیسے ڈبے جن میں ڈائنامائٹ پھوڑنے والے فیوز ہوتے ہوں گے' یہ سب اور بجلی جیسے تار اور کیا کیا پڑا تھا۔ میں ڈر کے مارے تالا ڈال کے بھاگ آئی۔ آگ سے گولہ بارود سے مجھے بہت ڈر لگتا ہے۔ آتش بازی تک بری لگتی ہے مجھے۔ بس میں نے کیا کیا' ایک روز اس کے گیراج میں گئی۔ وہاں اس سالے کی میلی کچیلی پتلون ٹنگی تھی۔ میں نے وہ چمکدار چابی پتلون کی جیب میں ڈال دی اور نکل آئی تو ایسے مجھے پتا ہو گیا کہ یہ سالا گولہ بارود کدھر رکھتا ہے۔"

لڑکی اپنی عمر سے زیادہ چالاک تھی۔ مجھے اس نے بہت قیمتی راز کی بہت قیمتی چابی دے دی تھی۔ میں نے پوچھا "تو مجھے برف خانے لے جا سکتی ہے؟"

وہ بولی "کیوں نہیں..... چلو۔"

اس کا محبوب غصے میں اس سے کہنے لگا۔ "بات سن۔ تو رہنے دے' برف خانے میں لے جاتا ہوں۔"

میں نے کہا "دوست تم لے جاؤ یا یہ لے جائے' ہمارے لیے ایک ہی بات ہے۔ پر یہ سمجھ لو بنسی کو اکیلے اس کے کے' کے حوالے کر کے چلے جانا اچھا نہیں ہو گا۔ نہ تم لوگوں کے لیے نہ ہمارے لیے۔"

وہ سمجھ گیا کے کے کو ترچھی نظروں سے دیکھ کے بولا۔ "ٹھیک ہے۔ یہی لے جائے گی تمہیں۔" پھر لڑکی کی طرف دیکھ کے کہنے لگا "تو ٹیم نہیں لگانا ری۔"

میں نے ہنس کے کہا "تیری محبوبہ خیر سے جائے گی' خیر سے آئے گی۔ میں بنسی جیسا حرامی نہیں ہوں۔"

لڑکی اور میں کے کے اور لڑکے کو بنسی کے پاس چھوڑ کے لوہے کا گھماؤ دار زینہ اترنے لگے۔

کے کے اور لڑکا غیر مسلح تھے۔ بنسی کے ہتھکڑی لگی ہوئی تھی اور وہ پیٹ کے نیچے کے کے کا ٹھڈا کھانے کے بعد بے سدھ بے ہوش پڑا تھا۔ پھر بھی میں نے لڑکے اور کے کے کو ایک ایک سونٹی تھما دی کہ یہ بنسی بدمعاشی کرے تو مار لگانا۔

دو چھتی والے اس کمرے سے نکلے تو لڑکی نے مجھے بتایا کہ اس طرف کچن اور اس طرف برف خانہ ہے۔ چلتے چلتے مجھے خیال سا ہوا کہ کچن میں جا کر ان حد سنگھ کو بتا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

دوں کہ بنسی ڈرائیور کا کیا قصہ ہے مگر ادھر ایک پولیس والا بندوق پکڑے جیسے پہرہ دیتا نظر آیا۔ میں نے سوچا' پہلے بارود کا اسٹاک دیکھ لوں' پھر نکلتے ہوئے ان حد کو کسی طرح خبر کر دوں گا۔

کمرے سے نکل کے ہم ایک دالان میں آئے۔ میں نے لڑکی کو سمجھا دیا تھا کہ میں ولا کے مالک لی صاحب کا دوست ہوں اور یہ پولیس مین کی وردی میں نے ضرورت سے پہنی ہوئی ہے۔ اس لیے ہو سکتا ہے پولیس والے مجھے دیکھ کے پریشان کریں۔ ان سے دور دور رہنے کی ضرورت ہے۔

لڑکی کچھ دیر دالان کے ستون کی اوٹ میں کھڑی سب طرف دیکھتی اور آہٹیں سنتی رہی۔ پھر آؤ کہہ کے اس نے میرے پنجے میں اپنا پنجا پھنسایا اور دالان سے اتر کے کورٹ یارڈ کے پھولوں کے قطعے پھلانگتی' درختوں کی اوٹ لیتی' گھاس پر دوڑتی' فواروں حوضوں کی آڑ میں رکتی شکاری سے بھاگتے کسی ہرن کی طرح دو تین منٹ میں ولا کے سائے سے دور پہلے پتھروں اور بھاری شہتیروں سے بنائی گئی ایک عمارت کے پاس جا رکی۔ آہستہ سے کہنے لگی "یہی ہے برف خانہ۔"

ہم دونوں نے برف خانے کی دیوار کے سائے میں کچھ دیر اپنا سانس درست کیا۔

لڑکی نے بڑی اپنائیت سے اپنا ہاتھ بڑھایا اور مرے ہاتھ کو گرفت میں لے کر بولی "آؤ ہشیاری سے آنا۔" پھر وہ دھیرے سے ہنسی' کہنے لگی "تمہارا ہاتھ پکڑا ہے' یہ نہیں سمجھنا کوئی دوستی میں پکڑا ہے۔ ادھر برف خانے میں سانپ بہت ہیں۔ تم نئے لگتے ہو تو رستہ سمجھاتی ہوئی چلوں گی۔"

میں نے شکریئے کے اظہار میں ہلکے سے اس کا ہاتھ دبا دیا۔ "مہربانی ہے تمہاری..... ویسے جب تک تم کچھ نہیں سمجھاؤ گی' میں کچھ نہیں سمجھوں گا۔"

وہ ہولے سے قہقہہ مار کے ہنسی' بولی "سمجھدار آدمی ہو۔"

اس نے سانپوں کا کہہ کے جیسے میری جان نکال دی تھی۔ اس برما میں' میں نے سنا تھا بڑے خطرناک سانپ ہوتے ہیں۔ خیر کسی سانپ' بچھو کا سامنا نہ ہوا اور ہم برف خانے کی دھول میں اٹی مشینوں' ٹین کے بڑے بڑے ڈبوں کا ہی چڑھی سیڑھیوں سے اتر کے اس ٹھنڈے گڑھے کے پاس جا کھڑے ہوئے جہاں کاٹھ کباڑ اور نئے پرانے ملبے تلے لکڑی کا ایک صندوق رکھا تھا۔ میں نے صندوق کا کنڈا اکھاڑنے کے لیے کباڑ میں

سے لوہے کی ایک راڈ اٹھالی تھی۔ صندوق میں تالا پڑا تھا۔ ویسا ہی چمکدار جیسا لڑکی نے بتایا تھا۔ میں ڈائنامائٹ کے بارے میں خوب جانتا تھا کہ اس کے ڈبے وغیرہ پر خاص طور پر کسی دھات کی چیز سے چوٹ لگانا یا ویسے ہی ڈائنامائٹ کی اسٹک کو زیادہ بڑا دھچکا پہنچانا خطرناک ہو سکتا ہے۔ دھات کے ٹکرانے سے پیدا ہونے والی چنگاری سے دھماکہ ہو سکتا تھا۔ اس طرح بڑا دھچکا اسے ایکٹی ویٹ کر سکتا تھا۔

احتیاط سے راڈ استعمال کرتے ہوئے میں نے کنڈا تالا سب اکھیڑ لیا۔ لڑکی نے' میں نے صندوق میں جھانک کے دیکھا' بہت تھوڑا کچھ سامان اندر پڑا تھا۔

میں نے اس سے پوچھا "کیا اتنا ہی تھا؟"

لڑکی بولی "کوئی بھی نہیں' صندوق اوپر تک بھرا تھا۔"

بنسی نے ڈائنامائٹ اور بارود کی بڑی مقدار وہاں سے ہٹا دی تھی۔ کے کے ٹھیک کہتا تھا' ولا میں کئی جگہ بارود لگا دی گئی ہے۔

میں نے لڑکی سے پوچھا کہ بتاؤ صندوق میں کیا کیا تھا۔ جو چیزیں وہ پہچانتی ہے' ان کے نام لے کر باقی تفصیل بتا کر لڑکی نے ایک اور اہم بات مجھے سمجھا دی کہ بنسی ڈائنامائٹ کو کس طرح ٹائم سیٹ کر کے انہیں اڑا سکتا تھا بلکہ اس کے پاس ڈائنامائٹ کے ساتھ تار جوڑ کے اور تار کو بیٹری سے اسپارک دے کر اڑانے کا پرانا نظام تھا۔

کہنے لگی "ایک کالا ڈبہ تھا۔ ڈبے کے اوپر سائیکل میں ہوا بھرنے والے پمپ کا جیسا ہینڈل لگا تھا۔"

بیٹری اور تار اور بہت سی ڈائنامائٹ اسٹکیں صندوق سے ہٹالی گئی تھیں۔ اب بنسی کو مار پیٹ کر کے ہی پوچھا جا سکتا تھا کہ یہ سب چیزیں کہاں کہاں لگی ہیں۔

میں نے لڑکی سے کہا "چلو دو چھتی والے کمرے میں واپس چلو۔"

ستارے موافق تھے' ہمیں کام کی ایک چیز اور مل گئی تھی۔ میں نے صندوق میں پڑی اسٹکیں احتیاط سے لپیٹ کے کمر سے باندھ لیں اور بچتے بچاتے پولیس والوں سے چھپ چھپا کے ہم دونوں دو چھتی والے کمرے میں آ گئے۔

حیرت بلکہ دہشت اس کمرے میں ہمارا انتظار کر رہی تھی۔ لوہے کی نچلی سیڑھیوں پر سر پکڑے کے کے بیٹھا تھا۔ کے کے کے پیروں کے پاس ہتھکڑی کی جوڑی چمکدار زنجیر سے جڑی کھلی پڑی تھی۔ کے کے کی پیشانی کی کھال پھٹ گئی تھی اور خون رس رس کے اس کی آنکھوں میں آ رہا تھا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

لڑکی ایک لمحے میں سمجھ گئی کہ کیا ہوا ہے۔ وہ بے تابانہ اپنے محبوب کو پکارتی ہوئی سیڑھیاں چڑھتی چلی گئی اور دو چھتی میں داخل ہو گئی۔ پھر اگلے ہی پل سیڑھیوں پر سے جیسے آبشار کی طرح گرتی پھسلتی سب سے نچلی سیڑھی پر میرے اور کے کے کے پاس آ گئی۔ پوچھنے لگی 'کیا ہوا۔ تجھے کیا ہوا؟ وہ کیسا ہے؟ ٹھیک تو ہے؟"

کے کے جسے میں نے پیٹھ تھپک کے گال تھپتھپا کے ذرا حواسوں میں لانے کی کوشش کی تھی 'اب ہمیں پہچان رہا تھا اور ہولے ہولے کراہ رہا تھا۔

"کیا ہوا کے کے؟ بنسی کہاں گیا؟"

"بھاگ گیا۔"

"ہاں وہ تو پتا ہے۔ وہ کدھر گیا؟ میرا والا لڑکا 'وہ ٹھیک تو ہے؟"

"وہ ٹھیک ہے۔" کے کے نے کراہتے ہوئے اپنی پیشانی کا گومڑ چھوا۔ "وہ اس کے بنسی حرامی کے پیچھے گیا ہے۔"

"مگر بنسی کہاں ہے؟"

"کہہ رہا تھا..... کہہ رہا تھا' تمہارا سکھ دوست اور وہ چینی عورت کچن میں ہے۔ وہ بنسی کچن کو بارود سے اڑانے گیا ہے۔"

"ہے بدھیشور۔" لڑکی نے جیسے رو کے فریاد کی۔ "اے میری میا! وہ کتے کا جنا مار دے گا میرے والے کو۔"

میں نے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دی۔ "نہیں' نہیں کسی کو نہیں مارے گا۔ نہ تیرے دوست کو' نہ میرے دوست کو۔ پروا مت کر' چل ہم چلتے ہیں۔"

لڑکی نے میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کے میری ہمدردی کا جیسے شکریہ ادا کیا۔ بولی "بڑا جی دار ہے وہ۔ بنسی جیسے کو پورا پڑ جائے گا۔ پر وہ ہے کہاں؟" کے کے نے جھنجلا کے کہا "بتایا ناں' وہ بھی کچن کی طرف گیا ہے۔ سردار کو اسے چینی عورت کو ہشیار کرنے۔ کیا وہ دونوں تم لوگوں کو رستے میں نہیں ملے؟"

ابھی لڑکی جواب میں کچھ کہنے کو ہی تھی کہ لگا وہ کمرہ جس میں ہم بیٹھے تھے۔ ایک بار دھڑک گیا۔ دور کے ایک زبردست دھماکے سے ہم تینوں اچھل پڑے۔ لڑکی نے چیخ ماری اور کے کے کی گردن جھول گئی۔ "مار دیا رے۔ اڑا دیا سب کو بتیارے نے۔ مار دیا حرامی نے۔" وہ برابر رو رو کے چیخ چیخ کے کہے جا رہی تھی۔

میں نے کہا "ٹھیر! بات سن۔ ہمارے ساتھ آ۔ کچن کی طرف لے جا ہمیں۔

اسے کے کے کو سنبھال تو اور حوصلہ رکھ۔ آچل کے دیکھتے ہیں سب ٹھیک ملے گا۔"

لڑکی نے ہمت سے کام لیا۔ کے کے کی گردن میں بانہہ ڈال کے اسے اٹھایا اور آگے چل پڑی۔

ولا کے سبھی لوگ جیسے کچن کی طرف دوڑے جا رہے تھے مگر میں نے دیکھا پولیس والے گیٹ کی طرف بھاگ رہے تھے۔ ایک نے وردی کی جھلک دیکھ کے مجھے اپنا ساتھی سمجھا اور گیٹ کی طرف بھاگتے بھاگتے ذرا رک کے پکار کے کہا "اورے' ادھر کدھر جاتا ہے۔ گیٹ پر آ.....وائرلیس بھیج کے امدادی پارٹی بلانے کا ہے۔ ادھر بم پھٹا ہے۔ ادھر مت جا۔"

اس بہادر پولیس والے کو میں نے ہاتھ ہلا کے دفع ہو جانے کا مشورہ دیا۔ آگے اس کا ایک دلیر افسر بھی درخت کے تنے کی اوٹ میں کھڑا خوفزدگی کے عالم میں لوگوں کو الٹا آگ کی طرف بھاگتے دیکھ رہا تھا۔ اپنی چیختی آواز میں وہ سب سے کہہ رہا تھا "کم بیک کم بیک۔" مطلب واپس آ جاؤ۔ ایک بار اس نے ہماری پارٹی سے بھی "کم بیک" کہا۔ دور سے شاید وردی نہیں پہچانا ہو گا ورنہ مجھ پولیس مین سے بھی یہی کہتا بلکہ آرڈر کرتا کہ کم بیک۔

کچن کے ایک حصے میں آگ لگی ہوئی تھی۔ میں نے آگ بجھانے کا جھاگ پھینکنے والا لال کنستر اٹھائے ولا کے آدمیوں کو آگ پر قابو پاتے دیکھا۔ کچن کی پچھلی دیوار کا بڑا حصہ اڑ گیا تھا۔

میں ان حد سنگھ اور ہاؤس کیپر کی سلامتی کی طرف سے پریشان ہو کر پہلے ولا کے آدمیوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ان میں سے ایک نے درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے لوگوں کی طرف اشارہ کیا۔ کچھ زخمی وہاں بیٹھے تھے۔ کچھ لیٹے ہوئے تھے۔ پھر ہجوم میں گھری ہوئی مجھے ہاؤس کیپر نظر آ گئی۔ وہ زخمیوں کو طبی امداد دے رہی تھی۔

"ان حد کہاں ہے؟ کہاں ہے وہ؟"

ہاؤس کیپر نے وردی کے باوجود مجھے پہچان کے کہا "وہ تمہیں ڈھونڈنے گیا ہے۔"

مجھے اطمینان ہوا' چلو ٹھیک تو ہے میرا دوست۔ میں نے پوچھا "کس طرف ڈھونڈ رہا ہے مجھے"

ہاؤس کیپر بولی "ولا کے پچھلے گیٹ پر۔"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"او خدا! کیوں پچھلے گیٹ پر کیوں گیا ہے؟"

"ڈرائیور کے ساتھ گیا ہے۔ بنسی ڈرائیور کہہ رہا تھا' تم ادھر ہو پچھلے گیٹ پر۔"

جیسے میرے پاؤں تلے زمین نہ رہی۔ میں نے چیخ کر کہا۔ "بنسی دشمن ہے۔ یہ دھماکہ اسی نے کیا ہے۔ اس نے پچھلے گیٹ پر بھی ڈائنامائٹ لگایا ہوا ہے۔"

کیا معلوم وقت کتنا تھا۔ تھا بھی کہ نہیں۔ میں نے پچھلے گیٹ کی طرف دوڑتے ہوئے بس یہ دیکھا کہ ہاؤس کیپر اٹھ کے کھڑی ہو گئی ہے۔ کے کے اپنے کو پیچھے آنے کا کہتے ہوئے میں دیوانہ وار دوڑنے لگا۔

اب جو غور کرتا ہوں تو خیال ہوتا ہے کہ قدرت کے نظام میں بہتری کی کوئی صورت اس طرح بھی نکل آتی ہے کہ بظاہر جو مصیبت دکھائی دے' اس میں ایک رحمت یا سہولت پوشیدہ ہوتی ہے۔

اگر یہ دھماکہ نہ ہوا ہوتا تو میں جس علاقے سے دندناتا ہوا گزر رہا ہوں' یہاں سمجھو چپے چپے پر پولیس والے ہوتے۔ اس دھماکے اور اپنی بزدلی کے طفیل وہ سب ولا کے بڑے گیٹ پر اکٹھا ہو گئے تھے اور ولا کا اندرون اور پچھواڑا ہمارے لیے کھلا چھوڑ گئے تھے۔

میں دوڑتا ہوا اور ولا کے پچھلے گیٹ کی دوری پر لعنت بھیجتا کچھ ہی آگے گیا تھا۔ مجھے ابھی بہت سا فاصلہ طے کرنا تھا کہ پیچھے سے اسکوٹر کی آواز آئی۔ مڑ کے دیکھا۔ ولا کی بجری بچھی روشوں اور گھاس سے قطعوں بلکہ پھولوں کے تختوں کو روندتی ہوئی طوفان کی طرح وہ اسکوٹر میری طرف چلی آ رہی تھی۔

اسکوٹر پر چینی ہاؤس کیپر سوار تھی۔

ہاؤس کیپر نے اسکوٹر میرے برابر لا روکی۔ کہا کچھ نہیں۔ میں پلک جھپکتے میں پیچھے بیٹھ گیا۔ اس نے ماہرانہ انداز میں اسکوٹر کو ہوا کر دیا۔

میں جو راستہ پانچ منٹ یا زیادہ دیر میں طے کرتا' شاید آدھے منٹ میں طے ہو گیا۔

میں نے دیکھا' شاندار آہنی جالی اور پھول پتی کے ڈیزائن والے گیٹ کے پار ان حد سنگھ کی وہی جیپ کھڑی تھی جسے میرے رنگون ہائی روڈ سفر کے لیے تیار کیا گیا تھا۔

میں اور ہاؤس کیپر اسکوٹر سے جیسے پھسل کے اتر گئے۔

میں جیپ کو دیکھ رہا تھا' پھر میں نے کوئی اور چیز بھی دیکھ لی۔ ولا کی خوبصورت چہار دیواری پر جھکے برگد کے چھتنار درخت کی جڑوں میں تازہ گھاس سے ڈھکا مگر صاف دکھائی دیتا ایک سیاہ رنگ کا ڈبہ رکھا تھا۔ گھاس ہٹ گئی یا آوارہ گھومتی بکریوں نے ہٹا دی تھی تو میں نے تار کا ایک ٹکڑا بھی دیکھ لیا۔ برگد کی جو جڑوں پر سے لہراتا ہوا آگے گھاس میں کہیں گم ہو گیا تھا۔

یہ کالا ڈبہ بیٹری تھی جس سے ایک تار نکل کر مٹی میں دبائی۔ بارودی اسکوں تک گیا تھا۔ کالے ڈبے پر لگے ہینڈل کو دباتے ہی بارودی اسکیں یا ڈائنامائٹ دھماکے سے پھٹ جائیں گے اور گیٹ کے باہر کھڑی جیپ کے چیتھڑے اڑا دیں گے۔

ہاؤس کیپر نے میری نگاہوں کا تعاقب کرتے ہوئے سیاہ ڈبہ دیکھ لیا۔

مگر اس نے کچھ اور بھی سن اور دیکھ لیا تھا۔ میں نے اور ہاؤس کیپر نے ان حد سنگھ کی آواز سنی۔ وہ مجھے پکار رہا تھا۔ "شیر کھان! او یار اکدھر غائب ہو گیا؟ او بھئی ڈرائیور ادھر جیپ میں تو کوئی وی نہیں ہے لے اب یہ ڈرائیور کدھر گیا بھئی؟"

میں جہاں بیٹھا تھا' وہاں سے بیٹری کا باکس نزدیک تھا۔ میں نے سوچا دوڑ کر باکس سے تار الگ کر دوں مگر ہاؤس کیپر نے جھاڑیوں میں رینگتے اس سائے کو دیکھ لیا تھا جو بہت چوکنا تھا۔ جسے شاید ہمارے آنے کی خبر ہو گئی تھی۔ ہاؤس کیپر نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ میں نے بھی سائے کو دیکھ لیا۔ جس تیزی سے وہ بیٹری کی طرف بڑھ رہا تھا' اس کے بعد میرا اپنی جگہ چھوڑنا باکس تک پہنچنا بے کار ہوتا۔ سائے نے جو ظاہر ہے' ڈرائیور بنسی تھا' ہاتھ بڑھایا۔ میں نے اپنی بیلٹ تک ہاتھ پہنچا کر اپنی ہینڈ گن نکالی۔

ادھر سائے نے ہاتھ بڑھایا' ادھر میں نے نشانہ لیے بغیر اس پر فائر کیا۔

وہ چیختا ہوا پہلو کے بل گرا مگر باکس کی طرف رینگ رینگ کے برابر بڑھتا رہا۔

دو چھلانگوں میں' میں اس کے سر پر تھا۔ پھر میں نے اپنے شکاری بوٹ کی پوری طاقت ور ٹھوکر اس کے سر پر ماری اور وہ کالے باکس سے دور جا گرا۔

میں نے پکار کر ان حد سنگھ کو آواز دی۔ "یارا! ان حد سنگھ! جیپ کے پاس سے ہٹ جا۔ دور ہٹ جا۔ بم ہے بم۔ ادھر بڑے درخت کے پاس آ۔ ادھر اندر باؤنڈری میں۔ او ان حد سنگھ!"

ان حد سنگھ گولی چلنے کے ساتھ ہی "اوئے تیرا بیڑا تر جائے۔" کا نعرہ مار کے خود ہی جیپ سے دور چلا گیا تھا۔ اس نے میری آواز سنی اور اپنا ریوالور ہاتھ میں لیے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تھوڑی تھوڑی دیر بعد پکار کے مجھے متوجہ کرتا۔ مجھ سے ہدایات لیتا برگد کی چھاؤں میں ہمارے پاس آگیا۔

بنسی چت پڑا تھا۔ وہ آنکھیں کھولے سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ میں نے اس کے بائیں پنجے کو جس سے وہ اپنا زخم دبائے ہوئے تھا' خون سے تر ہوتے دیکھا۔ میری گولی اس کے دائیں بازو کے پر گوشت حصے پر لگی تھی۔

ان حد نے پہلے بنسی کو پھر ہاؤس کیپر کو دیکھا۔ مسکرا کے بولا "بنسی کو کس نے گھائل کیا؟ میرے یار نے یا میرے دلدار نے؟"

ہاؤس کیپر پہلے تو نہیں سمجھی' پھر سمجھ کے ہلکے سے مسکرائی "ان حد! تم بم کے اوپر بیٹھ کے بھی جوک (مذاق) کر سکتے ہو۔"

ان حد نے مسکراتے ہوئے خاموشی سے زخمی بنسی کی جامہ تلاشی لی۔ فرار ہونے کے بعد کے مختصر عرصے میں اس نے کہیں چھپایا ہوا ایک پستول حاصل کر لیا تھا۔ ان حد نے وہ پستول چیک کر کے میرے حوالے کیا۔ اس دوران میں نے بیٹری سے تار الگ کر دیا تھا اور تار کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا جیپ کے نزدیک دفن کیے ڈائنامائٹ کو اسی طرح دبا رہنے دیا۔

ان نرم اور مضبوط تاروں کو ان حد نے بہت مہارت سے بنسی کے ہاتھ پاؤں باندنے میں استعمال کیا۔ بنسی کو برگد کے چھتنار پیڑ کے نیچے بنڈل بنا چھوڑ کر اور مجھے اس کی نگرانی پر بٹھا کے وہ ہاؤس کیپر لیڈی کو اپنے ساتھ جیپ تک لے گیا۔ وہ کہتا گیا تھا کہ دلدار جی مجھے چیک کراؤ۔ میرے یار شیر کھان کے لیے تم نے کھانے پینے کا کیا سامان کس طرح رکھا ہوا ہے۔

تھوڑی دیر بعد وہ لوٹ کے آیا تو پسے ہوئے نمک کی چھوٹی شیشی اور ٹماٹو کیچپ کا چھوٹا سا جار اس کے ہاتھ میں تھا۔ وہ بنسی کے سرہانے آبیٹھا اور اپنی دوست ہاؤس کیپر سے کہنے لگا۔ "جانم! تم کچن کی طرف واپس جاؤ۔ جا کے زخمیوں کو دیکھو۔ میں ادھر کا کوئی بندوبست کر کے جلدی آتا ہوں۔"

ہاؤس کیپر نے الجھن کے ساتھ اسے دیکھا "ادھر کا کیا بندوبست ہو گا؟ شیر خان روانہ ہو جائیں تو پولیس کو بلا کے اس بدمعاش بنسی کو ان کے حوالے کرو۔"

"نہیں جانم!" ان حد نے نمک اور کیچپ دکھا کے کہا۔ "ان مزیدار چیزوں سے ڈرائیور بنسی کا تعارف کرانا باقی ہے تاکہ جلدی سے جلدی یہ ہمیں ڈائنامائٹ کی سب

اسٹکوں کا حساب دے دے کیونکہ پولیس نے تو اتنی تفصیل سے کچھ پوچھنا نہیں' سمجھیں تم۔ ہم نمک اور کیچپ کی مدد سے یہ کام پانچ منٹ میں کر لیں گے۔ تم جاؤ۔ ہاں شیر کھان! میں اس کے بازو کا زخم دیکھنا چاہتا ہوں..... بیچارہ تکلیف میں ہے' پچ پچ پچ۔"

ہاؤس کیپر نے احتجاج کیا۔ "نہیں ان حد تم اسے ٹارچر (ایذ رسانی) نہیں کرو گے۔"

میں نے اپنے سکھ دوست سے کہا "یارا! بہت ہو گیا۔ چھوڑو اسے پولیس کے حوالے کرو۔"

بنسی ہماری باتیں سن اور سمجھ رہا تھا۔ وہ مچلنے اور گڑگڑانے لگا۔ "واسطہ ہے مسٹر سنگھ! میں سب کچھ بتا دوں گا۔ یہ سالٹ' یہ کیچپ ہٹا لو۔"

ان حد اس کے سرہانے بیٹھ گیا اور بازو پر جما ہوا اس کا خون آلودہ پنجا طاقت سے کھینچ کر اس کے زخم بغور دیکھتے ہوئے جیسے خود سے کہنے لگا "سمجھ میں نہیں آتا' پہلے کیچپ کا لیپ کروں یا اسے نمک کی ڈسٹنگ سے آرام آجائے گا۔ میرا خیال ہے ضرورت نہیں پڑے گی نمک کی مگر کیچپ کا یہ ہے کہ ادھر برما والے اس میں کچھ جیادہ ہی مرچی ڈال دیتے ہیں۔ مجاوہ نہیں رہتا جو اپنے انگلش لوگ چاہتے ہیں۔ خیر جو مالک کی مرجی۔"

بنسی خوف سے اچھلنے لگا تو ان حد نے کیچپ کی شیشی سے اس کا سر کھٹکھٹا کے کہا۔ "اچھلو مت! نہیں میں تمہیں تنور کا دبنہ بنا دوں گا۔ سمجھے؟"

جب بنسی خوشامد میں طرح طرح سے گڑگڑانے لگا تو ان حد نے خوفناک انداز میں آنکھیں دکھا کے کہا کہ بنسی ڈرائیور میں اس لیڈی کی وجہ سے اور اپنے اس پاکستانی دوست کی وجہ سے ہر کام ڈیسنٹ طریقے مطلب شرافت نال کرنا چاہتا ہوں مگر اصل وچ میں بڑا ظالم آدمی ہوں۔ میں نے تین چار منٹ تجھ پر خراب کر دیے۔ بس یہ حد ہے ان حد سنگھ کی' اب اگر تو نے اے ٹوزیڈ سچ سچ نہیں بکا تو بھلے ہی لیڈی ناراض ہو جائے' بھلے ہی دوست خفا ہو کے چلا جائے میں تجھے چھوڑوں گا نہیں۔"

ان حد سنگھ کی اداکاری اتنی قابل یقین اور اس کی دہشت اتنی مکمل تھی کہ بنسی ڈرائیور نے شروع سے آخر تک ساری کتھا سنا دی کہ کس کس طرح مونگ جو کھسرے نے اسے ہدایات دے کر چھوڑا ہے اور لی صاحب کی ٹمبر جائیداد کو کس طرح برباد کر کے اسے روانہ ہو جانا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اس کے یعنی مونگ جو کے کالے کرتوتوں کی کوئی شہادت باقی نہ رہے۔ کھسرے نے بنسی سے کہا تھا کہ پروا نہیں بارہ پندرہ بندے "زندہ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

روسٹ" بھی ہو جائیں تو ہونے دو۔ اگر لی صاحب زندہ بچتا ہے تو اور زندہ نہیں بھی بچتا ہے تو اس کی جگہ کی ہمیں اب ضرورت نہیں ہے۔ جتنے دن یہاں بزنس کرنا تھا کر چکے۔

بنسی نے یہ سب کچھ بتایا' پھر اپنا کہنے لگا کہ اسے یہ بربادی کر کے مشرقی پاکستان میں سلہٹ چلے جانا تھا جہاں اس کے کچھ رشتہ دار ہیں۔ مونگ جو کو بعد میں وہیں رابطہ کرنا تھا۔ خود مونگ جو یورپ کے کسی ملک میں چھٹیاں گزارنے چلا جائے گا۔ پاکستانی بڑے صاحب یعنی میرے بابا صمد بنگش صاحب کے بارے میں اس نے وہی بتایا جو ہمیں پہلے سے معلوم تھا یعنی یہ کہ وہ رنگون لے جائے گئے ہیں۔ وہاں اس نام کا کوئی وزیر ہے جو شیر خان بنگش کو گھیرنا چاہتا ہے۔ اس لیے اس نے پاکستانی بڑے صاحب کو اپنے قابو میں رکھا ہے۔

اور بنسی ڈرائیور نے ہمیں ایک ایک ڈائنامائٹ اسٹک کا حساب دے دیا۔ اس نے ان حد اور ہاؤس کیپر کو ہلاک کرنے کے لیے کچن میں مجھے یعنی شیر خان کو مارنے کے لیے پچھلے گیٹ پر جیپ کے پار کرنے کی جگہ اور بیچارے لی صاحب کو مارنے کے لیے ان کے بیڈ روم سے ملنے والی اسٹور کی دیوار میں ڈائنامائٹ سیٹ کر دیا تھا۔ کچن اور جیپ کو اڑانے کے بعد بنسی کا منصوبہ یہ تھا کہ وہ لی صاحب سے پستول کے بل پر ولا میں موجود مال و دولت ہتھیانے اور انہیں اڑانے کے بعد ان کی سب سے قیمتی کرائس لر گاڑی لے کر سیدھا برما مشرقی پاکستانی سرحد پر پہنچتا اور وہاں مناسب لوگوں کو مناسب یا نامناسب رقمیں دے کر گاڑی سمیت سرحد پار کر کے مشرقی پاکستان پہنچ جاتا۔

جاتے ہوئے ان حد سنگھ نے نمک دان اور کچپ کا جار میری طرف بڑھا دیا تھا کہ لو جی اب یہ ہمارے کام نہیں ہے۔ تمہیں رنگون کے رستے میں کام آئے گا۔ ہاؤس کیپر نے نمک دان اور جار لے کے دور پھینک دیئے۔ بولی "مسٹر خان کے ساتھ لے جانے کے لیے ایسے بدقسمت نمک اور ایسے منحوس کچپ کے سوا بھی مونگ لی ولا میں بہت کچھ موجود ہے۔ شیر خان جب بھی یہ نمک یا کچپ استعمال کرتے ایک بدنصیب زخمی مجرم کا چہرہ ان کی آنکھوں کے سامنے آجاتا۔"

ان حد ڈھیٹ پن سے ہنسنے لگا' بولا "اب جب بھی میرا یار نمک یا کچپ استعمال کرے گا' اسے سردار ان حد سنگھ ترکھان کی کامیاب اداکاری یاد آئے گی۔ او بی بی سنو! ہم بابا اصغر علی شاہ البیلے کی سرکار کے سکھ ہیں۔ کیڑی (مطلب چیونٹی) کو بھی ٹارچر نہیں کر سکتے' یہ سورا بنسی تو پھر بھی ڈرائیور ہے۔ مطلب انسان کا پتر ہے۔ حضرت البیلے شاہ

ہوری فرماتے تھے کہ مالک نے انسان کو اپنی امیج مطلب اپنی مثال پر بنایا ہے۔ سوہناتے بیا' اسے ٹارچر نہیں ناں کر سگدے۔ جو بولے سو نہال۔"

اس کے بعد ان حد سنگھ بندھے ہوئے بنسی کو اسکوٹر پر ڈال کے سیدھا لی صاحب کے بیڈ روم سے ملحق اسٹور کی طرف لے گیا تاکہ وہاں سے ڈائنامائٹ کا فیوز بے کار کر دیا جائے۔ ہاؤس کیپر دوڑتی ہوئی کچن کی طرف چلی گئی۔

میں نے دیکھا' سامنے سے لڑکا کے کے لڑکھڑاتا ہوا آرہا ہے۔ اس کی پیشانی پر کسی نے رستے میں روک کے پٹی کر دی تھی۔ میں نے دو چھتی میں ملنے والے لڑکے لڑکی کا پوچھا تو کے کے نے بتایا کہ وہ زخمی تھا اور بنسی کے آزاد ہو جانے کے بعد گرتا پڑتا کچن کی طرف بڑھ رہا تھا بلکہ وہاں پہنچ ہی گیا تھا کہ دھماکہ ہوا۔ اس دھماکے میں لڑکا زخمی ہو گیا ہے مگر ابھی ابھی ولا کے لوگوں نے جو سب کی مرہم پٹی کر رہے ہیں' بتایا ہے کہ لڑکی اس کے ساتھ ہے اور پولیس کی مدد سے وہ اسے اور دوسرے زخمیوں کو اسپتال بھیجنے کی تیاری کر رہے ہیں۔

ساتھ ہی کے کے نے یہ تشویشناک مگر اہم اطلاع بھی دی کہ جی دار پولیس والوں کی وہ ٹکڑی واپس آگئی ہے جو دھماکے کے بعد سامنے بڑے گیٹ کی طرف بہانہ بناتی ہوئی نکل گئی تھی کہ امداد بلانے کو وائرلیس کرنا ہے۔

ہم اب رک نہیں سکتے تھے۔

میں نے کے کے سے کہا کہ چلو سامنے وہ اپنی جیپ کھڑی ہے۔ میرے اشارے پر کے کے نے گیٹ سے باہر جیپ کی طرف دیکھا۔ میری بھی نظر پڑی جیپ وہاں بے شک کھڑی تھی مگر اب اس دل بڑھانے والے منظر کو ایک بڑی سیاہ وین چھپاتی جا رہی تھی۔ کوئی تحقیق کرنے آیا تھا۔ کسی کو وہاں جیپ کی موجودگی کی خبر مل گئی تھی۔ ہم دونوں جھاڑیوں میں چھپ گئے۔

جیپ کو دریافت کرنے والی بڑی سیاہ وین رک گئی۔

بڑی سیاہ وین پر برمی زبان میں اسٹیٹ پولیس لکھا تھا۔ میں نے دیکھا ڈرائیور کی سیٹ سے چھلانگ مار کے دو آدمی اترے تھے۔ ایک ایسا ڈرائیور اترا تھا جس کے بدن پر میلا بنیان اور میلا ہی کچھایا انڈر ویئر تھا۔ اس ادھ ننگے ڈرائیور کے ہاتھ میں آٹومیٹک اسالٹ رائفل تھی۔ دوسرا وردی میں تھا اور عام پولیس والی رائفل اٹھائے تھا۔

یہ وہی بدمعاش تھے جنہیں میں گیراج کے ٹائر اسٹور میں بند کر کے پٹرول میں

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ترکر کے مقفل کر آیا تھا۔ ٹائر اسٹور کی چابی ابھی تک میری جیب میں پڑی تھی۔

میں نے منہ ہی منہ میں دعا مانگی "خدایا' پھنس گئے ہیں۔ پہلے بھی تو نے نکالا تھا' اب بھی تو ہی نکالے گا مگر ہم نے ایسی کون سی نیکی کی تھی کہ اللہ میاں ہم پر کرم کرتے ہوئے اس بپھرے ہوئے ادھ ننگے پولیس مین وغیرہ سے ہمیں بچاتے۔"

اسے شک سا ہو گیا جبھی پولیس ڈرائیور نے ہماری سمت میں اپنی آٹومیٹک سے اسپرے فائر کیا۔ دو درجن گولیاں طاقت ور مچھر مار اسپرے سے دس بیس گنا زیادہ رفتار سے ہمارے سروں پر سے گزر گئیں۔ باپ رے باپ! بہت غصے میں تھا ننگا بھائی۔"

میرے پاس دو ہینڈ گنیں تھیں مگر ایسی طاقت ور رائفل کے مقابلے میں ہینڈ گنیں کیا کر سکتی تھیں۔ میں نے کے کے کو بھی دم سادھے رہنے کا مشورہ دیا۔ ہمارا خیال ہرگز یہ نہیں تھا کہ یہ فائروں سے ڈرا دھمکا کے گالیوں سے ذلیل کر کے چلے جائیں گے۔ ہرگز نہیں' انہیں معلوم تھا کہ ہم یہاں ہیں۔ معلوم تھا کہ یہاں فرار ہونے کو آئے ہیں۔ وہ نہ ہمیں فرار ہونے دیں گے' نہ ولا میں آزاد پھرنے دیں گے بلکہ انہیں موقع ملا تو مار دیں گے۔ مجھے تو مار ہی دیں گے۔

دو تین بار اس پولیس مین نے اپنی اسالٹ رائفل سے اسپرے فائر کیا تو اس کے ساتھی نے ڈانٹ کے کہا "کنجر کی اولاد فائر حرام کر رہا ہے۔ افسر لوگ کو جواب تو مجھے دینا پڑے گا۔ دیکھ کے فائر کر۔"

اس ننگے کانسٹیبل ڈرائیور نے کچھ کہا ہو گا جو سنائی نہ دیا مگر وہ بات اتنی مشتعل کرنے والی ضرور تھی کہ ڈانٹنے والے نے اور بھی غصے میں کہا "یہ لے اپنی رفل پکڑ۔ میری اسالٹ گن مجھے واپس کر دے۔ تیرے باپ کا کنجر ماروں۔" اور آوازوں سے یوں لگا جیسے وہ آپس میں گتھم گتھا ہو گئے ہوں۔ بس یہی موقع تھا جواب دینے کا۔

میں نے جھاڑی کی اوٹ سے نکل کر ان کی طرف دو فائر کیے اور جگہ بدل کے درخت کی اوٹ میں چلا گیا۔

فائروں سے ان کو کوئی خاص نقصان نہیں ہوا لیکن وہ جس بے خوفی سے آ کر مجھے دہشت زدہ کر دینا چاہتے تھے' وہ بات ختم ہو گئی مگر میرے حملے نے ان میں اتحاد اور اتفاق بھی پیدا کر دیا تھا۔ یہ پسندیدہ بات نہیں تھی۔

ان کا ایک فائر آیا' پھر دوسرا۔ پھر سرگوشیاں سنائی دیں' پھر ان میں سے ایک..... وردی والا وین کی اوٹ سے نکل کے بھاگا۔ اپنا اطمینان کر لینے کے بعد وہ شاید

کمک لینے جا رہا تھا۔ یہ پرانی ترکیب تھی یعنی ایک آدمی اکا دکا فائر کر کے میرے کارتوس خرچ کرتا رہے گا' دوسرا کمک لے کے آ جائے گا اور وہ آرام سے مجھے گرفتار کر لیں گے۔

میں نے مولا کا نام لے کے بھاگتے پولیس مین کی ٹانگوں پر فائر کیا۔ ہائے کر کے وہ وہیں بیٹھ گیا۔

ادھ ننگے نے پکار کے پوچھا "کیا ہوا رے؟"

"انگوٹھا۔" وردی والے نے رو کے کہا۔

ادھ ننگے نے طیش میں آ کے اس درخت پر اسپرے فائر کیا جس کی اوٹ میں لیے ہوئے تھا۔ زخمی انگوٹھے والے نے تکلیف اور جھنجھلاہٹ میں کہا "اے فائر بچا۔"

میں نے درخت کے پیچھے سے آواز لگائی "ہاں فائر بچا..... کنجر کی اولاد۔"

اسالٹ رائفل والے کو بہت غصہ آیا۔ اس نے فائر کیا مگر سولو فائر۔ بس ایک ڈز۔

میں نے پکار کے کہا "ہاں یہ مٹی ہے' تیرے باپ کا کنجر ماروں۔"

کے کے کو اس گالی گلوچ میں مزہ آ رہا ہو گا۔ وہ ہنس دیا۔ وردی والے کو کے کے کی پوزیشن معلوم ہو گئی' اس نے فائر کیا جو کے کے کو ہٹ کر گیا۔ کے کے نے چیخ ماری' میں دور تھا۔ کے کے اوٹ میں تھا۔ میں نے چیخ کے پوچھا "کیا ہوا؟"

کے کے کی طرف سے خاموشی تھی۔

میں نے آواز لگائی "کے کے! تو ٹھیک تو ہے؟"

جھاڑی میں سے بہت کمزور سی آواز آئی۔ "گولی لگی ہے۔"

اوہ۔ یہ لڑکا جو اب میرا ساتھی تھا' اسے چوٹ نہیں کھانی چاہیے۔ اسے زندہ رہنا چاہیے۔ بابا کے بارے میں اسی کو تو ساری معلومات ہیں یہ زندہ نہ رہا تو میں بابا تک کس طرح پہنچوں گا۔ میں نے کہا "ٹھہر میں آتا ہوں۔" یہ جملہ میں نے کسی جنگی حکمت عملی میں کہا۔ پھر میں نے ایک پتھر اٹھا کر بالکل ہی غیر متعلق سمت میں پھینک دیا۔

توقع کے عین مطابق جھاڑیوں کو ہلاتے اس پتھر پر اسالٹ رائفل والے نے دو فائر کیے۔ ایک فائر اتفاقاً نشانے پر لگ گیا' پتھر ریزہ ریزہ ہو گیا۔

دوبارہ میں نے پتھر پھینکا۔ وہ دم سادھے بیٹھا رہا۔

اگلی بار میں رش کرتا ہوا درخت سے نکلا اور کے کے والی جھاڑی کے اور درخت کے آدھے راستے پر سجاوٹ کے لیے چنی ہوئی سرخ چٹانوں کی اوٹ میں جا کے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

لیٹ گیا۔

میری اس آہٹ کو وہ میرے پھینکے ہوئے پتھر کا کھڑکا سمجھا تھا۔ دھوکہ کھا گیا ورنہ میں اتنا صاف اور سیدھا نکلا تھا کہ اگر وہ پہلے سے فائر روکنے کا فیصلہ نہ کیے ہوتا تو مجھے آرام سے گرا سکتا تھا۔

اس نے خود کو گالی دی۔ ”دھت تیرے کی۔“ اور یہاں میں نے اپنی اچانک سوجھ جانے والی حکمت عملی کھیل دی۔

میں نے اپنی قمیص میں ہاتھ ڈال کے ڈائنامائٹ کی ایک اسٹک نکالی تھی۔ اب جیسے ہی پولیس والے کی جھنجلاہٹ کی آواز سنائی دی۔ میں نے دونوں پولیس والوں کے فاصلے کا حساب رکھ کر ان کی طرف ڈائنامائٹ کی اسٹک پھینکی' خود زمین سے بالکل چپک گیا۔ ساتھ ہی میں نے آواز بھی لگائی تھی ”کے کے چھپ جانا۔“

وہ اسالٹ والا باؤلا ہو رہا تھا۔ اس نے جیسے ہی میری طرف سے کوئی چیز بلند ہوتے دیکھی' اپنی رائفل کا برسٹ کھول دیا۔ ”ڈڈاڈڈاڈاابوم۔“ سات آٹھ راؤنڈ بے کار ہوا میں تیر گئے مگر ایک راؤنڈ ڈائنامائٹ کو چھو گیا اور جیسے عین میرے سر کے اوپر ایک بوم کے ساتھ دوسرا سورج نکل آیا۔ پھٹے ڈائنامائٹ کی آواز اور روشنی اتنی پاگل بنانے اور خیرہ کرنے والی تھی کہ اگلے چار چھ سیکنڈ کے لیے میں پوری طرح معطل ہو گیا مگر یہ وقت فوری کارروائی کا تھا۔ میں چٹانوں کی اوٹ سے اٹھا اور کالی وین کے رخ بڑھا۔

اسالٹ رائفل والا چت پڑا تھا۔ اس کی آنکھیں کھلی تھیں اور وہ شاک میں گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔ میں نے اس کے ہاتھ سے رائفل چھین کر اپنے کندھے سے لٹکا لی۔ دوسرا وردی والا پیر کا انگوٹھا زخمی ہونے اور دھماکے اور چمک کا اچانک سامنا کرنے کے باوجود رینگتا ہوا اس طرف بڑھا جدھر اس کی پولیس رائفل پڑی تھی۔ میں نے اپنے ہاتھ میں لی ہوئی ہینڈ گن سے وردی والے کے سر کے پچھلے حصے پہ جما کے ہٹ کیا۔ وہ ڈھیلا ہو کے گر گیا۔ ٹھیک! اب مجھے ان کی جامہ تلاشی لینی چاہیے۔ ایک خالی تھا۔ اسالٹ رائفل والے کے پاس ہینڈ گن تھی جو میں نے اپنے قبضے میں کی۔ پولیس رائفل ضائع کرنی تھی تو وہ میں نے نال کی طرف سے پکڑی اور کالی وین کے اسٹیئرنگ وہیل پر پوری طاقت سے مار دی۔ اسٹیئرنگ وہیل اور رائفل دونوں ناکارہ ہو گئے۔

اس پولیس جوڑی کی طرف سے بے فکر ہو کر اب میں اپنے ساتھی کے کے کی طرف پہنچا۔ وہ نیم بے ہوش تھا۔ میں نے دیکھا' اس کا ہاتھ گولی پڑنے سے ایسا ٹوٹا تھا کہ

دو انگلیاں اور آدھی ہتھیلی صاف اڑ گئے تھے۔ بے چارہ مالشیا نوعمری میں اپاہج ہو گیا تھا۔

جیب سے رومال نکال کے بالشت بھر لکڑی کے ٹکڑے سے رومال کو بل دے کے کستے ہوئے میں نے اس کا خون بہنا بند کر دیا۔ پھر اس بے ہوش کو کندھے پر ڈال میں سیدھا جیپ کی طرف چلا۔ میں نے دور سے آتی موٹر کے انجن کی آواز سن لی تھی یا تو وہ پولیس والے کسی کو بلاتے ہوئے آئے تھے یا اب جو ولا کے عقب میں دھوں دھوں ہوئی ہے' اس کی تحقیق کرنے ان کا کوئی ساتھی خود ہی ادھر آ رہا ہے یعنی وقت بالکل نہیں ہے۔

میں نے برابر کی سیٹ پر تہہ کیے ہوئے کمبلوں کے سہارے کے کے کو لٹا دیا اور جیپ کو پچھواڑے کی ذیلی سڑک پر دوڑانے لگا۔

میرا ذہن آگے کی سوچ رہا تھا اور کان پیچھے کی آہٹوں پر لگے ہوئے تھے۔ بلاشبہ کوئی میرے پیچھے آ رہا تھا اور وہ جو کوئی بھی تھا' دوست نہیں تھا کیونکہ اس نے مجھے روکنے کے لیے ایک وارننگ شاٹ اپنی ہینڈ گن سے کیا تھا۔

ایکسی لیریٹر پر میرے پیر کا دباؤ بڑھ رہا تھا۔ دل چاہتا تھا اچھے ٹیون کیے ہوئے انجن اور پورا بھرے فیول ٹینک کے ساتھ اس کا تعاقب کرنے والے کو میلوں تک خاک چٹاتا جاؤں۔

میرے اور تعاقب کرنے والے کا درمیانی فاصلہ بڑھتا جا رہا تھا۔ کسی اور جنجال میں الجھے بغیر اگر میں ولا سے مناسب فاصلے تک پہنچ جاتا ہوں تو زخمی کے کے کی مرہم پٹی ہو سکتی ہے۔ اگر اس کو صحیح طبی امداد نہ ملی تو کوئی بھی پیچیدگی پیدا ہو سکتی ہے اور پیچیدگی کا مطلب ہے یہ شخص جو مجھے میرے بابا تک پہنچا سکتا ہے' میری رہنمائی نہ کر سکے گا۔

سڑک سیدھی جاتے جاتے خبر نہیں کس پل میں لہراتی ہوئی گھوم گئی۔ سورج جو میرے چہرے پر چمک رہا تھا' اب میرے دائیں ہاتھ ہو گیا۔ وہ اکا دکا سواریاں جو راہ میں ملتی آ رہی تھیں' کم ہوتے ہوتے بالکل ختم ہو گئیں۔ میں نے گھبرا کے نوٹ کیا کہ سورج جو کبھی سامنے کبھی دائیں ہاتھ پر چمک رہا تھا' اس وقت میرے عقب میں ہے۔

میں نے گاڑی کنارے لگا کر روک دی۔ ”میں کہاں ہوں' کیا بھٹک گیا ہوں تو اب وہ کون ہو گا جو مجھے سیدھے رستے لگائے گا۔“

میں نے کے کے کو پانی پلایا۔ پیشانی پر ہاتھ رکھا' اسے بخار ہو گیا تھا۔ کلائی پر

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کسی ہوئی پٹی ڈھیلی کر کے ہاتھ کا دوران خون بحال کیا۔ خون بہہ کر ضائع بے شک ہوا لیکن مستقل پٹی باندھ کے نہیں رکھی جا سکتی تھی۔ کلائی سے آگے کا ہاتھ یعنی جو انگلیاں باقی بچی تھیں' وہ خون نہ پہنچنے سے مردہ ہو جاتیں۔ اس طرح گینگرین کا خطرہ بڑھ سکتا تھا۔ پھر ہاتھ کاٹنا ہی واحد علاج رہ جاتا۔

میں نے سامان میں دیکھا۔ اسپرٹ' ٹنکچر اور اس طرح کی چیزیں موجود تھیں جو معمولی چوٹ یا کٹ وغیرہ پر لگائی جا سکتی تھیں مگر یہ تو سرجری کا کیس تھا۔ ٹانکے لگنا تھے۔ کے کے ہوش میں آتا جا رہا تھا اور ظاہر ہے اب بہت تکلیف میں تھا۔ میں نے اسے دو اسپرین کی ٹکیاں دیں' پھر پانی پلایا اور اسے آرام کا مشورہ دیا۔ آرام کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا۔

دس پندرہ منٹ آرام اور کام کر کے آگے چلا تو شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔ مجھے رات سے خوف آ رہا تھا۔

یہ میرا وہم تھا یا اس جیپ میں کوئی کھڑبڑی ہو رہی تھی یا واقعی بہت سی شور مچاتی گاڑیاں پیچھے سے اوور ٹیک کرتی تھیں اور میرے برابر سے نکلنے والی تھیں

اچانک عجیب طرح کے شور میں انتہائی بے ڈھنگی' بے ہنگم گاڑیوں نے مجھے گھیر لیا۔ پہلے مجھے وہم ہوا مگر میں نے سوچا' یہ میرا تعاقب کرنے والی سرکاری گاڑیاں نہیں ہو سکتیں۔ انہیں تو میں نہ معلوم کس سمت میں کتنی دور چھوڑ آیا ہوں۔ ہر گاڑی بے رنگ و روغن تھی یا کسی کسی پر رنگ چڑھانے کا تکلف کیا گیا تھا تو صرف کہیں کہیں آف وہائٹ استر چڑھا کر ٹکڑوں اور تھگلوں میں چھوڑ دیا گیا تھا۔ باقی دھات پر زنگ آ گیا تھا اور لگتا تھا یہی ان گاڑیوں کا مستقل رنگ ہے۔

بہت ہی پرانی فورڈ اور شیورلے اور بیوک گاڑیوں کا یہ کھڑکھڑاتا پھٹپھٹاتا قافلہ یا تو بہت تیزی سے آ رہا تھا یا اب میرے پاس پہنچ کے کم رفتار ہو گیا۔ ہر ڈرائیور میرے برابر سے گزرتا مجھے تجسس سے دیکھتا نکل جاتا تھا۔ پھر رفتار ہلکی کر کے دوبارہ میرے برابر آتا اور اسی طرح مشاہدہ کرتا۔

کئی بار انہوں نے ایسا کیا۔ وہ یہ کھیل کرتے راستہ طے کرتے رہے۔

یہ عجیب گاڑیوں والے خود حیرت سے دیکھے جانے لائق تھے مگر کیا تماشا تھا کہ سب کے سب مجھے عجیب الخلقت سمجھ کر گھور رہے تھے اور بار بار گھوم گھوم کے میرا جائزہ لے رہے تھے۔ ان کا رویہ اگر دوستانہ نہیں تھا معاندانہ بھی نہیں تھا۔

میں نے اپنی رفتار ہلکی کرتے ہوئے انہیں متوجہ کرنے کو خوب ہارن بجائے' پھر پکار کہا کہ دوستو! خدا کے لیے کچھ کرو۔

کئی کئی بار جب میں نے یہ بات کہی تو انہوں نے اشارہ دیا کہ گاڑی روک لو۔ وہ بھی اپنی اپنی گاڑیاں سڑک کے ایک رخ لگا رہے تھے۔

میں نے جیپ روک دی اور اتر کے کھڑا ہو گیا۔ وہ اپنی گاڑیاں سائیڈ سے لگا کے ٹہلتے ہوئے آئے۔ جیپ میں پڑے کے کے کو دیکھ کر اسے ہاتھ لگاتے۔ دھیرے دھیرے اثبات میں سر ہلاتے اور ہٹ جاتے۔ کوئی بارہ پندرہ مردوں عورتوں نے جو بوسیدہ بری شہری لباس میں تھے' کے کے کا اس طرح معائنہ کیا اور سر ہلا کر بغیر کچھ کہے رستہ چھوڑ کر ایک طرف کھڑے ہو گئے۔ آخر کار ایک بوڑھا کاؤ بوائے جیسا آدمی ہیٹ اور اونچے جوتے' تنگ پتلون' تنگ جیکٹ پہنے ایسے ہی پرانے گرد آلود لباس میں ادھیڑ عمر کی ایک پرکشش عورت کے ساتھ آیا۔ اس نے کے کے کی پٹی کھول کے اس کا زخم دیکھا۔ پپوٹے اٹھا کر آنکھوں کی پتلیوں کا مشاہدہ کیا اور سب کی طرح اثبات میں سر ہلا کر اس پرکشش عورت سے اپنی زبان میں کچھ کہا۔ وہ ہاں میں سر ہلاتی چلی گئی اور تھوڑی ہی دیر میں بید کی بنی ٹوکری اٹھا لائی۔

ٹوکری لے کر بوڑھا میرے پاس آیا' بری اور اردو ملی انگریزی میں کہنے لگا کہ اس کی انگلیاں اور آدھی ہتھیلی تو اب گئی' وہ نہیں ملتی۔ اچھا ہوا ہم تمہیں مل گئے ہیں۔ معالج ہیں' علاج کر دیں گے۔ جان بچ جائے گی۔

میں نے کہا "تو پھر علاج کرو' انتظار کس بات کا ہے؟"

بوڑھا بولا "پہلے پیسے طے کر لو۔"

عجیب خبیث آدمی تھا۔ میں نے کہا "جو مانگو گے' دے دوں گا۔"

بوڑھا اپنے ساتھ کی ادھیڑ پرکشش عورت کی طرف دیکھ کے مسکرایا۔ "اسے گاڑی سے اتار کے یہاں سڑک کے کنارے لٹا دو اور پرے ہٹ جاؤ۔"

میں نے دو نوجوانوں کی مدد سے کے کے کو سڑک کے کنارے لٹا دیا اور ہٹ گیا۔

اس بوڑھے نے جو کھٹارا موٹر گاڑیوں کے جلوس کا سردار لگتا تھا' اپنی زبان میں اپنے ساتھی مختلف نوجوانوں کو ہدایات دینی شروع کیں۔ وہ سب جو سکون سے سڑک کے کنارے کھڑے ہو گئے تھے' اب جیسے بجلی سے چلنے والے کھلونوں کی طرح زمین پر پڑے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کے کے اور اپنی گاڑیوں کے درمیان گردش کرنے لگے۔ وہ عجیب شکل و صورت کے برتن ٹوکریاں چادریں اور بانسوں کے ٹکڑے اکٹھا کر رہے تھے اور کے کے گرد ایک خاص ترتیب سے یہ چیزیں جماتے جا رہے تھے۔ اس تمام عرصے میں بوڑھا سرخیل اپنے کاؤ بوائے کپڑوں میں سب سے نمایاں نظر آتا۔ سکون سے کھڑا کبھی جیبوں میں ہاتھ ڈال لیتا' کبھی ہاتھ نکال کے اشاروں میں اپنے نوجوان ساتھیوں کو ہدایات دینے لگتا۔

ادھیڑ عمر والی پرکشش عورت ایک تپائی سی بے ہوش کے کے کے سرہانے بچھا کر بیٹھ گئی اور اس نے اپنے جوتے موزے اتارنا شروع کر دیئے۔

نوجوان لڑکوں لڑکیوں نے کے کے اور اس پرکشش عورت کو درمیان رکھتے ہوئے اپنی لائی ہوئی چادروں' بانسوں سے ایک بے ترتیب قنات سی تان دی۔ میں نے دیکھا پرکشش ادھیڑ عورت نے تپائی پر بیٹھے بیٹھے جوتوں موزوں کے بعد اپنا زیریں اور بالائی لباس بھی اتار دیا تھا۔ وہ اب جیسے غسل آفتابی کے لباس میں تھی۔ لڑکوں لڑکیوں نے بے ہوش کے کے' کے پیروں کے پاس لکڑیوں کے ٹکڑے خشک پتلی شاخیں اکٹھا کر کے آگ جلا دی تھی اور آگ پر خوشبودار مسالہ ڈال کر دھواں کر دیا تھا۔

نیچی بے ترتیب قنات میں اس گروپ کا سربراہ سرخیل اور وہ عورت رہ گئے تھے۔

دھوئیں کے بلند ہوتے ہوتے عورت نے غسل آفتابی کا لباس بھی الگ کر دیا اور اپنے بال ایک بن کی شکل میں سر کی ٹاپ پر باندھ کر اس نے قنات کے گرد اکٹھا ہوتے اور ہوں اوں کی گونجتی آوازیں پیدا کرتے نوجوان کی دھیمی تالیوں اور پیروں کی دھمک پر ہاتھ بلند کر کے چکرانا یا اپنے حسابوں رقص کرنا شروع کر دیا۔

شوخ کاؤ بوائے کپڑوں' جوتوں اور ہیٹ والے بڑے میاں نے بے ترتیب نیچی قنات کے دائرے میں ایک پھیرا لگایا اور خود بھی "ہوووں اور اوں اوں ہووں" کی گونجتی آواز پیدا کرتے ہوئے اپنی جگہ پر کھڑے کھڑے گردش کی۔ کوئی ایک ڈیڑھ منٹ یہ دونوں مرد عورت دائرے میں کھڑے گردش کرتے رہے۔ ایک کے کے سرہانے گردش کرتا رہا اور دوسرا اس کے پائینتی۔

ایک ڈیڑھ منٹ کے بعد وہ کے کے سرہانے اور پائینتی بیٹھ گئے اور بید کی ٹوکری کو کھولتے بند کرتے' کچھ نکالتے رکھتے رہے جو مجھے دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

جتنی دیر وہ دونوں کے کے کو ٹریٹ منٹ دیتے رہے یعنی اپنے حساب سے اس

کا علاج کرتے رہے' اتنی دیر قنات کے گرد کھڑے کھٹارا گاڑیوں والے نوجوان ہوں اوں' اووں ہوں کی آوازیں پیدا کرتے وہاں موجود رہے۔ آخرکار پہلے عورت کے کے کے سرہانے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے اسی ترتیب کے ساتھ لباس' موزے جوتے پہنے جس ترتیب سے اتارے تھے اور وہ اپنے رخ سے قنات گراتی ہوئی پھر اس کا ساتھی بوڑھا کاؤ بوائے اپنے رخ سے قنات گراتا نکل آیا اور دونوں ایک طرف کھڑے ہو کر نوجوان لڑکے لڑکیوں کو سامان اٹھا اٹھا کر لے جاتے اور گاڑیوں میں رکھتے بیزار تماش بینوں کی طرح دیکھتے رہے۔

پانچ ساتھ منٹ میں کھٹارا گاڑیوں میں سے نکال کر لائی ہوئی ایک ایک چیز واپس گاڑیوں میں پہنچ گئی۔ بس سڑک کے کنارے زمین پر پڑا کے کے رہ گیا۔ وہ سر سے پیر تک پیلے رنگ کی ایک چادر سے ڈھکا ہوا تھا اور بالکل ساکت تھا۔

لڑکے لڑکیوں کے اپنی اپنی گاڑیوں میں جانے کے بعد بوڑھے سرخیل نے ہنستی ہوئی آواز میں مجھ سے کہا "اب کھڑے کیا ہو' اپنے ساتھی کو اٹھا لو اور ایک طرف لے جا کے بٹھا دو۔ یہ کاہل کب تک پڑا یہاں سوتا رہے گا۔"

عورت ہنسی' وہ ہنسی تو اس کے گالوں میں گڑھے پڑ گئے۔ "اٹھاؤ اسے سڑک کے کنارے سونا کوئی اچھی بات تو نہیں ہے۔"

میں نے بڑھ کر زرد کپڑے کی چادر کے کے پر سے ہٹا لی۔ وہ واقعی سکون سے سو رہا تھا۔ اس کے تھکے ہوئے چہرے پر وہ سکون تھا جو ساری رات کے جاگے ہوئے بیمار کے چہرے پر بڑے انتظار کے بعد ملنے والی نیند کا ہوتا ہے۔

میں نے آواز دی۔ "کے کے۔"

اس نے آنکھیں بند کیے کیے جواب دیا۔ "ہوں۔"

"کے کے اٹھ جاؤ"

"اچھا۔" کہہ کے اس نے خود پر سے چادر ہٹائی اور اٹھ کے بیٹھ گیا۔ چادر اس نے اسی ہاتھ سے ہٹائی تھی جس میں گولی لگی تھی۔

وہ لمحے بھر بیٹھا رہا' پھر اس نے اپنے منہ پر دونوں ہاتھ پھیر کر نیند سے پیچھا چھڑانے کو "آاہ" کی سی آواز نکالی۔

اس کے گولی کے زخم والے ہاتھ پر میری نظر تھی۔ وہ ہاتھ دو انگلیوں کے بغیر تھا اور آدھی ہتھیلی غائب تھی مگر ہاتھ کا زخم مندمل ہو چکا تھا۔ بس ایک سرخی سی رہ گئی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تھی جو زخم بھرنے کے مہینوں بعد تک رہتی ہے۔ چند گھنٹے پہلے کھایا ہوا زخم بھر گیا تھا۔ کے کے کا ہاتھ بالکل صحت مند ہاتھ تھا..... سوائے اس کے کہ اس کی دو انگلیاں کم تھیں اور آدھی ہتھیلی نہیں تھی۔

میں نے کہا "کے کے! تم..... تمہیں کچھ محسوس ہوا؟ کوئی نئی بات؟"

اس نے اپنے دونوں ہاتھ آپس میں ملے۔ بولا "ہاں میرا ہاتھ ٹھیک ہو گیا ہے۔" اس نے یہ بات بالکل نارمل لہجے میں کہی تھی جیسے مجھے عام سی خبر سنا رہا ہو۔

بوڑھے نے کہا "علاج ہو گیا۔ اجرت دو۔"

"ایں۔" میں نے اس کی طرف دیکھا۔ "ضرور ضرور۔ بولو کتنا دوں؟"

"تمہاری یہ جیپ چاہیے۔"

"ایں؟" میں نے اس کی طرف ہنس کے دیکھا۔

وہ سنجیدہ تھا۔ "ہاں جیپ چاہیے..... تم نے خود کہا تھا' جو مانگو گے دوں گا۔" میں اس کی شکل دیکھتا رہ گیا۔

O

کے کے کے ہاتھ پر گولی لگی تھی تو علاج کرنے کے بعد اس بوڑھے نے اجرت مانگی تھی۔ اس کاؤ بوائے کے لباس والے بوڑھے سے میں نے کہا تھا۔ ضرور لو اجرت۔ بولو کیا دوں؟ جواب میں اس نے ہم سے ہماری جیپ مانگ لی' پہلے میں سمجھا مذاق کر رہا ہے مگر جب اس نے کہا کہ تم وعدہ کر چکے ہو کہ جو مانگو گے' دوں گا تو میں اس کی صورت دیکھتا رہ گیا۔

اس کے برابر کھڑی پرکشش عورت بولی "صورت کیا دیکھ رہے ہو' اپنا سامان نکالو جیپ میں سے اور چابی ہمارے حوالے کر دو۔"

"یہ کیا مذاق ہے بھئی' کوئی عقل میں آنے والی بات کرو۔" مجھے اس پاگل پن پر حیرت اور غصہ تھا۔

بڑے میاں بولے "عقل میں آنے والی بات؟ کیا تم نے کہا' عقل میں آنے والی بات؟"

میں نے ہاں میں سر ہلایا۔

بوڑھے نے ہنستے ہوئے سجاؤ سے کے کے کی طرف اشارہ کیا اور کہا "یہ جو تم نے ابھی دیکھا' یہ عقل میں آنے والی بات ہے؟"

وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ ان عورت مرد نے خدا معلوم کس طرح لوبان کے دھوئیں میں ہوں اوں کر کے اور ناچ کے' گا کے کوئی عمل کیا تھا..... سفلی یا علوی..... شیطانی یا رحمانی اور گولی سے چیتھڑے ہوا "کے کے" کا ہاتھ ایسا ہو گیا تھا جیسے کبھی مہینوں پہلے یہ زخم آئے ہوں گے۔ تکلیف بھی نہیں رہی تھی اور زخم مندمل ہو گیا تھا۔

میں نے گڑبڑا کے کہا "وہ ٹھیک ہے۔ تمہارا عمل بہت انوکھا' بہت کارگر ہے۔ میرا ساتھی ٹھیک ہو چکا ہے' مہربانی تمہاری۔"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

عورت بات کاٹ کے بولی "یہ شکریہ اور مہربانی خالی بے کار کی باتیں ہوتی ہیں.....رو کھڑا' کیش یا کیش لانے والا سامان' سمجھے؟ پراپرٹی۔ ٹھوس اور سالڈ چیز ہوتی ہے' اس لیے اپنے ٹھوس اور سالڈ کام کی اجرت میں ہم ٹھوس سالڈ پیسے یا مال مانگ رہے ہیں۔ جیپ نہیں دیتے ڈھائی لاکھ کیش نکال دو' ہم اپنے رستے چلے جائیں گے' تم اپنی جیپ دوڑاتے نکل جانا۔"

"ڈھائی لاکھ.....!" میں چیخ پڑا۔ "ایسی بات کہو جو ہمارے بس میں ہو۔"

اب کے بوڑھے نے جملہ اچک لیا۔ "یہی تو کہہ رہے ہیں ہم۔ ڈھائی لاکھ کیش تمہارے بس کا نہیں ہے..... کم از کم اس وقت نہیں ہے۔ جیپ لگ بھگ اتنے ہی کی ہو گی۔ 10' 12 ہزار زیادہ سمجھ لو۔ خیر' وہ کوئی بات نہیں۔ ہم نے تمہارے لیے آسانی کر دی ہے۔ جیپ لے کے ہم نکل جائیں گے۔"

"مگر ہم سفر میں ہیں' ہماری گاڑی....."

"سب سفر میں ہیں۔ دیکھا نہیں ہم کتنے لوگ ہیں۔ یہ سب خوبصورت بچے' ان کی گاڑیوں کا ڈیزل' پٹرول' انجن آئل' ان کا کھانا پینا' دارو کہاں سے آئے گی اور کپڑے' چلو کپڑے ہمارے زیادہ تر سادہ ہیں' وہ کوئی نہیں۔ یہ سارا انتظام مجھے اور اسے..... میری عورت کو کرنا پڑتا ہے۔ اگر نہ کریں تو یہ لڑکا لڑکی سب اپنے اپنے گھروں کا رستہ لیں' ہم اکیلے رہ جائیں۔ تو یہ سب خرچا ہے۔ پھر پولیس اور روڈ ویز کا ڈیپارٹمنٹ بھی ہم سے کچھ ہتھیانے کے چکر میں رہتا ہے۔ چلو تمہارے پاس ابھی کم ہیں تو ہم کم لے لیں گے۔ ڈھائی لاکھ نہ سہی' دو لاکھ چالیس ہزار دے دو۔ دس ہزار کا رقعہ لکھ دینا کہ تم ہمارے مقروض ہو' ادائیگی ہو جائے گی۔"

میں نے کہا "سردار! ہمارے پاس دو لاکھ تو کیا' اس وقت دو ہزار بھی نہیں ہیں اور جیپ ہم دے نہیں سکتے۔ ہمارے پاس ابھی بارہ چودہ سو ہوں گے ٹوٹل۔ وہ لے لو' بات ختم کرو۔"

بوڑھے کے تیور پہلی بار مجھے بگڑے دکھائی دیئے' وہ بولا "بات ختم کرنے کی کہہ رہے ہو؟ آں' سوچ لو....."

مجھے کیا معلوم تھا کہ میں نے جو لفظ معاملہ حل کرنے کے معنی میں کہا تھا' یہ اسے اور ہی معنی پہنا دے گا۔

میں نے کہا "ہاں ختم کرو۔"

بوڑھے نے اپنی عورت کو دیکھا اور کہا "چل ختم کر دیتے ہیں۔" عورت نے اور اس نے ایک ساتھ تالی بجائی "تھا تھا" اور میرے عقب سے جہاں کے کے کھڑا تھا' ایک بھیانک چیخ کی آواز آئی۔ میں نے مڑ کے دیکھا اور خوف کے مارے سمجھو پتھر بن گیا۔

کے کے کے تازہ زخمی ہاتھ سے خون بہہ رہا تھا۔ لگتا تھا ابھی ابھی گولی لگی ہے۔ وہ گھبرا گیا اور جھکا ہوا اپنے ہاتھ کو مضبوطی سے تھامے خون روکنے کی کوشش میں کلائی کی موٹی وریدکو دبائے ہوئے تھا مگر خون روکنے میں اسے کوئی خاص کامیابی نہیں ہو رہی تھی۔

تکلیف میں ڈکراتے ہوئے اس نے کہا "شیر خان! بچالو' میں مر رہا ہوں.....یہ زخم' زخم پھر کیوں ہو گیا؟ شیر خان!"

ارے! میں بھی پریشان ہو گیا۔ انہوں نے' مرد عورت نے یہ کیا کر دیا؟ اسے پھر ویسا ہی کر دیا جیسا علاج سے پہلے تھا۔

میں نے بڑے میاں سے گڑبڑا کے کہا "یہ.....یہ مت کرو۔ میرا مطلب یہ نہیں تھا۔ اس کو کیوں تکلیف دیتے ہو؟ آگے کیسے جائیں گے؟ مجھ سے ابھی کچھ پیسے لے لو' باقی کا رقعہ لکھ دیتا ہوں۔ ہماری جیپ مت لو.....تکلیف مت دو۔ ہاتھ اس کا ٹھیک کر دو' سمجھے؟ ہم جھگڑا نہیں کرتے۔ اب نہیں جھگڑیں گے۔ جان چھوڑو لڑکے کی۔"

"مشکل ہے۔" بڈھے کاؤ بوائے کی عورت بولی۔ "اب تو بہت مشکل ہے۔"

"میں تمہاری ڈھائی لاکھ کی شرط پوری کروں گا۔ رنگون میں میرا پیسا ہے۔ وہاں تک چلو' پورے ڈھائی لاکھ دے دوں گا۔"

کے کے تیورا کے سڑک پر گر گیا۔ میں نے ہاتھ لگا کے دیکھا' اس کا بدن ٹھنڈا ہوتا جا رہا تھا۔ نبض کمزور تھی۔

عورت اطمینان سے بولی "مر جائے گا' بچے گا نہیں۔"

خدایا! یہ ہم کس قسم کے شیطانی جال میں پھنس گئے ہیں؟ یہ لڑکا اگر مر گیا تو پھر میرا رنگون جانا بے مقصد ہے۔ کیسی جیپ اور کس کی جیپ۔ رنگون تک تو پہنچنا ہے' جیپ کے بغیر بھی پہنچ ہی جائیں گے۔

میں نے بوڑھے سے کہا "میں جیپ دینے کو تیار ہوں۔"

عورت بولی "میں نہیں تیار۔ اب نہیں لیتی۔"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بوڑھے نے عورت کو سمجھایا "چل مان لے' جب کہہ رہا ہے' خود خوشی سے کہہ رہا ہے تو مان لے۔"

"نہیں۔"

"اری سن تو وہ۔" وہ دونوں روٹھنے منانے کا کھیل کھیل رہے تھے اور کے کے مر رہا تھا۔

اس کی نبض تقریباً غائب ہو گئی۔

میں نے کہا "خدا کے لیے۔"

عورت بولی "یہ دہائی مت دو سمجھے۔ مجھے یہ بات اچھی نہیں لگتی۔ اچھا' اگر دونوں کمبل اور ایک دو چیزیں اور تم جیپ ہی میں چھوڑ دو تو ہم جیپ لے لیں گے۔ جی تو نہیں کرتا مگر تم اتنا کہہ رہے ہو' اس لیے۔"

میں نے کہا "کمبل بھی اور جو بھی تم کہو۔ یہ میری گاڑی بھی اور جو مانگو سب تمہارا۔"

عورت نے بوڑھے کی طرف دیکھا۔

کے کے نے ایک گہری سانس لی' یوں لگا جیسے مرنے سے پہلے وہ پھیپھڑے بھر کے سانس لینا چاہتا ہے۔ میرا دل ڈوبنے لگا۔ میں نے چیخ کر کہا "لے لو ہماری جیپ۔"

عورت نے مرد کی طرف دونوں ہتھیلیاں پھیلا دیں اور اپنے ہی کسی اشارے میں کہا "ہوں۔"

مرد نے اس کی ہتھیلیوں پر اپنی ہتھیلیاں ماریں' پھر اس نے بھی ہونکارا بھرا۔

کے کے نے تسکین کی سانس لی۔ وہ اٹھ کے اکڑوں بیٹھ گیا۔ لگتا تھا جیسے ایک دم ٹھیک ہو گیا ہے۔ پھر وہ سڑک پر اپنا بے انگلیوں' آدھی ہتھیلی والا ہاتھ ٹکا کر اٹھ بیٹھا۔ اس کے ہاتھ سے نہ صرف خون بہنا بند ہو چکا تھا بلکہ پہلے کی طرح زخم ایسا نظر آنے لگا تھا جیسے اندمال ہو چکا ہے۔ مہینوں پہلے خشک بھی ہو چکا۔

میں نے فکرمندی سے لڑکے کی طرف دیکھا۔ "کے کے..... اب کیا حال ہے؟"

وہ اٹھ کے کھڑا ہو گیا۔ قدم بڑھا کے میری طرف آیا' بولا "ٹھیک ہوں' بالکل ٹھیک۔"

میں نے پوچھا "ابھی کیا ہوا تھا' کچھ یاد ہے؟"

اس کے لہجے میں شکوہ تھا "چھوڑو! مت یاد دلاؤ۔ آؤ یہاں سے چلیں۔" وہ پیدل چل پڑا۔

میں نے بوڑھے سے کہا "اگر کچھ دور ہمیں گاڑی میں بیٹھنے دو تو تمہاری مہربانی ہو گی۔" یہ کہتے ہوئے میں نے جیپ کی چابی بوڑھے کی طرف اچھا دی مگر دل میں کہا "لعنت ہے ان دونوں کی صورتوں پر۔"

بوڑھے نے اپنی طرف آتی چابی ہاتھ بڑھا کر جھیل لی۔ پھر مسکراتے ہوئے اپنی عورت کو تھما دی۔ اس نے چابی کو چوم کے اپنے پرس میں رکھ لیا۔ میری طرف مسکرا کے دیکھنے لگی۔ اس کے گالوں میں بہت دل آویز گڑھے پڑ رہے تھے۔ مجھ سے بولی "شکریہ۔" پھر اپنے مرد سے کہنے لگی۔ "یہ دونوں اگر رنگون جا رہے ہیں تو بٹھا لو..... میں جیپ چلا لوں گی' یہ تمہارے پاس بیٹھ جائیں گے۔"

کے کے چلتے چلتے رک گیا تھا۔ اس نے عورت کی بات سن لی۔ بولا "جیپ میں ہمارے کھانے کی چیزیں اور ان کے کپڑے ہیں۔ وہ دے دو۔ یہ کب تک مانگی ہوئی وردی پہنے پھریں گے۔"

عورت اپنی گاڑی سے اتر آئی' کے کے سے بولی "تم آ جاؤ میرے ساتھ۔ کمبل وغیرہ جیپ میں چھوڑ دینا اور جو سامان نکالنا ہو' نکال لینا۔" پھر وہ جاتے جاتے رک گئی' بولی "دیکھا؟ میں سمجھ رہی تھی' یہ وردی اس کی اپنی نہیں ہے۔ اگر یہ اصلی پولیس والا ہوتا تو ہم اس سے اتنے پیسے نہیں لیتے' کچھ رعایت کر دیتے۔" وہ ہنسی "مجھے پولیس والے پسند ہیں' سچی..... ہی ہی ہی۔"

میں نے دل ہی دل میں پھر اس پر لعنت بھیجی۔

کے کے کھانے کا سامان' میرے کپڑے اور دو چار فضول سی چیزیں جیپ سے نکال لایا۔ کمبل عورت نے نہیں دیئے۔ جیسا کہ اندازہ تھا کہ وہ نہیں چھوڑے گی۔ وہ پرانی برساتیاں یا برف باری میں پہننے کے لمبے کوٹ نہ معلوم کیسے جیپ میں آ گئے تھے' وہ اس نے چلتے چلتے کے کے کی طرف اچھال دیئے۔ بولی "سردی لگے تو پہن لینا۔"

ہم دونوں بوڑھے کی پونٹیاک کار میں جو دوسری گاڑیوں سے قدرے بہتر تھی' سوار ہو گئے۔ بوڑھے نے تین بار عجیب آواز کا ہارن بجایا اور اپنی گاڑی سب سے آگے نکال کر تیز رفتار سے چلانے لگا۔ پیچھے آنے والی دوسری گاڑی ہماری جیپ تھی جسے اس کی عورت چلا رہی تھی۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

میں نے چلتی گاڑی میں پولیس کی وردی اتار کے اپنے کپڑے پہن لیے تھے۔ بڑے میاں کی پونٹیاک کار شیشے ٹوٹی اور سب طرف سے کھلی تھی۔ ہوا کی کاٹ سے بچنے کو بڈھے کے مشورے پر ہم دونوں نے برف باری والے لمبے کوٹ پہن لیے۔ ذیلی سڑکوں سے نکل کے گھومتا پھرتا ان کا گروہ پھر رنگون جانے والی سڑک پر آگیا تھا۔ سورج اب ہمارے پیچھے تھا۔

ہم دو گھنٹے بھی اس سڑک پر نہ چلیں ہوں گے کہ سامنے سے سیاہ رنگ کی تیز رفتار گاڑیاں آتی دکھائی دیں۔ یہ شاید پولیس تھی۔ بوڑھا اپنی پونٹیاک کو ایک خستہ حال بورڈا سٹیشن ویگن کے برابر لے آیا جسے ایک داڑھی والا لڑکا چلا رہا تھا۔ دو دبلی پتلی لڑکیاں اس کے ساتھ تھیں۔ بوڑھے نے اپنی زبان میں لڑکیوں سے کہا "وہ دونوں سرکس میں کام کرنے والوں کی طرح اس چلتی گاڑی سے لٹک گئیں اور جست لگا کے ہماری والی پونٹیاک میں آگئیں۔ ہمارے ساتھ دوسری گاڑیاں اس بری طرح دھول اڑا رہی تھیں کہ مجھے یقین تھا سامنے سے آتی پولیس گاڑی والوں نے یہ کارروائی نہیں دیکھی ہوگی۔

بوڑھے نے جواب تک آگے آگے چل رہا تھا' دوسری گاڑیوں کو آگے نکل جانے دیا۔ ہم شور کرتے پھٹپھٹاتے اس کباڑی قافلے کے تقریباً وسط میں آگئے تھے۔ دوسرے اور ہی لوگ اب رہنمائی کر رہے تھے۔

زیادہ دیر نہ ہوئی ہوگی کہ سامنے سے آنے والوں نے ہمیں روک لیا۔

گاڑیوں کے رکتے ہی دونوں لڑکیاں کھسک کے میرے اور کے کے کے قریب آگئیں۔ انہوں نے عجیب ڈھب کی ٹوپیاں اپنی جینز کی جیبوں سے نکالیں اور میرے اور کے کے کے سر پر منڈھ دیں۔ پھر پولیس والوں کے آنے سے پہلے کے کے سے اور مجھ سے بھڑ کے وہ اس طرح بیٹھ گئیں جیسے ہم پر فدا ہو رہی ہوں اور ہمیں سردی اور ہوا سے بچانے کے لیے یہ سب کر رہی ہوں۔

موٹروں کے قافلے میں پولیس والے گھس آئے تھے اور قافلے کے لڑکا لڑکی شہد کی ناراض مکھیوں کی طرح بھنبھنا رہے تھے۔ وہ انہیں گالیاں دے رہے تھے۔ ان پر طنز بھی کر رہے تھے۔ ایک نے پکار کے کہا "اچھے بھلے جا رہے تھے ہم' رک کیوں گئے؟"

دوسرے نے جواب دیا "سامنے سے گدھ آ کے ٹکرا گئے ہیں' مجبوری ہے۔"

"کچھ دے دلا کے پیچھا چھڑاؤ۔" کسی لڑکی نے مشورہ دیا۔

"ہاں لیے بغیر نہیں ٹلیں گے۔"

پہلی لڑکی بولی "ان کا جو بھی انچارج ہے' اسے اپنے پاس بلا کے ایک چمادے دے..... کھیل ختم۔"

ایک لڑکا ہنسا۔ "ختم کیسے پھر تو ایک اور ہی کھیل شروع ہو جائے گا۔"

"ہاں' یہ سالے پھر نہیں رکنے کے۔ انہیں دور ہی رکھو۔"

"خاموش! یہ کسی پولیس والے کی آواز تھی۔"

لڑکا لڑکی ایسے خاموش ہو گئے جیسے واقعی ڈر گئے ہوں۔ دو تین کھی کھی کر کے رازداری سے ہنسنے لگے۔

پولیس والے نے اپنے روکھے دیہاتی لہجے میں تقریر سی شروع کر دی۔

"سنو! دو مفرور ملزمان ایک جیپ لے کے فرار ہو گئے ہیں۔ آپ لوگوں کو رستے میں کوئی مشکوک فرد یا افراد تو نظر نہیں آئے؟"

"آپ کے سوا ہمیں کہیں مشکوک افراد نہیں ملے۔" ایک کمزور مگر شریر آواز نے کہا

"یہ کون تھا۔ ذرا سامنے آئے بھئی!" پولیس والے کو طرارہ آگیا۔

تین چار آوازوں نے مل کے گانا شروع کر دیا "ذرا سامنے تو آؤ چھلیے۔"

وہی پولیس والا جیسے غصے میں دیوانہ ہو کے ڈکرایا "چوپ!"

ایک اور نے نتائج سے آگاہ کرتے ہوئے لڑکے لڑکیوں کو دھمکی دی کہ اگر وہ لوگ اسی طرح بدمعاشی کرتے رہے اور انہوں نے سرکاری لوگوں کی مدد نہ کی تو بہت برا انجام ہوگا۔ پولیس والے قافلے کو آگے نہیں جانے دیں گے۔

ایک لڑکے نے سنجیدہ لہجے میں پوچھا "آخر آپ لوگ ہم سے کیا چاہتے ہیں؟"

پولیس نے کہا "ہم سے تعاون کریں۔ ہم مفروروں کو گرفتار کرنا چاہتے ہیں۔ ہماری مدد کرو۔"

سنجیدہ آواز نے کہا "ہم مدد کرنے کو ہر طرح تیار ہیں۔ آپ تلاشی لینا چاہتے ہو' تلاشی لو۔ ہمیں اپنے ساتھ کہیں لے جانا چاہتے ہو' ہم ساتھ چلتے ہیں۔"

اس پر بہت سی آوازوں نے "آاا ں" کر کے احتجاج کی آواز نکالی۔ سنجیدہ لڑکے نے ڈانٹ دیا "خاموش رہو! سرکاری کام میں رکاوٹ نہیں ڈالنا ہے۔ اگر یہ لوگ سرچ کرتے ہیں' سرچ کرنے دو۔"

ایک لڑکا پکارا "ان کے پاس کیا سرچ وارنٹ ہے؟" ایک لڑکی بولی "ارے ان

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کے پاس تو اپنا شناختی کارڈ نہیں ہوتا۔" دو تین لڑکے لڑکیاں کھی کھی کر کے ہنس پڑیں۔

مگر ان سب پر جیسے پولیس والوں کا رعب پڑ گیا تھا۔ قافلے کے لڑکوں اور لڑکیوں نے کبھی کھی کر کے' کبھی مصنوعی سنجیدگی سے انہیں بہر حال تلاشی لے لینے دی۔

وہ تعداد میں آٹھ نو تھے۔ دو پولیس والے بوڑھے کی گاڑی کی طرف بھی آئے۔ بوڑھے نے کامیاب اداکاری کرتے ہوئے اونگھنا شروع کر دیا۔ ایک اس سے دیوانے پن کے الجھے ہوئے سوالات کرنے لگا یا شاید بڑے میاں نے ہی اسے الجھا دیا تھا۔ دوسرا ہماری طرف آیا۔ لڑکیاں ہماری گردن میں بانہیں ڈالے ہوئے تھیں۔ ایک جو میرے حصے میں آئی تھی' بے حد تیز و طرار تھی۔ وہ سر سے سر بھڑائے میرا منہ چوم رہی تھی اور پولیس والے کو دیکھ کر اور میرے نزدیک چلی آئی تھی۔

پولیس والا یہ سب دیکھ کے گڑبڑا گیا۔ اس نے تھوک نگلتے ہوئے مجھ سے کہا "ایے' ایے..... بات سنو جی۔"

میری طرف سے لڑکی نے اوں اوں کر کے اسی طرح مصروفیت میں پوچھا کہ کیا بات ہے؟

پولیس والے کو شک ہونا شروع ہو گیا تھا۔ اس نے ہاتھ پکڑ کے لڑکی کو مجھ سے الگ کرنا چاہا۔ لڑکی نے الٹے ہاتھ کا تھپڑ چلایا جو اس کے کان پر لگا۔ میں نے لڑکی کی اوٹ سے چہرہ نکال کر اس کی طرف نہ معلوم کیوں دیکھا اور بس یہی غضب ہو گیا۔ میری اور پولیس والے کی نظریں ملیں۔ یہ وہی ڈرائیور تھا جسے وردی سمیت ٹائر اسٹور میں پھینک کے میں نے پٹرول میں تر کر دیا تھا۔ میں اسے اور وہ مجھے پہچان گیا تھا۔

اس نے خبردار کرنے چیخنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ تھپڑ چلانے والی لڑکی نے اس کے منہ پر منہ رکھ کے اس کی سانس روک دی۔ "اوں اوں اوں" اس نے ہاتھ پیر چلائے اور لڑکی کے مجنونانہ شکنجے سے نکلنا چاہا۔ میں نے اس کے ہاتھ پیر قابو میں کر لیے۔

اس کا ساتھی بوڑھے کاؤ بوائے سے سوال جواب کر کے آگے کسی گاڑی کی طرف جا چکا تھا۔ بڑے میاں کو گاڑی کے اس حصے میں ہونے والے واقعے کا علم اب ہوا۔ وہ مجھے اور لڑکی کو پولیس والے سے لپٹا دیکھ کر سکون سے اٹھا اور گاڑی میں کہیں ہاتھ ڈال کر اس نے اسٹیل کی ایک راڈ نکالی اور "دھت!" کر کے پولیس والے کی گدی پر ماری۔

وہ خاموش اور ڈھیلا ہو کر جھول گیا۔ بوڑھے نے لڑکی کی مدد سے پولیس والے کو سیٹ سے گرا کر اس پر ربڑ کے میٹ جما دیئے اور ہم کو اشارہ کیا کہ ہم سیٹ پر پاؤں جما کے بیٹھ جائیں۔

اس تمام عرصے میں کے کے سے چمٹی ہوئی لڑکی اسی طرح چمٹی رہی۔ بس یہ ہوا کہ پولیس والے پر میٹ بچھنے کے بعد کے کے نے اور اس کی ساتھی لڑکی نے سہولت سے سیٹ پر اپنے پاؤں جما لیے تھے۔ ہم نارمل ہو کے مطلب دونوں جوڑے ایک دوسرے سے گھلے ملے اور بڑے میاں ڈرائیونگ سیٹ پر اونگھتے ہوئے بیٹھے ہی تھے کہ وہ پولیس والا جو بڑے میاں سے متھا ماری کر کے چلا گیا تھا' اپنے ساتھی کی تلاش میں لوٹ کے ہماری گاڑی کی طرف آیا۔ یہاں حالات ویسے ہی نارمل تھے۔ ہم دو نوجوان جوڑے بانہوں میں بانہیں ڈالے چہرے سے چہرے بھڑائے گھلے ملے بیٹھے تھے اور کسی بھی سوال کا جواب دینے کے موڈ میں نہیں تھے۔ بڑے میاں تو ظاہر ہے اونگتے تھے۔

پولیس والا اپنے غائب ہو جانے والے ساتھی کو آواز دیتا۔ ہمیں گھورتا مگر ہماری طرف سے مطمئن ہو کے چلا گیا۔

دو تین منٹ بعد پولیس کی گاڑیاں جس تیزی اور ہڑبونگ میں آئی تھیں' اسی طرح چلی گئیں۔

عجیب قصہ تھا۔ ان کا ایک آدمی کم تھا اور پھر بھی انہیں اس کمی کا اندازہ نہیں ہوا تھا۔ وہ مفروروں کے تعاقب میں اس طرف روانہ ہو چکے تھے جدھر سے ہم چلے آ رہے تھے۔

قافلہ آگے بڑھ گیا۔

بوڑھے کاؤ بوائے نے گاڑی روک کے اسٹیئرنگ اس لڑکی کے حوالے کر دیا جو مجھ سے الجھی بیٹھی تھی۔

خود وہ گاڑی کے گلوکمپارٹمنٹ میں کچھ تلاش کرنے لگا۔ اسے اپنے کام کی چیزیں مل گئیں تو وہ سیٹ پھلانگ کے پیچھے ہماری طرف آ گیا۔ پیچھے بیٹھے ہوؤں کو اس نے اشارہ کیا۔ وہ اور لڑکی میٹ اٹھا کر چکرائے ہوئے پولیس والے کو تھام کر بیٹھ گئے۔ پھر بوڑھے نے گلوکمپارٹمنٹ سے لائی ہوئی شیشی کا ڈھکنا کھولا اور پولیس والے کو تھوڑا تھوڑا کر کے شیشی کی چیز پلانے لگا۔ مجھے بو آ گئی تھی۔ میں سمجھ گیا کہ یہ پولیس والے کو شراب پلا رہا ہے۔ بے ہوش آدمی نے حلق سے بہت آوازیں نکالیں مگر وہ پلاتا رہا۔ پوری ایک

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

شیشی پلا دینے کے بعد اس نے گاڑی چلانے والی لڑکی سے کچھ کہا۔ اس نے ایک طرف گاڑی روک دی۔ میری اور کے کے کی مدد سے بوڑھے نے پولیس والے کو سمجھو ڈنڈا ڈولی کر کے اترا اور سڑک کے کنارے اگے ایک درخت کی چھاؤں میں لٹا دیا۔ وہ بے ہوش اور اب چڑھتے نشے میں کروٹ بدل کے سونے کی کوشش کرنے لگا۔ دھیرے دھیرے کچھ بکنے بھی لگا تھا۔ بوڑھے کے کہنے پر ہمارے ساتھ آئی ہوئی لڑکی نے آرام سے اپنی مردانہ قمیض اتاری۔ اتار کر اس نے قمیض دوبارہ پہن لی اور اتارا ہوا ریشمی کپڑا پولیس والے کی وردی کی جیب میں ٹھونس کر اس کے سرہانے شراب کی خالی بوتل پھینک کر چل پڑی۔

بوڑھے نے ہمیں بھی اشارہ کیا کہ چلو۔ ہم واپس پونیاک میں آبیٹھے اور جلوس میں شامل ہو گئے۔

اب جب بھی پولیس والی گاڑی کو آدمی کی کمی کا اندازہ ہو گا' وہ لوٹیں گے تو ان کا ساتھی انہیں درخت کے نیچے آرام کرتا مل جائے گا۔ پھر وہ موٹروں کے جلوس کا پیچھا نہیں کریں گے۔

ہم بوڑھے کی فراست کی داد دیتے ہوئے راستہ طے کرتے رہے۔

درخت کے نیچے پڑا شراب میں دھت پولیس والا جس کی جیب سے مختصر سا زنانہ ریشمی کپڑا برآمد ہو گا' جتنی بھی دلیلیں دے' خود کو بے گناہ ثابت نہیں کر سکے گا۔ اپنے افسروں' ساتھیوں کی نظر میں اب وہ طے شدہ "بدمعاش پولیس والا" تھا۔

رات ہوتے ہوتے ہم ایک قصبے کے بازار میں تھے۔ بوڑھے کے سب ساتھی جس کا جہاں سینگ سمایا ادھر چل پڑا۔ وہ دونوں لڑکیاں بھی چلی گئیں' خود بڑے میاں سکون سے ایک پٹرول پمپ کے پاس ہم دونوں کو لیے بیٹھے رہے۔ لگتا تھا انہیں کسی بات کا انتظار ہے۔

کوئی ڈیڑھ گھنٹہ بعد جیپ چلاتی ہوئی اس کی عورت آئی اور ہمیں پٹرول پمپ کے پاس کھڑا دیکھ کے رک گئی۔

میرا غصہ کم ہو گیا تھا۔ انہوں نے جیپ بے شک چھین لی تھی مگر کے کے کا ہاتھ ٹھیک کر دیا تھا اور ہمیں پولیس والوں سے بچا لیا تھا۔

عورت میرے پاس آئی' دونوں ہاتھ میرے کندھوں پر ٹکا کر بولی "اب تم جاؤ۔"

"جاؤ کیا مطلب؟ ان لوگوں نے تو ہمیں رنگون تک لفٹ دینے کا وعدہ کیا تھا؟"

میں نے اس سے کہا تو ہنس کے بولی "ہم ادھر مڑ جائیں گے اور رنگون شہر ادھر ہے۔ ہمارا تمہارا ساتھ نہیں ہو سکتا۔"

مجھے یہ بات عجیب سی لگی۔ کچھ غصہ بھی آیا۔ مایوسی بھی ہوئی مگر شکایت کا کوئی موقع نہیں تھا۔ میں نے کہا "ٹھیک ہے خالہ ہم جاتے ہیں۔"

میں نے تقریباً جھلسن میں یہ بات کہی تھی تو بوڑھے کی عورت نے ہنستے ہوئے مجھے اپنی طرف کھینچا اور میری پیشانی چوم لی۔ پھر اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی کوئی چیز میری قمیص کی جیب میں ڈال دی۔ ہنستے ہوئے اور میرا گال تھپتھپاتے ہوئے وہ مڑی اور اپنے مرد کے برابر جا کھڑی ہوئی۔ وہ اس وقت بہت دلکش لگ رہی تھی' دونوں گالوں کے گڑھے اسے اور بھی حسین بنا رہے تھے۔

میں نے بے خیالی میں جیب سے وہ چیز نکالی جو بوڑھے کی عورت نے ڈالی تھی۔ یہ ہماری جیپ کی چابی تھی۔ میں نے حیران ہو کر اسے' اس کے مرد کو دیکھا۔

"جاؤ۔ یہ رستہ رنگون کو جاتا ہے۔"

بڑے میاں نے بھی ہنستے ہوئے آنکھ ماری۔ "تم سے جیپ ہتھیا کے میری عورت ویرانے میں نہ نکل جاتی تو بیٹا! تم پکڑے گئے تھے۔ اب ان بدمعاشوں کا کوئی کھٹکا نہیں ہے۔ وہ پیچھے آئے بھی تو ہمارے پیچھے آئیں گے۔"

میں آنکھیں پھاڑے انہیں دیکھ رہا تھا۔

سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح اس ہمدرد جوڑے کا شکریہ ادا کروں۔ انہوں نے ہم پر یہ کتنا بڑا احسان کیا تھا۔

میں بڑھ کر پہلے بڑے میاں سے' پھر ان کی عورت سے بغل گیر ہوا۔ کے کے تو دوڑ کر ان دونوں کے ہاتھ چوم رہا تھا۔ ان کے گھٹنوں کو ہاتھ لگا رہا تھا۔

بڑے میاں نے دوستوں کی طرح میری گردن میں بانہیں ڈال دیں' بولے "اب دیر مت کرو بیٹا! اسپیڈ اچھی رکھنا تاکہ تم پانچ چھ گھنٹے میں رنگون پہنچ جاؤ اور ایک بات کا خیال کرنا۔ رنگون پہنچ کے سب سے پہلے وہاں کے سول اسپتال چلے جانا۔ ایک سرجن دوبے صاحب ہیں وہاں' دوبے کے حوالے اپنے ساتھی کو کر دینا۔ دیر مت لگانا اور بھولنا مت۔ دوبے سے کہنا زورا صاحب نے عارضی علاج کر دیا تھا' اب آپ سنبھالو..... زورا میرا نام ہے۔ اچھا جاؤ۔"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کے کے نے اپنے ہاتھ کی طرف دیکھا' پھر ہاں میں سر ہلاتا کہنے لگا "پروامت کرو۔ شیر خان بھول بھی گیا تو میں نہیں بھولوں گا۔ سر جن دوبے؟ ہاں؟ سول ہسپتال؟"

بوڑھے نے خوش مزاجی سے سر ہلایا اور کے کے کو اور مجھے آنکھ مار کے خدا حافظ کہا۔

وہ دونوں مرد عورت اپنی پونیاک میں بیٹھے اور ہماری طرف دیکھے بغیر تیزی سے اپنی گاڑی بڑی سڑک پر نکال کر اپنا عجیب و غریب ہارن بجاتے ہوئے روانہ ہو گئے۔

ہم نے بھی ایک لمحہ ضائع کیے بغیر جیپ سنبھالی اور رنگون والے رستے پر اڑے چلے گئے۔

میں نے بوڑھے کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے رفتار تیز بلکہ بہت تیز رکھی۔

روانہ ہونے کے پانچ گھنٹے اور دس منٹ بعد ہم رنگون شہر میں داخل ہو رہے تھے۔

رات کے وقت بھی سول اسپتال کا رستہ بتانے والے ہمیں مل ہی گئے۔

ساڑھے پانچ گھنٹے بعد جب میں جیپ کو اسپتال کے پارکنگ ایریا میں لگا رہا تھا' دن نکلنے والا تھا۔ میں نے ری سپشن ڈیسک پر پوچھا کہ سر جن دوبے سے کہاں اور کب ملاقات ہو سکتی ہے تو ڈیوٹی پر بیٹھے مرد نرس نے بتایا کہ وہ ابھی ابھی آئے ہیں اور فلاں نمبر کے کمرے میں ہیں۔

میں کے کے کو لیتے ہوئے کمرے کے دروازے پر پہنچا۔ کے کے تھکن سے یا کسی اور وجہ سے کھڑے کھڑے لہرانے لگا "کیا بات ہے؟" میں نے پوچھا تو اس نے منہ سے کچھ نہ کہا' اپنے ہاتھ کی طرف اشارہ کر دیا جسے وہ دوسرے ہاتھ سے تھامے ہوا تھا۔ شاید تکلیف ہو رہی تھی۔

میں نے دروازے پر دستک دی تو کسی نے درشتی سے "ہوں" کہا جیسے ہمیں دوڑا دینا چاہتا ہو یا کہہ رہا ہو کہ "ڈسٹرب مت کرو۔" یا "رکو۔" کے کے نے دروازے پر ہاتھ بھی مارا تھا۔ وہ بہت تکلیف میں تھا۔

"ڈاکٹر دوبے مریض کو دیکھ لیجئے پلیز!"

انگریزی میں کسی نے ڈانٹا۔ "مریضوں کو صبح آٹھ بجے دیکھتا ہوں' جاؤ۔"

میں کچھ کہنے والا تھا کہ کے کے نے تکلیف سے تقریباً روتے ہوئے کہا "میں زورا صاحب کا مریض ہوں۔ تکلیف میں ہوں۔ پلیز ابھی دیکھ لیں۔"

تیزی سے دروازہ کھلا۔ زورا صاحب کا نام جیسے کوئی طلسمی نام تھا کہ اندر بیٹھے

سر جن نے بات بھی پوری نہ سنی' وہ صرف ایک آستین میں بازو ڈالے ہوئے تھا۔ اپنے سفید کوٹ کو لٹکتا گھسیٹتا چھوڑ کے سر جن دوبے باہر آ گیا۔ اس نے باری باری مجھے اور کے کے کو دیکھا۔ لمحے بھر میں سمجھ گیا کہ مریض کون ہے اور زخمی ہاتھ کون سا ہے۔ اس نے بڑھ کر کے کے کا ہاتھ پکڑا' اسے اوپر اٹھائے ہوئے کے کے کو لیے وہ دو دروازے چھوڑ کر تیزی سے تیسرے دروازے میں داخل ہو گیا۔ میں نے دیکھا کے کے کا زخم پھر تازہ ہو گیا ہے۔

کہنی تک اس کا ہاتھ خون سے سرخ ہوتا جا رہا تھا۔

"خدا رحم کرے۔" میں نے دل میں کہا۔ "اب انتظار کے سوا کیا کر سکتا ہوں۔" اور میں دروازے کے باہر پڑی کرسی پر بیٹھ گیا۔

میں اور میرا ساتھی ٹھیک وقت پر صحیح جگہ پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

ڈیڑھ دو گھنٹہ تک اس کرسی پر بیٹھا نرسوں' ڈاکٹروں اور عملے کو آتے جاتے دیکھتا رہا۔ آخر کار کوٹ کے بٹن کھولتا رومال سے چہرہ پونچھتا سر جن دوبے باہر نکلا۔ مجھے دیکھ کے بولا "آؤ۔"

میں اس کے پیچھے پیچھے اس کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ مجھے بٹھا کے وہ خاموشی سے بجلی کے پر کولیٹر پر کافی بنانے لگا۔ دو پیالیاں کافی بنا کے اپنی سیٹ پر آیا تو وہ مسکرا رہا تھا۔ بولا "میں نے تم سے دودھ یا کریم کا نہیں پوچھا۔ یہاں اس وقت نہ دودھ ملتا ہے' نہ کریم۔ اس لیے یہ کافی پیو۔ میٹھا کم لگے تو بتا دو۔ کیا تمہارا نام شیر خان ہے؟" اس نے عجیب طرح سے باتوں کی روانی میں مجھ سے میرا نام پوچھا تھا۔

میں نے کہا "ہاں..... شیر خان۔"

میں نے شکریہ ادا کیا اور کافی اٹھالی۔ کے کے' کے بارے میں کچھ سوال نہ کیا۔ مجھے معلوم تھا' وہ خود ہی بتا دے گا۔

اچانک بولا "اس لڑکے کا نام کیا ہے؟"

"کے کے"

"اچھا اس کے کے کو گولی کس طرح لگی تھی؟"

وہ ماہر سر جن تھا۔ اس سے یہ بات کیسے چھپی رہتی کہ زخم گولی کا ہے۔ میں نے کہا "ہمارے دوست مونگ لی کی ٹمبر جائیداد پر ڈاکوؤں کا حملہ ہوا تھا' اسی میں زخمی ہوا ہے۔"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"اور پولیس کا کیا چکر ہے؟"

"پولیس؟" سر جن کو کتنا بتایا جا سکتا تھا' کتنا نہیں۔ میں اس کی صورت دیکھنے گا۔

وہ بولا "مریض نے بے ہوشی میں کچھ اس طرح کی باتیں کی ہیں جن سے لگتا ہے کہ پولیس نے گولی چلائی تھی یا پولیس کے کے کا پیچھا کر رہی تھی۔ ویسے شیر خان! تم اگر نہ بتانا چاہو تو مجھے کوئی اصرار نہیں ہے۔"

میں نے دھیرے سے پوچھا "سر جن دوبے! میرا ساتھی اب کیسا ہے؟" اس نے اثبات میں سر ہلایا تو میں نے کہا "شکریہ۔ آپ نے توجہ دی۔ ویسے ہمیں کچھ چھپانا بھی نہیں ہے۔ ہاں اگر آپ کو سرکاری ریکارڈ کے لیے یہ معلومات درکار ہیں تو میری ایک درخواست ہے۔"

وہ بولا "نہ نہ۔ سرکاری ورکاری کچھ نہیں۔ تم اگر نہیں بتانا چاہتے تو نہ بتاؤ یا اگر چاہتے ہو کہ میں مریض کا نام' پتا اور زخموں کی نوعیت کچھ بھی لکھ دوں تو میں آسانی سے یہ سب کر دوں گا۔ زورا میرا دوست ہے۔ تم دونوں اس کا نام لے کر آئے ہو تو تم بھی دوست جیسے ہو گئے۔"

میں نے کہا "آپ سرکاری رپورٹ میں کچھ بھی لکھ دو۔ ہم نہیں چاہتے کہ ہم دونوں کالی ٹمبر جائیداد کا زورا صاحب کا یا پولیس کا کوئی بھی ذکر آپ کی رپورٹ میں آئے۔ اصل قصہ یہی ہے کہ میرے ساتھی کو پولیس کی گولی لگی ہے۔ ہم فرار ہو رہے ہیں۔ اگر زورا صاحب' اس کا موٹر جلوس ہمیں نہ ملتا تو میرا ساتھی اب تک خون بہہ جانے سے مر چکا ہوتا اور میں قید میں ہوتا۔"

ڈاکٹر دوبے نے سمجھداری سے سر ہلایا' بولا "میں پہلے ہی سمجھ رہا تھا زورا صاحب بیچ میں ہے تو لازماً' دوسری پارٹی برمی پولیس ہو گی۔ وہ اور اس کی عورت پولیس سے باقاعدہ نفرت کرتے ہیں۔"

میں نے اسے مختصراً بتا دیا کہ برمی پولیس کا ایک وزیر میرے پیچھے ہے۔ اس نے میرے باپ کو قید کیا ہوا ہے۔ کے کے کو وہ جگہ معلوم ہے جہاں میرے باپ کو رکھا گیا ہے۔ زورا صاحب نے اور آپ نے میرے اس ساتھی کو بچا کر مجھ پر بھی احسان کیا ہے۔"

سر جن دوبے اپنی کافی پی چکا تو بولا "اب آؤ..... اپنے ساتھی کو دیکھ لو۔ وہ خطرے سے باہر ہے۔ ابھی تو سو رہا ہے یا سمجھو بے ہوش ہے۔ اس سے بات نہیں ہو سکتی

مگر تم دیکھ لو۔"

اسے اسپتال کے اسپیشل وارڈ میں رکھا گیا تھا۔ ہاتھ میں بھاری بھر کم پٹی بندھی تھی۔ کے کے کا چہرہ پیلا پڑا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں مگر وہ سکون سے سانس لے رہا تھا۔

کچھ دیر چپ چاپ کھڑا رہ کر میں سر جن دوبے کے ساتھ باہر آ گیا۔

وہ کہنے لگا۔ "آؤ میرے پاس بہت تھوڑا وقت ہے' آٹھ بجے میں مریض دیکھنا شروع کرتا ہوں۔ تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔ تمہارے بارے میں اب فکر ہو گئی ہے۔"

وہ مجھے اپنے کمرے میں لے آیا تو میں نے اسے قائل کرنے کی کوشش کی کہ میں اپنا کچھ انتظام کر لوں گا' وہ میرے بارے میں فکر مند نہ ہو۔

سر جن دوبے ہنسا۔ کہنے لگا "میرا دوست زورا صاحب تمہاری فکر کرتا تھا۔ ابھی بھی اس کو تمہاری فکر ہو گی۔ بھلا میں تمہیں کیسے بے حفاظت چھوڑ دوں۔ آج نہیں تو کل ضرور پولیس والے تمہاری اور کے کے کی تلاش میں ادھر پہنچ جائیں گے۔"

سر جن ٹھیک کہہ رہا تھا۔ میں نے ہاں میں سر ہلایا اور اس سے پوچھا کہ پولیس سے کیسے بچا جا سکتا ہے۔ ویسے تو مجھے اس سے بہت سی چیزیں سمجھنی تھیں۔ زورا صاحب کا یہ عجیب و غریب "علاج" ان میں سے ایک تھا مگر پہلی چیز پہلے۔ ہمیں پولیس سے خود کو بچانا تھا۔

ڈاکٹر دوبے کہنے لگا "تمہارے دوست کو پورے چار دن اسپتال میں آرام کی ضرورت ہے۔ اس کے ہاتھ میں سولہ ٹانکے آئے ہیں۔ خون بھی کافی بہہ گیا ہے۔ میں چار دن اسے یہیں رکھوں گا۔ اس دوران پولیس والے آئے تو انہیں ٹال دوں گا۔ یوں سمجھو کے کے تک انہیں نہیں پہنچنے دوں گا۔"

زخم کی کیفیت کے بارے میں ڈاکٹر نے بتایا تو مجھے تجسس ہوا۔ میں نے کہا "ہم نے رستے میں زورا صاحب کے علاج کے بعد ہاتھ کے زخم کو پوری طرح مندمل ہوا دیکھا تھا۔ وہ کیا تھا؟"

ڈاکٹر بولا "نظر بندی۔ سمجھو مسمریزم۔ ایک طرح کا شعبدہ۔ زورا نظر بندی کا نمبر ون ہے۔ اس نے اور اس کی عورت نے خون روکنے اور تکلیف رفع کرنے کی بھی کچھ جڑی بوٹیاں اپنے پاس رکھی ہوئی ہیں۔ اس علاج کے ساتھ ساتھ وہ لوگ ایسی نظر بندی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کر دیتے ہیں کہ خود مریض اور اس کے متعلقین سمجھتے ہیں کہ کسی طرح کا جادو ہوا ہے اور ان کے "عمل" سے مریض کے زخم بالکل بھر گئے ہیں مگر اصل میں ایسا نہیں ہوتا۔ نظر بندی ہٹاتے ہی مریض کو سرجری کی ضرورت ہوتی ہے۔ سرجری ہو گئی ہے' اب تمہارا ساتھی فطری انداز میں صحت یاب ہوتا چلا جائے گا۔"

میں نے پوچھا' کیا پولیس کی پوچھ گچھ ہوئی تو اسپتال کا عملہ سرجن کی مدد کرے گا اور کیا کے کو ضرورت پڑنے پر کہیں ادھر ادھر کر دیا جائے گا؟

وہ ہنسا۔ بولا "مریض کو تکلیف نہیں ہونے دیں گے۔ پولیس والوں ہی کو ادھر ادھر کر دیں گے۔ چلو تمہیں بتا دیتا ہوں۔ میرا اسٹاف وفادار ہے۔ جیسا کہتا ہوں' ویسا کرتا ہے۔ مثلاً اب میں اسپتال کے ریکارڈ میں تمہارے ساتھی کو لڑکا نہیں' لڑکی لکھوا دوں گا۔ پولیس والے آئے بھی تو کسی زخمی لڑکے کو ڈھونڈتے ہوئے آئیں گے۔ ایک زخمی لڑکی کو جو سخت طبّی حفاظتی ماحول میں ہو گی' وہ مریضوں کی فہرست میں نظرانداز کرتے ہوئے چلے جائیں گے۔ چار دن بعد ہم اسے یہاں سے کہیں اور منتقل کر دیں گے۔"

میں اس مہربان آدمی کی ہمدردی اور ذہانت کا قائل ہو گیا۔

اس نے مجھ سے جیپ کی چابی مانگی۔ کہنے لگا "ایک کباڑ خانہ ہے جہاں پرانے لوہے ٹین' کاٹھ کباڑ میں تمہاری جیپ چھپا کے رکھ دیں گے۔ کباڑی اس کی صفائی دیکھ بھال کرتا رہے گا۔ دوبارہ جب بھی ضرورت ہو' اپنی جیپ وہاں سے لے کے نکل جانا۔"

سرجن دوبے نے انٹرکوم پر دو جگہ رابطہ کیا تھا۔ دو آدمی آئے۔ اس نے ایک کو میری چابی حوالے کی' اسے میرا نام بتا کر ہدایت کی کہ وہ مجھے پہچان لے۔ معلوم ہوا چابی کے لیے مجھے اسی کے پاس جانا ہو گا۔ چابی لے کے اس شخص نے ایک کارڈ مجھے دیا جس پر کوئی ٹیلی فون نمبر لکھا تھا۔ اس نے بتایا کہ جیپ لینے کے لیے پہلے اس فون پر رابطہ کرنا ہو گا۔

دوسرا آدمی اسپتال کے ملازموں کا اوور آل' ٹوپی' جوتے' دستانے اور منہ پر باندھنے والا ماسک لایا تھا۔ میں نے ڈاکٹر کی موجودگی میں یہ سب چیزیں پہن لیں اور اس کے ساتھ ٹرالی دھکیلتا سرجن دوبے کو خدا حافظ کہتا ہوا روانہ ہو گیا۔ ڈاکٹر کے کمرے کے سامنے لگی قطار بڑھتی جا رہی تھی۔ مریضوں کو دیکھنے کا وقت ہو گیا تھا۔

ہم اسپتال کی اصل عمارت سے ٹرالیاں دھکیلتے ہوئے ایک چھت پڑے راستے

پر آئے۔ میں نے جگہ کو سمجھنے کے لیے ادھر ادھر نظر دوڑائی تو پھولوں کے قطعوں اور رنگین پتوں والی آرائشی جھاڑیوں کے پار اسپتال کے پورچ میں برمی پولیس کی دو گاڑیاں رکتی دیکھیں۔

میرا ساتھی اپنی ماسک کے نیچے سے بڑبڑایا۔ "لو دیکھو آ گئے۔ یہ بدمعاش دیر نہیں کرتے۔"

ہم وارڈوں کے پیچھے جونیئر اسٹاف کے کوارٹروں والے علاقے میں آ گئے۔

میرے ساتھی نے جو میری طرح اوور آل' ٹوپی' دستانے اور ماسک میں چھپا ہوا تھا اور ویسے ہی گھٹنوں تک آئے ہوئے ربر کے بوٹ پہنے تھا' ٹرالی روک کے ایک کوارٹر دکھایا جس کا نمبر تیرہ تھا۔ کہنے لگا "یہ میرا کوارٹر ہے' اب ہم دونوں کا ہے۔"

میں نے پوچھا "تم اکیلے رہتے ہو؟"

کہنے لگا "نہیں۔ میں رہتا ہوں' میری بیوی پدما رہتی ہے۔"

میں بولا "اچھا۔"

"معلوم نہیں ہماری زبان میں پدما کسے کہتے ہیں؟"

میں خوب جانتا تھا "ہاں۔ کنول کے پھول کو۔"

وہ ہنسا۔ کہنے لگا "دو کمرے ہیں' اس کوارٹر میں ایک میرا اور پدما کا ہے' دوسرا اب تمہارا ہو جائے گا۔"

میں نے کہا "میری وجہ سے تم لوگوں کو تکلیف تو نہیں ہو گی؟"

"کاہے کی تکلیف۔ تم صورت سے اچھے آدمی لگتے ہو۔ پدما کو کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔"

"ہوں۔" میں اور کیا کہتا۔

وہ بولا "گھر کا تو ایسا ہی ہے۔ گھر والی کا مزاج دیکھ کے چلنا پڑتا ہے۔ تین مہینے پہلے بھی ایک مسلمان بھائی کو میرے کوارٹر میں ٹھہرایا دوبے جی نے۔ پر وہ عجیب آدمی تھا۔ یوں گھر میں نہیں ہوتا تھا تو پدما سے الٹی الٹی باتیں کرتا تھا۔"

مجھے ضرورت نہیں تھی جو اس سے پوچھتا کہ وہ شخص کیسی الٹی الٹی باتیں کرتا تھا۔ میں چپ رہا۔

مگر وہ خود ہی خاصا بکی آدمی تھا۔ بولا "کبھی وہ کہتا تھا اسپتالوں میں بھوت ہوتے ہیں۔ دن ڈوبنے اور دن نکلنے کے بیچ کھلے پھرتے ہیں۔ جس کسی کو نظر آ جائیں' بس اس کی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

جان کے لاگو ہو جاتے ہیں۔ سالا ڈراتا تھا پدما کو۔"

میں نے بات ختم کرنے کو کہہ دیا کہ ہاں بعض لوگوں کو ایسی ہی بے کار باتوں کا شوق ہوتا ہے۔"

"نہیں۔ بیکار باتیں نہیں تھیں۔ بڑا ہشیار تھا۔ کہتا تھا مجھے بھوت اتارنا آتا ہے اور خبر نہیں کیا کیا آتا تھا اس کو۔ لالچی نہیں تو۔"

میں نے سوچا کوئی عیار آدمی ہوگا۔ ان میاں بیوی سے پیسے کھینچنا چاہتا ہوگا۔ میں نے یہی بات کہہ دی تو وہ رازداری سے ہنسا۔ بولا "عیار جیسا عیار تھا! باتوں میں چلا کے کام نکالنا جانتا تھا۔"

مجھے رستے میں رکے رکے الجھن ہونے لگی تھی۔ میں نے بات ختم کرنے کو کہا "ہاں بڑے بڑے نوسرباز ہوتے ہیں۔ ہر ایک سے رقمیں کھینچنے کے چکر میں رہتے ہیں۔"

وہ ہنسا "رقموں کے چکر میں نہیں۔ وہ کسی اور ہی چکر میں تھا۔ معلوم ہے؟ ایک دفعہ میری نائٹ ڈیوٹی تھی۔ اس نے ہمارے کمرے کا دروازہ تھپتھپایا۔ دو بجے ہوں گے رات کے۔ پدما اکیلی تھی۔ پوچھنے لگی 'کیا بات ہے؟' بولا مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ ابھی بوت نظر آیا تھا۔ اگر کوئی حرج نہ ہو تو مجھے اپنے کمرے میں آجانے دو۔ ایک طرف پڑا رہوں گا اور بولا آدمی دو ہوں تو بھوت کچھ نہیں کہتا۔ کچھ سمجھے تم؟ وہ کس چکر میں تھا؟"

اس آدمی کی باتیں سن کے مجھے خفت سی ہونے لگی۔ کس قسم کا آدمی ہے' مجھے یہ سب کیوں سنا رہا ہے؟ میں "ہوں" کہہ کے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

وہ اپنے بیان کے جوش میں کہتا چلا گیا۔ بولا "ہم نے کچھ رقم چھپا کے رکھی تھی۔ وہ ہمارے ہی کمرے میں تھی۔ پوری کی پوری۔ رقم کوئی چار ہزار کے نوٹ ہوں گے۔ پدما نے سوچا' یہ مسلمان بھائی پیسے ہتھیانے کے چکر میں بھوت ووت سے ڈرنے کا ڈھونگ رچا رہا ہے۔ کمرے میں آنا چاہتا ہے۔ خبر ہے اس نے کیا کیا؟"

میں پھر کچھ نہ بولا تو اس نے دوبارہ اسی لہجے میں سوال کیا۔ "خبر ہے کیا کیا پدما نے؟"

میں نے بیزاری سے کہا "اس نے دروازہ نہیں کھولا ہوگا؟"

"ناں' ناں۔ وہ بہت ہشیار ہے بھئی۔ بولی "تم جاؤ اپنے کمرے میں' میں ادھر ہی آتی ہوں۔ دیکھتی ہوں کیسا بھوت ہے اور جب وہ ٹل گیا تو جھٹ اپنے کمرے میں تالا ڈال پدما اس دوسرے کمرے میں پہنچ گئی۔ کہنے لگی کہ لو ہو گئے دو آدمی۔ اب تو بھوت کچھ

نہیں کہے گا۔ آجاؤ ادھر لیٹ جاؤ۔ یہ لو اپنا تکیہ۔ ہا ہا ہا۔ دیکھا اس کی سالے کی کوئی بھی چالاکی نہیں چلنے دی پدما نے۔"

میں اس کی صورت دیکھتا رہ گیا یا تو یہ بالکل ہی گیا گزرا بے عقل آدمی ہے یا اپنی پدما کی طرح بہت "ہشیار" ہے اور یہ سب کچھ سنا کے مجھے کوئی پیغام دینا چاہتا ہے۔ سالا گرا ہوا آدمی مگر میں چپ ہی رہا۔

کچھ دیر وہ اپنی گھر والی کی فراست پر سر ہلا ہلا کے ہنستا رہا' پھر بولا "یہ کوارٹروں کے آگے مردہ خانہ ہے۔"

"مردہ خانہ؟" مجھے دھچکا سا لگا تھا مگر دھچکا لگنے کی کوئی بات نہیں تھی۔ اسپتالوں میں مردہ خانے ہوتے ہیں۔

وہ میرا ردعمل دیکھ کے ایک دم خوش ہو گیا۔ ٹھٹھا مار کے ہنسا۔ بولا "مردہ خانے کا سن کے چونکے کیوں؟"

میں نے کہا "بس..... ایسے ہی۔ چونکنے والی کیا بات ہے؟ مردہ خانہ تو ہوگا ہی۔"

بولا "ہاں مردہ خانہ بھی ہے اور اس کا اسٹاف بھی۔"

میں نے بے دھیانی سے کہا "اچھا۔"

کہنے لگا "یہاں اسٹاف میں ایک آدمی تھا' اب دو ہو گئے ہیں۔"

"اچھا۔" مگر میں نے سوچا' مجھے یہ سب سنانے کی کیا ضرورت ہے؟

"سمجھے دو کس طرح ہو گئے ہیں؟" اور پوچھنے لگا "خبر بھی ہے اور کون دو ہو گئے ہیں؟"

میں اس کی صورت تکنے لگا۔

وہ بولا "کیا اب بھی نہیں سمجھے؟ ہم دو ہیں نا۔ تم اور میں۔ پہلے مردے کو سیٹ کرنے کا ادھر ادھر پہنچانے کا کام میں اکیلا کرتا تھا' اب تم میرے اسسٹنٹ ہو کے آگئے ہو۔ دونوں مل کے سنبھال لیں گے ان سالوں مردوں کو۔" وہ چلتے چلتے یہ سب کہہ رہا تھا۔ میں وہیں کا وہیں کھڑا رہا۔

حد ہو گئی! مجھے نہ صرف ایک مردہ گھر کے اٹنڈنٹ کے ساتھ ٹھہرایا جا رہا تھا بلکہ اس کا مددگار بنا دیا گیا ہے۔ یہ ڈاکٹر دوبے کو کیا سوجھی ہے؟

اس نے۔ پدما کے میاں نے۔ ٹرالی دھکیلنا بند کر دی اور مڑ کے میری طرف

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

دیکھنے لگا۔ بولا "کیا بات ہے؟"

بات کیا ہوگی۔ مجھے اب طرارہ آچلا تھا۔ میں نے پوچھا "کیا واقعی میں تمہارا اسسٹنٹ ہوں؟"

وہ بولا "ہاں۔ کوئی تو ہوتا میرا اسسٹنٹ۔ کام کر کر کے میری کمر رہ گئی ہے۔ مردوں کو سلیب پر سے ٹرالی اسٹریچر پے اور ٹرالی سے سلیب پے چڑھانے اتارنے میں سمجھو آدمی کی ایسی تیسی ہو جاتی ہے۔"

میں غصے کے اس اسٹیج پر تھا کہ ڈاکٹر دوبے کے کمرے میں گھس کے اسے بے رکے بہت کچھ سنا سکتا تھا مگر مڑ کے میں نے ایک نظر اسپتال کی مین بلڈنگ پر ڈالی۔ یاد آگیا کہ وہاں پورچ میں اس وقت بھی برمی پولیس کی دو گاڑیاں کھڑی ہیں اور اسپیشل وارڈ میں لڑکا کے کے لیٹا ہے جسے وہ جگہ معلوم ہے جہاں میرے بابا صمد بنگش صاحب کو برمی وزیر نے روک رکھا ہے۔

غصہ کرنے کا وقت نہیں تھا۔

میں خاموشی سے مڑا اور اپنے مردہ گھر کے انچارج پدما کے اس میاں کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔

وہ ٹرالی دھکیلتا ہوا سیدھا مردہ خانے تک پہنچا۔ ٹرالی چھوڑ جیب سے چابی نکال کر اس نے دروازہ کھولا اور قطاروں میں بنے چبوتروں پر رکھی بارہ پندرہ لاشوں سے میرا تعارف کرانے لگا۔

"یہ مرڈر کا کیس ہے۔ اسے برف ورف دے کے ابھی ادھر ہی روکنا ہے۔"

"روکنا ہے۔" ایسا کہہ رہا تھا کہ جیسے نہیں روکا تو مرڈر کیس والی لاش اٹھ کے چل دے گی اور "برف ورف دے کے" کے بھی خوب تھا۔ برف دے کے روکنا ہے۔ رشوت دے کے روکنا ہے۔

پھر کہنے لگا۔ یہ بڑی بی رات میں پہنچائی گئی ہیں۔ لکھ پتی لوگوں کا مردہ ہے۔ اسے لے جائیں گے تو دان پن کرتے ہوئے' نوٹ بانٹتے ہوئے لے جائیں گے۔ تمہارے میرے حصے میں بھی ٹھیک ٹھاک کچھ ٹپ آجائے گا اور ادھر والا یہ بڈھا۔ یہ کنگلا ہے۔ اس کی بھلی چلائی ہے مگر اسے بھی لکھ پتی بڑی بی کی طرح زیادہ برف ٹکانا ہے۔ تم پوچھو گے یہ کنگلا اور لاوارث ہے تو اسے زیادہ برف کائے کو ٹکائی جائے گی۔ ہاں پوچھو گے نا؟"

میں نے کہا "ہوں۔"

وہ ہنسا "تم پوچھو گے تو میں اس سوال کا جواب نہیں دوں گا۔ ابھی نہیں دوں گا۔ بعد میں تو تمہاری سمجھ میں سب کچھ آہی جائے گا۔"

میں چپ رہا۔ مردہ گھر کے سب پنکھے گھوں گھوں کر چلتے رہے۔

اسی طرح ایک ایک مردے کے بارے میں اطلاعات فراہم کرتا' وہ اس ٹھنڈی اور دواؤں کی بو سے بوجھل ہوا میں مجھے لیے لیے گھومتا پھرا۔ جیسے خود سیر کر رہا ہو اور مجھے سیر کرا رہا ہو۔

ایک مردے کو دکھا کے بولا "یہ جیب کترا تھا۔ پولیس کی ٹارچر سے مرا ہے مگر دیکھو اس کے پیر کے انگوٹھے سے بندھے کارڈ پر لکھا ہے کہ نمونیے میں چل بسا۔ سالے جھوٹے کہیں کے اور ہاں اسے دیکھو موٹے کو' یہ جب زندہ تھا تو بڑا دھرماتما بنتا تھا۔ ان کے سینکڑوں شش مطلب چیلے اور پیار کرنے والے بس آتے ہی ہوں گے' اسے لے جانے۔ ہمیں ہاتھ بھی نہیں لگانا پڑے گا۔ اس کے شش شاگرد یہ موٹے موٹے تگڑے لڑکے۔ "جے جے رام' جے سیارام۔" کرتے گھس آئیں گے اور اسے ایسے اٹھالے جائیں گے جیسے چیونٹیاں نکتی دانے کو اٹھالے جاتی ہیں۔ نکتی دانہ سمجھتے ہو؟"

میں نے کہا "ہاں۔ مٹھائی ہوتی ہے۔"

وہ ہنسا۔ کہنے لگا "اس سالے موٹے دھرماتما کے چیلے چانٹے منوں مٹھائی اپنے ساتھ لاتے ہوں گے۔ لاش کو لے جاتے وقت سے یہ مٹھائی بانٹنا شروع کر دیں گے۔ بس طریقہ ہے' ان کا مٹھائی سب سے پہلے تمہیں اور مجھے دیں گے۔ خیال سے لینا' دونوں ہتھیلیوں کو جوڑ کے۔ جتنی دیں لے لینا اور گرنے مت دینا' ذرا سی بھی گری نہیں تو حرامی مار مار کے تمہارا بھرتا بنا دیں گے۔ بھرتا سمجھتے ہو؟"

وہ اسی طرح بکواس کرتا رہا اور لاشوں کا تعارف کراتا رہا۔ تیرہ میں سے ایک کسی بیچارے مسلمان کی میت تھی۔ مجھ سے کہنے لگا۔ "یہ تمہارا مسلمان بھائی ہے۔ خبر ہے ہمیں کیسے پتا لگا؟"

میں نے ویسے ہی بے خیالی میں پوچھ لیا "کیسے؟"

وہ ہنسا' بولا "کیسے پتا چلتا؟ جب ٹھنڈے پانی کا شاور مارنے کو اس کا کپڑا اوپڑا سب اتار کے پھینا کا تو دیکھا کہ....."

میں نے جلدی سے کہا "ہاں.....ہاں.....اچھا اچھا ظاہر ہے۔"

کہنے لگا "یہ ٹرالی ادھر ہی چھوڑ دیتے ہیں۔ آؤ کوارٹر پہ چلیں' کچھ کھا پی لیں۔"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

وہ کھانے پینے کا ذکر اس فطری بے تکلفی سے کر رہا تھا جو گھر کے باورچی خانے میں ہی اچھی لگتی ہے۔ میں نے منہ بنا کے ٹال دیا کہ ابھی کھانے پینے کو جی نہیں چاہ رہا۔

وہ میری طرف دیکھ کر ہنسا' بولا "کوئی نئی بات نہیں ہے۔ سب کے ساتھ ہوتا ہے۔ مردوں کی اٹھاپٹک کر کر کے بھوک تو کھل کے لگنے لگتی ہے۔ پر جب نوالہ توڑو تو حلق سے نہیں اترتا۔ پہلے پہلے سبھی کے ساتھ ہوتا ہے۔ تم تو مسلمان بھائی ہو' تمہاری ساتھ تو اور بھی مشکل ہے۔"

"اور کیسی مشکل؟"

"ارے یہی نا کہ تم لوگ ماس کھاتے ہو۔ ماس سمجھتے ہو کیا ہوتا ہے؟ ارے گوشت' گوشت اور ادھر کا تو تمہیں پتا ہے۔ یہاں سے وہاں تک گو....."

میں نے پھر بات کاٹ دی۔ "ہاں ہاں سمجھتا ہوں۔ آؤ چلو۔"

وہ ہنسا' چلتے چلتے رکا۔ مڑ کے لاشوں کی طرف مسکرا کے ہاتھ ہلاتے ہوئے بولا۔

"او کے۔ بے بی سی یو! ہاہاہا۔ پتا ہے؟ امریکن فلموں میں بڑی بڑی جوان لڑکیوں کو بے بی بولتے ہیں۔ ادھر آج ایسی جوان لڑکی تو کوئی نہیں ہے۔ ایک سنتھالی عورت ہے' پر وہ کچھ نہیں ہے۔ کالی کلوٹی۔ کبھی کبھی تو ایسی ایسی فل فلوٹیاں آتی ہیں کہ سب دیکھتے ہی رہو۔ ایک ڈچ عورت آئی تھی۔ اسے گولی مار دی تھی کسی دوسری ڈچ عورت نے۔ عورت کیا ابھی لڑکی تھی۔ پہلے میں سمجھتا تھا جیسا آدمی کا سر کا بال ہوتا ہے' ویسا ہی اس کا..... پر یار شیر خان۔"

میں نے کندھے پر ہاتھ مار کے اسے خود سے آگے کر لیا اور کہا "چابی سنبھال لو' میں کنڈا کھینچ کے تالا دبانے والا ہوں۔ پھر بعد میں مت کہنا کہ چابی اندر رہ گئی۔"

وہ ہڑبڑا کے اپنی چابی ٹٹولنے لگا۔ "نہیں نہیں ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے تم دبا دو تالا۔"

خدا خدا کر کے اس کی بکواس بند ہوئی۔

اس کے کوارٹر پر آئے تو دیکھا' باہر تالا پڑا ہے۔ تالا کھولتے ہوئے بتانے لگا کہ ناشتا بنا کے اس کی پدما سبزی ترکاری لینے بازار چلی جاتی ہے۔ جب تک آئے گی' ہم دونوں ناشتا کر لیں گے۔ کہنے لگا "پر یار تم تو انکار کر رہے ہو۔ اکیلے ناشتا کرنے میں کیا مزہ' پدما آجائے گی' اس کے ساتھ میں کچھ کھا پی لوں گا۔ چل خیر..... تو پکی بات ہے؟ تم نہیں

کھاؤ گے؟"

میں نے انکار میں سر ہلا دیا۔ وہ میرا ہاتھ پکڑے پکڑے کوارٹر میں داخل ہو گیا۔

کوارٹر کے بیچوں بیچ مٹی گارے سے اینٹ پتھر جوڑ کے چار ساڑھے چار فٹ کا ایک پیڈسٹل سا بنایا گیا تھا جسے خوب لیپا پوتا کیا گیا تھا۔ پیڈسٹل پر ایک چورس گملا رکھا تھا۔ گملے میں ریحاں پا بلا نگا کا ایک پودا لگا تھا۔ جسے شاید مروایا تلسی بھی کہتے ہیں۔ ہاں "تلسی ماں۔"

تلسی ماں کے قدموں میں جنگلی گیندے کے پھولوں سے ابلتی ایک کیاری تھی۔ آنگن کو خوب جی لگا کے جھاڑو بہارو دی گئی تھی۔

پدما کے گھر والے نے ایک کمرے کا تالا کھول دیا تھا۔ کہنے لگا "یہ تمہارا کمرہ ہے۔ یہاں بستر ہے۔ ایک کرسی بھی پڑی ہے اور یہ دیکھو فرش پر سیمنٹ پانی ڈالی ہوئی ہے۔ چٹائی چٹائی تنکوں کی چٹائی سمجھتے ہو؟ بس تو مرضی ہو' بستر پر لیٹو' مرضی وہ سیمنٹ پانی پہ بیٹھو' لیٹو یوگا کرو۔ تم یوگا کرتے ہو؟ نہیں کرتے ہو گے۔ مسلمان بھائیوں میں یوگا کی چرچا نہیں ہے۔ وہ تو ایک ہی کام جانتے ہیں بلکہ دو کام' ماس کھاتے ہیں اور مال۔ ہاہاہا۔ برا مان گئے؟ چلو چھوڑو بھی میری مسخری کی عادت ہے۔ تو میں اب جا رہا ہوں اپنے کمرے میں۔ کوئی چیز کی ضرورت ہو' مجھے یا پدما کو آواز دے لینا۔ وہ تمہارے چھوٹے موٹے کام خوشی سے کر دیا کرے گی۔ برا نہیں مانتی پدما۔ بولتی ہے مجوان کی ٹہل سیوا میں ایسی کون اڑچن ہے۔ اچھا۔"

اور اچھا کہہ کے جیسے ہی وہ سامنے سے ہٹا' کسی نے دروازہ تھپتھپایا۔ اپنے کمرے میں جانے کی بجائے اس نے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ "ہا! پدما رانی اچھا ہوا' دیر نہیں لگائی تو نے۔ دیکھ دوبے جی نے کسے بھیجا ہے اور دیکھ لے' یہ بھی مسلمان بھائی نکلا۔ ہاہاہا بھوت پریت سے ڈرے گا یہ بھی۔"

وہ بولی "چل چل۔ بکواس نہیں کر۔" اس نے یہ بات غصے میں نہیں' اٹھلا کے کہی تھی۔

پھر وہ سامنے آگئی۔

تنگ مراٹھی کپڑوں میں خوب چمکدار سیاہ بالوں کی کسی ہوئی چوٹی اور انگوٹھے کے ناخن جتنے گھماؤ والا ناک کا دیہاتی زیور پہنے وہ مسکراتی ہوئی دروازے میں آکھڑی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہوئی تھی۔ اس کا رنگ کھلتا ہوا سانولا' ہونٹ دبیز اور آنکھیں بڑی بڑی تھیں۔ وہ بازار سے آرہی تھی مگر لگتا تھا کچی نیند سے اٹھ کے آرہی ہے۔ وہ مجھے دیکھ کر ہولے سے ایسے مسکرائی جیسے پرانی جان پہچان ہے۔ بولی "پدما نام ہے۔ میرا۔"

"میں شیر خان۔" میں نے اپنا تعارف کرایا۔ شاید یہی طریقہ ہوگا یہاں کا۔

وہ ہنسی۔ دانت اس کے ایک دم سفید اور ہنسی کی آواز بچوں جیسی تھی لیکن صرف آواز۔ دیکھنے میں تو اس کی ہنسی کسی بہت جانکار عورت کی ہنسی تھی۔

وہ کمرے میں آنے کو بڑھی تو اس کا آدمی بولا۔ "چل چھوڑ۔ اسے لیٹنے بیٹھنے دے۔ یہ ابھی کچھ نہیں کھائے گا۔ بولتا ہے بھوک نہیں ہے۔"

"اچھا اچھا۔" وہ کچھ دیر دروازے میں رکی' میری صورت دیکھتی رہی' پھر اثبات میں سر ہلاتی اور رازداری سے مسکراتی ہوئی چلی گئی۔

میں کرسی پر بیٹھ گیا۔ سوچنے لگا کہ یہ کن لوگوں میں آگیا ہوں؟ یہ دونوں بھلا کس چکر میں ہیں؟

رنگون میرے لیے نیا شہر تھا مگر ایسا نیا بھی نہیں تھا۔ وہی پاکستان' ہندوستان کے جیسے کسی بھی بڑے شہر کا ماحول تھا۔ یہ جوڑا اور ان کا سرجن دوبے صاحب ہندوستانی ہوں گے۔ واضح طور پر بمبئی یا بمبئی جیسے کسی بڑے شہر سے آئے لگتے ہیں۔

بڑے شہروں کا یہی ہے۔ سب طرح کی مخلوق آکے بس جاتی ہے۔ میرا کیا ہے۔

وہ لڑکا کے کے اسپتال سے شفٹ ہونے کے قابل ہوا نہیں کہ ہم دونوں یہاں سے نکل جائیں گے۔ چار پانچ دن یہاں سنبھل کے گزار لوں گا لیکن چار دن مردہ خانے میں ڈیوٹی دینے کے تصور سے مجھے پسینے آگئے۔ محنت سے جی چرانے والا آدمی نہیں ہوں میں مگر مردے؟ اللہ رحم کرے۔

کچھ دیر کرسی پر بے چینی سے پہلو بدلتا رہا' پھر بستر پر جا لیٹا۔

نہ معلوم کتنی دیر سوتا رہا اور کسی کے اٹھائے بغیر آپ ہی آپ بیدار ہو گیا۔ دوپہر ڈھل چکی تھی۔ میں یاد آیا پورے کپڑوں میں موزے پہنے پہنے سویا تھا مگر اس وقت بھاری چادر سی اوڑھے اٹھا تھا۔ گھبرا کے میں نے اپنی ٹانگوں اور بازوؤں کو ہاتھ لگایا۔ بدن پر میرے اپنے کپڑے نہیں تھے۔ نہ معلوم کیسے میں نے لمبا اونی انڈرویئر اور پوری آستینوں والی ایک بنیان پہن رکھی تھی۔ موزے بھی اترے ہوئے تھے۔

یہ کیا وحشت ہے؟ میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ میرے اپنے کپڑے سلیقے سے تہ کیے ہوئے رکھے تھے۔

اور میں نے دیکھا۔ فرش پر بچھی سیتل پاٹی پہ چادر اوڑھے کوئی لیٹا تھا۔ ابھی میں پوری طرح کچھ سمجھ بھی نہ پایا تھا کہ سیتل پاٹی پر لیٹے ہوئے کسی نے کسمسا کے کروٹ بدلی۔ چادر سرک گئی اور خوب گندھے ہوئے سیاہ چمکیلے بالوں کی چوٹی جیسے خود اپنی طاقت سے اچھلی اور تنکوں کی ٹھنڈی چٹائی پر جا پڑی۔

"یا اللہ خیر!" میں نے دل میں کہا۔

کانسی کے کنگن بجے اور چادر پھینکتی ہوئی مردہ گھر کے انچارج کی عورت پدما تنکوں والی چٹائی پر اٹھی' آلتی پالتی مار کے بیٹھ گئی۔

مرا اٹھی لباس اس قابل نہیں ہوتا کہ کوئی بھی صحت مند عورت فرش پر آلتی پالتی مار کے بیٹھ سکے۔ ویسے زیادتی کی بات الگ ہے' کوئی دھاندلی پر تل ہی جائے تو کیا کیا جا سکتا ہے۔

وہ عورت پدما دھاندلی پر تلی ہوئی تھی۔ اسی جانکار رازدارانہ انداز میں ہنسی اور بولی "ساری دوپہر سو کے نکال دی۔ ہاں۔"

میں نے چادر سے خود کو اور اچھی طرح لپیٹ لیا اور سرہانے تہ کیے ہوئے رکھے اپنے لباس کی طرف اشارہ کر کے پوچھا "یہ یہاں کس نے رکھے؟"

"میں نے اور کون رکھے گا؟" وہ چاندی سے دانتوں کو چمکا کے بولی۔

میں سناٹے میں آگیا۔ میں جو زیر جامے پہنے تھا۔ پتا نہیں کہاں سے آئے تھے۔ یہ میں نے اپنے بدن پر نہیں چڑھائے تھے۔ یہ تو میرے تھے ہی نہیں اور سب سے بڑی بات یہ آخر چڑھائے کس نے میرے بدن پہ؟

میں نے پوچھا "جو میں پہنے ہوں۔ یہ کس نے پہنائے ہیں؟"

"سپورنا نے۔" اس عورت نے اسی طرح بیٹھے بیٹھے انگڑائی لی۔

"سپورنا' کون سپورنا؟"

"سپورنا میرا آدمی اور کون؟"

"اس نے؟ اس نے کیوں....."

وہ میری بات کاٹ کر اٹھلا کر بولی "وہ نہیں پہناتا تو کیا میں پہناتی؟ وارے وا۔" اور وہ منہ پر ہاتھ رکھ کے لجاتی شرماتی ہوئی ہنسنے لگی۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"مگر یہ کیوں؟ تیرے آدمی کو آخری ایسی کیا....." مجھے غصہ آرہا تھا۔

"لو۔" وہ الٹا برا مان گئی۔ "تیرے کپڑے سوتے میں مسل رہے تھے ناں۔"

میں نے اسے ڈانٹ دیا۔ "کس قسم کے لوگ ہو تم! کیا ضرورت تھی بلا؟ اور یہ بنیان کچھا جو پہنایا ہے۔ یہ کس کا ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟"

اس پر ڈانٹنے کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اپنے بھرے بھرے ہونٹوں سے چونچ سی بنا کے بولی "میرے کو کیا خبر' کس کا ہے؟"

"کہاں سے آیا ہے؟"

"آئے گا کہاں سے۔ ارے وہی سمپورنا مردے گھر سے اٹھا لایا ہوگا۔"

"مر....." میں چادر پھینک کے اٹھا' پھر فوراً ہی خود کو چادر میں لپیٹ کے بیٹھ گیا۔ وہ مجھے صرف کچھا پہنے دیکھ کے اپنی آنکھوں پہ ہاتھوں کی اوٹ کر کے گھوم گئی تھی اور بے رکے ہنسے جا رہی تھی۔ دھیرے دھیرے کہہ رہی تھی۔ "بے شرم نہیں تو' بے شرم" اور ہنسی سے بے حال ہو رہی تھی۔

لاحول ولا قوۃ۔ اس سالے سمپورنا نے مجھے کسی مردے کا انڈرویئر' بنیان پہنا دیا تھا۔

میں غصے میں لرزتا کانپتا اپنے کپڑے اٹھا کے باہر بھاگا۔ چھوٹے سے کوارٹر میں غسل خانہ کہاں سے آتا' میں نے دیکھا رسوئی گھر میں ایک طرف سیمنٹ کا چبوترہ بنا تھا۔ بالٹی بھری رکھی تھی۔ میں نے انڈرویئر' بنیان پھینک کے جلدی جلدی ڈونگے سے میں نے خود پر پانی بہایا اور جیسے تیسے اپنے کپڑے پہن کر سردی میں کانپتا ہوا واپس اپنے بستر پر آگیا۔

وہ بستر پر بچھی چادر کی سلوٹیں درست کرنے کے بعد پٹی پر بیٹھی مزے سے ٹانگیں ہلا رہی تھی۔

مجھے بھیگا ہوا اور سردی سے کانپتا دیکھ کر بولی "دیکھا؟ کیسا چلایا تجھے۔ ارے بدھو تو نے دیکھا نہیں' بالکل نیا نکور کچھا بنیان ہے۔ سمپورنا کے لیے لائی تھی۔ ابھی پیکن بھی نہیں کھولی تھی اس کی۔ کیسا چلایا تجھے۔" پھر ہنستے ہوئے بولی "سردی کے ٹیم تجھ سے اشنان کرنے کو بولتی تو صاف منے (منع) کر دیتا۔ اب آیا نا۔ کیسے جھٹ پانی ڈال کے۔"

میں نے چادر کھینچ کے خود کو سردی سے بچانے کو لپیٹنا شروع کر دیا تو وہ ہاتھ بڑھا کے میری مدد کرنے لگی۔ میں نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا تو جھوٹ موٹ غصے میں

بڑبڑانے لگی کہ "دیکھو رے کیسا ناقدرا مجوان (مہمان) ہے۔ ہم سیوا کرتے ہیں' یہ سسرا غصہ ہوتا ہے۔"

یہ کہتی ہوئی وہ چلی گئی۔

میں ایسا کون سا گلفام ہوں کہ جہاں جاتا ہوں' عورتیں اور لڑکیاں میری جان کو آجاتی ہیں مگر جو ہو رہا تھا' سامنے تھا۔

میں سوچ رہا تھا کہ کس طرح اس سرجن دوبے سے مل کے درخواست کروں کہ میرا پیچھا چھڑاؤ' اس مردہ گھر اسٹاف سے۔ اگر ڈاکٹر چاہتا ہے کہ اپنی رہائش کی اجرت میں یا "کے کے" کے علاج کے بدلے میں مجھ سے اسپتال میں خدمت لے تو میں ہر طرح کی مشقت کر لوں گا۔ اسپتال کے کچن میں برتن دھونے' سبزیاں صاف کرنے' کاٹنے تیار کرنے تک پر راضی ہوں۔ مالی کا کام یا کچھ نہیں تو وارڈ بوائے کے مددگار کی خدمات بھی میرے سپرد کر دی جائیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔

ابھی میں اس بارے میں پوری تقریر بھی نہیں سوچ پایا تھا کہ وہ عورت بڑی سی تھالی میں ناشتے کی چیزیں لے کر آگئی۔ بولی "کھانے کا ٹیم نکال دیا۔ اب ناشتا کر لو' پھر ہمیں تمہیں بڑا کام کرنا ہے۔"

میں نے پوچھا "کیسا کام؟"

بولی "کتنے دن کے رکے ہوئے کام ہوں گے۔"

"رکے ہوئے؟" میں نے پوچھا تو اس نے ہاں میں سر ہلا لیا۔ یہ نہ بتایا کہ کس طرح کے رکے ہوئے کام ہیں۔

ناشتے میں سوجی سے بنا ہوا بے شکر کا نمکین حلوہ تھا۔ اسے جنوبی ہندوستان میں "اپ ما" کہا جاتا ہے۔ "اپ ما" کے علاوہ ایک بڑا خوشبودار قلمی آم اور دو مٹھی چیوڑا بھی تھا۔

میں نے خاموشی سے جا کے کلی کی' ہاتھ دھوئے اور شوق سے یہ انوکھا مگر مزیدار ناشتا کیا۔ وہ تھال واپس لے گئی اور دو گلاس بھر کے چائے لے آئی۔ ایک گلاس خود اس کے لیے اٹھا جسے وہ دونوں ہاتھوں میں تھام کے اور آلتی پالتی مار کے میرے سامنے تنکوں کی چٹائی پر بیٹھ کر پینے لگی۔

وہ جس طرح بیٹھی تھی' اس سے کوئی بھی الجھن میں مبتلا ہو جاتا۔

چائے اچھی تھی۔ میں نے تعریف کی تو بولی "یہ کچھ نہیں' چائے تو کبھی کسی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

وقت میں تجھے پلاؤں گی۔ کیسری کستوری چائے۔"

مجھے معلوم نہیں تھا کہ کیسری کستوری چائے کیا ہوتی ہے؟ میں نے اس سے پوچھ لیا۔

کہنے لگی "زعفران اور جڑی بوٹیاں ملاتے ہیں۔"

میں نے سوچا' ہوگی کچھ۔ مجھے تفصیل کیا پوچھنی۔ وہ ٹکٹکی باندھے میری صورت دیکھتی رہی۔ دیر تک میں کچھ بھی نہ بولا تو کہنے لگی "تو نے پوچھا نہیں کستوری کیسری چائے ابھی کیوں نہیں بنائی میں نے تیرے لیے؟"

میں نے کہا "اس میں پوچھنے والی کیا بات ہے؟"

بولی ہے ایک بات مگر میں تجھے نہیں بتاؤں گی۔ تو سمجھے گا مجھے بالکل بھی خیال نہیں ہے لاج شرم بیچ کھائی ہے میں نے۔

"چائے بنانے نہ بنانے میں لاج شرم کیسی؟"

بولی "جب بتاؤں گی تو تیری سمجھ میں آجائے گی سب بات۔"

وہ بھی اپنے میاں کی طرح بکی لگتی تھی۔

پھر بولی "تو نے کبھی عورت رکھی ہے؟"

یا وحشت۔ یہ کس قسم کا سوال ہے؟ میں اس کی صورت دیکھنے لگا۔ وہ اپنی زبان اپنے رخسار میں ٹکائے چھوٹا سا ایک شریر ٹیلا بنائے اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے مجھے تکنے لگی تھی۔

میں نے قدرے الجھن تھوڑی جھوجھل کے ساتھ اسے دیکھا تو خود ہی بولی "نہیں رہے۔ لگتا ہے بالکل ہی کورا ہے۔ چل پھر کیسری کستوری تو تجھے نہیں پیچے گی۔ ابھی نہیں پلاؤں گی۔ جب سمپورنا تیرے لیے کوئی جنانی کہیں سے گھیر کے لائے گا' اسی ٹیم کیسری چائے دوں گی تیرے کو.....اور کیا دوسری جنانی نہیں ہوئی تو کوئی مجھے اپنے لیے مصیبت بلانی ہے۔ چائے پی کے تو تو نے بے ناتھ کا بیل ہی بن جانا ہے۔ میری شامت آجائے گی۔ میرا سمپورنا بے چارہ اور جو اس نے کوئی بات کہہ دینی تو تم دو ہی جنے سانڈوں کی طرح چل پڑو گے ایک دوسرے پہ۔ ناں رہے ناں۔ ہی ہی ہی۔"

وہ ہنستی رہی' میں نے سوچ لیا کہ آج بلکہ ابھی دوبے سرجن سے مل لینا ہے اور یہ مسئلہ حل کرنا ہے۔ اس طرح تو گزارہ نہیں ہو سکتا۔

میں ہاتھ دھو کے واپس آیا تو وہ پلاسٹک کی بالٹی میں صابن اور اسپنج کا ٹکڑ

ڈالے صحن میں آکھڑی ہوئی تھی۔ صورت سے لگتا تھا کہ اس نے کام کا ذہن بنالیا ہے۔ وہ اب چھیڑ چھاڑ اور کھلواڑ کرنے کے موڈ میں نہیں تھی۔

میں نے پوچھا "کیا ہو رہا ہے؟"

بولی "کام۔ یہ ایک بالٹی اسپنج تیرے واسطے اٹھالیا ہے۔ آ میرے ساتھ۔"

میں نے پوچھا "جانا کہاں ہے؟"

بولی "سب خبر لگ جائے گی' آجا۔"

کوارٹر میں تالا ڈال کے وہ مردہ گھر کی طرف چلی۔ میرا جی گھبرانے لگا۔ اب کیا وہ مجھے مردہ گھر میں مردے نہلوانے کے لیے لے جا رہی ہے؟ مگر وہ اس کے برابر بنے شیڈ کی طرف مڑ گئی۔ کھلے شیڈ میں اسٹیل کے ریک کھڑے تھے جن میں ایک ہی سائز کے پلاسٹک کے ٹب جیسے اوپر تلے جمع ہوئے تھے۔ ان سے دواؤں کی ناگوار بو اٹھ رہی تھی۔ خاصے موٹے پلاسٹک سے بنے یہ ٹب اتنے بھاری ضرور تھے کہ اکیلی پدما نے ریک سے ایک ٹب اتارنا چاہا تو اس سے اتارا نہ گیا۔ میں نے اس کی مدد کی' تب وہ اسے شیڈ کے نالی دار فرش پر رکھنے میں کامیاب ہوئی۔ وہ ریکوں کے پیچھے جا کر ایک بالٹی اسپنج اور صابن کا ٹکڑا اٹھا لائی اور نل میں لگا ربڑ پائپ چلا کر ٹب کو پانی کی ہلکی دھار سے تر کرنے لگی۔ پھر اس نے پلاسٹک پر اسپنج سے جھاگ بنا بنا کے خوب سا صابن ملا اور مجھے دکھا دکھا کر بہت دیر تک ٹب کو اندر سے صاف کرتی رہی۔ میں نے اور اس نے ٹب کو الٹا اور پدما نے بتایا کہ اس کی باہر کی سطح کس طرح صاف کی جاتی ہے۔ کچھ ہی دیر میں ٹب جگمگانے لگا۔ اس کے اشارے پر میں نے وہ صاف کیا ہوا ٹب ایک طرف لگے خالی ریکوں پر رکھ دیا۔

میں اور پدما دو سوا دو گھنٹے اسی طرح مصروف رہے۔ پھر اس نے مجھ سے پوچھا کہ اگر مجھے ٹب صاف کرنے اور اسٹور کرنے کا طریقہ آگیا تو وہ اب جائے گی' اسے اور بہت کام ہیں۔ میں نے کہا "ہاں تم جاؤ' میں کام سمجھ گیا ہوں۔"

میں کافی رات تک اسی شیڈ میں ان کو صاف کر کے ریکوں پہ رکھتا رہا۔ رات میں کسی وقت سمپورنا آیا' کہنے لگا چل کوارٹر میں نہا دھو کے کچھ کھا پی لے۔ پھر تیرے ساتھی لڑکے کو اسپیشل وارڈ میں دیکھنے چلیں گے۔ سرجن دوبے بھی وہیں ہوگا۔

کوارٹر میں تھکے تھکائے آکر نہانے' کھانا کھانے میں آدھی رات سے زیادہ گزر گئی تھی مگر وارڈ کا چکر لگانا ضروری تھا۔ میں کے کے سے بے تعلق تو نہیں ہو سکتا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ پھر یہ بھی خیال تھا کہ سرجن دوبے سے ضرور ملنا ہے تاکہ رہائش کا مسئلہ حل کروں۔

سمپورنا اور اس کی عورت کس چکر میں ہیں' یہ تو ابھی کہا نہیں جا سکتا تھا مگر عام سی سمجھ بوجھ کا آدمی بھی جان سکتا تھا کہ یہ جوڑا کچھ گڑبڑ کر رہا ہے۔ پہلے میاں نے اپنے مہمان کسی مسلمان بھائی کا قصہ سنا کے مجھے یہ بتانا چاہا تھا کہ اس کی پدما کتنی چالاک ہے اور خود پدما نے اپنی اٹھک بٹھک اپنے انداز اور اپنی صاف صاف باتوں سے مجھے مائل کرنے اور اپنے ڈھب پر لگانے کی کوشش کی تھی۔ ان لوگوں سے دور رہنا ضروری تھا۔

ہم دونوں وارڈ میں پہنچے تو کسی انتظام کے تحت سرجن دوبے اور اس کی نرس اور ایک وارڈ بوائے "کے کے" کے کمرے میں پہلے سے ہی موجود تھے۔ سرجن دوبے آدھی رات کو کے کے کا حال پوچھنے آیا تھا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ سمپورنا مجھے لا رہا ہے۔ وارڈ بوائے اور نرس کے کے کو اٹینڈ کر کے اس کا کمرہ صاف کر کے چلے گئے۔

تب سرجن نے مجھے "کے کے" کے پاس ہی اسٹول کھینچ کے بٹھا لیا۔ کہنے لگا "غور سے سنو' پولیس تم دونوں کی تلاش میں کئی گھنٹے یہاں اسپتال میں گشت کرتی رہی تھی۔ شام کو وہ دوبارہ آئے تھے اور نچلے اسٹاف سے مختلف طریقے سے پوچھ گچھ کر رہے تھے۔"

یہ پریشانی کی بات تھی۔ میں نے تشویش ظاہر کی تو سرجن نے تسلی دی۔ کے کے تکیوں سے ٹیک لگائے ہماری باتیں سنتا رہا۔ بولا کچھ نہیں مگر سرجن دوبے نے اسے بھی بات چیت میں شامل کر لیا۔ دراصل وہ ہم دونوں پر احسان جتانا چاہتا تھا اور یہ بتا رہا تھا کہ ہماری وجہ سے خود وہ خطرے میں آ گیا ہے۔

میں نے کہا "مجھے پورا احساس ہے کہ میری وجہ سے آپ کی پوزیشن خراب ہو سکتی ہے۔"

اس نے ہاں میں سر ہلایا' پھر بولا "سمجھدار آدمی ہو۔ میں تمہیں اور تمہارے دوست کو یہاں رکھ کے پولیس سے بچا لوں گا۔ تمہارے دوست کا علاج کروں گا۔ اس میں خطرہ بھی ہے اور خود میری اپنی جیب سے خرچ بھی بہت ہو رہا ہے تو اب بتاؤ' بدلے میں تم میرے لیے کیا کر سکتے ہو؟"

میں نے کہا "جو آپ کہیں۔ میں رقم کا بندوبست کر سکتا ہوں۔ آپ جو رقم مانگیں یہیں رنگون میں ادا کر دوں گا۔ بس مجھے تھوڑا سا وقت دیجئے۔"

دوبے بولا "رقم مجھے نہیں چاہیے۔ میرے پاس بہت پیسے ہیں۔ میں تم سے تھوڑا تعاون مانگتا ہوں۔ تم ایسا کرو کہ جو آفر میں اس وقت دے رہا ہوں' اس پر خوب سوچ سمجھ کے اور اس اپنے دوست سے مشورہ کر کے مجھے جواب دے دو۔"

میں نے کہا "آپ اپنی شرط یا آفر جو بھی ہے بتائیے۔"

کہنے لگا "ایک ساتھ میرے بہت سے آدمی نوکری چھوڑ کے چلے گئے ہیں۔ دبئی میں کوئی اسپتال کھلا ہے' اس کے لیے بھرتی برما' انڈیا اور پاکستان میں کی جا رہی ہے تو بس سب کے سب لمبی تنخواہوں کی لالچ میں چلے گئے۔ یہاں کے کام چور اور بے ڈھنگے ورکر میں بھرتی نہیں کر سکتا۔ سب کچھ برباد کر دیں گے۔ اس لیے چاہتا ہوں جب تک میں تمہاری طرح کے سمجھدار اور مضبوط جسم والے نئے ورکر بھرتی نہ کر لوں' تم میرے اسپتال میں کام کرتے رہو۔ بدلے میں ٹھہرنے کی جگہ اور کھانا بھی ملے گا۔"

معقول بات تھی۔ میں نے کہا کہ ٹھیک ہے' میں کام کر رہا ہوں' کرتا رہوں گا مگر معلوم تو ہو کہ کتنے دن رہنا اور کام کرنا ہو گا۔

سرجن بولا "ویسے تو پانچ ہفتے لگیں گے تمہارے ساتھی کو بالکل ٹھیک ہونے میں مگر میں چار ہفتے میں چھٹی دے دوں گا کیونکہ تم لوگوں کو جانے کی جلدی ہے۔"

میں نے کہا "ٹھیک ہے' پر میری رہائش کا کوئی اور بندوبست کیجئے۔"

بولا "کیوں؟ سمپورنا کے گھر تکلیف ہے؟"

میں نے کہا "میاں بیوی کے بیچ ایک اجنبی آدمی کا رہنا جو نوجوان بھی ہو' کسی طرح مناسب نہیں ہے۔"

سرجن ہنسنے لگا۔ بولا "یہ تمہیں کس نے بتایا کہ یہ دونوں میاں بیوی ہیں؟"

میں نے کہا "کون بتاتا؟ یہی دونوں کہہ رہے تھے' پھر رہتے جو ایک ساتھ ہیں۔" میں نے تصدیق کے لیے سمپورنا کی طرف دیکھا۔ سرجن بولا "ارے دوست دوست ہیں۔ میاں بیوی نہیں ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ بستر مسہری کی کمی کی وجہ سے بیچارے ایک ساتھ گزارا کر رہے ہیں۔" سرجن نے یہ بات مسخرے پن میں خود سمپورنا کی طرف دیکھتے ہوئے کہی تھی۔ اس نے دانت نکال دیئے تھے۔

کے کے نے دواؤں کے زیر اثر ہونے کے باوجود سرجن کے فقرے کی داد مسکرا کے دی تھی۔ میں کڑھ کے رہ گیا۔ یہاں عجیب عجیب باتیں دیکھنے کو مل رہی ہیں۔ میں نے کہا "جو بھی ہو' کسی کے ساتھ وہ چاہے میاں بیوی ہوں' چاہے نہ ہوں' میرا رہنا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ٹھیک نہیں ہے بلکہ میں تو چھڑے چھانٹ مردوں کے ساتھ بھی رہنے سے پریشان ہو جاتا ہے۔ آپ کوئی اکیلا کوارٹر' ایک الگ تھلگ کمرہ ہی دے دیجئے۔ میں مہینہ بھر رہ لوں گا مگر اس سپورنا اور پدما کے ساتھ مجھے بہت مشکل ہو رہی ہے۔ مجھے یہاں سے ہٹا دیجئے۔"

سرجن نے کہا" ٹھیک ہے ایک دو دن گزارا کر لو۔ کوئی بندوبست کر دوں گا۔"

پھر وہ بتانے لگا کہ کام کی تفصیل تمہیں پدما اور سپورنا ہی بتائیں گے۔ چاہے ان کے ساتھ رہو' چاہے نہ رہو۔

"اور کام۔" سرجن نے بتایا" سبھی طرح کے آتے رہتے ہیں۔ تمہیں سیکھنے میں کوئی دقت نہیں ہو گی۔"

ہم رات کے ایک بجے تک سپورنا کے کوارٹر پر پہنچے۔ آتے ہی وہ سیدھا اپنے کمرے میں چلا گیا۔ میں اپنے کمرے میں آیا تو دیکھا میرے بستر پر' میری چادر اوڑھے پدما لیٹی ہے۔

"یہ کیا تماشا ہے۔ جاؤں یہاں سے جاؤ اپنے کمرے میں۔"

میں نے شور کیا تو وہ اٹھ بیٹھی۔ اس کے آدمی..... مطلب سپورنا نے آواز سے اپنے کمرے کا دروازہ بند کر لیا۔ گویا اپنی طرف سے اس نے اس سارے معاملے سے ہاتھ جھاڑ لیے تھے۔

وہ اسی طرح بیٹھی ہتھیلیوں سے اپنی آنکھیں مل رہی تھی۔ جیسے رات کی شفٹ سے گھر لوٹنے والے میاں کی آمد پر بیوی کچھ مطمئن کہ آگیا ہے اور کچھ نیند خراب ہونے پر برہم بیٹھی بستر پر آنکھیں ملتی ہے۔

میں نے دوبارہ اسے بستر خالی کرنے کا اشارہ کیا تو پوچھنے لگی۔ "سرجن سے ملاقات ہو گئی تمہاری؟"

میں چڑا ہوا تھا۔ "تجھے میری ملاقات ہونے نہ ہونے کی کیا فکر ہے؟ جا اپنے کمرے میں۔ مجھے سونے دے۔ تھکا ہوا ہوں۔"

اس نے آدھا کمبل کھینچ کے جیسے میرے لیے فالتو کر دیا اور آدھا بستر پر میرے لیے جگہ بنا ڈی۔ "جھگڑا کیوں کر رہا ہے' نیند آرہی ہے تو سو جا۔"

اس طرح کی ڈھٹائی میرے لیے بالکل نئی چیز تھی۔ میں نے کہا" دیکھو۔ تم مجھے غلط سمجھ رہی ہو۔ مجھے اس کوارٹر میں ایک یا دو دن گزارنا ہیں۔ اگر ایک دو دن مجھے اکیلے

چھوڑ دو گی تو تمہاری مہربانی ہو گی۔"

کہنے لگی' میں کیا کر رہی ہوں۔ کوئی تجھے کھا تو نہیں جاؤں گی۔ مرا جا رہا ہے ڈر کے مارے۔ ارے ایک طرف آ کے پڑ جا۔ میری طرف سے تو اکیلا ہی ہے۔ چل تو کہے تو تجھ سے بات بھی نہیں کروں گی۔"

مجھے طرارہ آگیا۔ "ٹھیک ہے میں جا رہا ہوں' ابھی اس سپورنا سالے کو دو ہاتھ مار کے اس کمرے سے نکالتا ہوں۔ یہ ہے تو یہی سہی۔"

وہ اٹھی میرے برابر آ کھڑی ہوئی۔ میرا ہاتھ تھام کے خوشامد کرنے لگی "ناں ناں۔ تو سپورنا کو مار پیٹ مت کرنا۔ اصل میں میری اس کی لڑائی ہے۔ شام سے بول چال بھی بند ہے تو میں اس کے کمرے میں نہیں جاؤں گی۔ نہ ہی اسے ادھر آنے دوں گی۔ ایک ہی بار کی تو بات ہے۔ مجھے ادھر پڑا رہنے دو۔ سویرے مجھے پتا ہے سپورنا مجھے منا لے گا۔ چلی جاؤں گی۔"

میں نے فرش پر بچھی سیتل پاٹی کی طرف اشارہ کیا۔ "بستر خالی کر دے جا۔ سوتی ہے تو ادھر جا کے سو جا۔ تجھے ادھر نہیں ٹکنے دوں گا۔"

وہ جیسے مجبوری میں اٹھی اور کمبل سمیٹتی ہوئی سیتل پاٹی پہ جا کے خوب اوڑھ لپیٹ کے پڑ گئی۔ بستر پر ایک تکیہ اور گدا' چادر رہ گئے۔ پہلے میں سمجھا' یہ اس کی کوئی عیاری ہے۔ مجھے ستانے کو کمبل کھینچ کے چل دی ہے مگر دو تین منٹ میں وہ سکون سے ہلکے ہلکے خراٹے لینے لگی۔

اس کو اٹھانا یا یہ موضوع کو دوبارہ چھیڑنا مناسب نہیں تھا۔ میں نے دیکھا گدے کے نیچے دری بچھی تھی۔ تو بستر کی دری پر لیٹ کے میں نے چادر اوڑھی اور اپنے اوپر گدا ڈال لیا۔ کچھ دیر بے چین رہ کے آخر میں گرم اور پر سکون ہوتا گیا اور سو گیا۔ میرے اوپر سے گدا ہٹا کے کمبل اوڑھا دیا تھا۔

رات کی باتوں کا اثر میں نے نہ تو سپورنا کے نہ پدما کے چہرے پر پایا۔ وہ معمول کے مطابق ناشتے کی اور کام پر جانے کی تیاریاں کرتے ہوئے مجھ سے ادھر ادھر کی ہلکی پھلکی باتیں کرتے رہے۔

آج پھر اسی شیڈ میں لے جا کر پلاسٹک کے بدبو والے ٹب دھونے سکھانے کی ڈیوٹی ملی۔ پدما کہنے لگی "آج ان کی دھلائی اور پیکنگ ہے۔ دھلائی سے تیری فراغت لنچ کے ٹائم تک ہو جائے گی۔ کوارٹر پہ آجانا' تجھے اور سپورنا کو چاول دال بنا دوں گی۔"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

میں نے ہاں میں سر ہلایا۔ کوئی زیادہ بات اس سے نہ کی۔ میں نے دیکھ لیا تھا' اس ڈھب کی عورتوں سے زیادہ بات کرنے میں سراسر نقصان ہی ہوتا ہے۔

لنچ تک میں پلاسٹک کے وہ انوکھے ٹب دھوتا' سکھاتا رہا۔ پھر کوارٹر پر آیا تو سمپورنا اور پدما مجھ سے پہلے آئے ہوئے تھے۔ انہیں دیکھ کر لگتا تھا کہ لڑائی کے بعد میل ملاپ ہو گیا ہے کیونکہ دونوں بہت پاس بیٹھے تھے۔ مجھے دیکھ کر ذرا سرک کے الگ ہوئے۔ پدما نے دوپہر کے وقت بھی ہونٹوں پہ لپ اسٹک لگائی ہوئی تھی جو اس سالے سمپورنا کے چہرے پر جگہ جگہ اتر آئی تھی۔

پدما نے ہمیں دال چاول اور آم کا اچار دیا۔ کھانا اچھا بنا تھا اور اچار میں ایک بات تھی جو دوسری جگہ مجھے آج تک نظر نہیں آئی۔ کوئی بری قسم کے نسخے ہوں گے' مجھے ہینگ کی مہک بھی آئی۔

کھانے کے بعد سمپورنا میرے ساتھ ہولیا۔ کہنے لگا "ٹب پورے دھل گئے' اب آؤ ان کی پیکن کر لیتے ہیں۔"

میں نے پوچھا "کیسی پیکنگ؟"

بولا "چل تو رہے ہیں' دیکھ لینا۔" کوارٹر سے نکل کر ہم سیدھے مردہ خانے کی طرف چلے۔ سمپورنا نے چابی نکالی۔ تالا کھولا' اندر کی لائٹیں جلائیں اور دروازہ اندر سے مقفل کر لیا۔

"میں نے پوچھا تالا کیوں ڈال رہے ہو؟"

ہنس کے کہنے لگا "اس لیے کہ تم بھاگ نہیں جاؤ۔"

ایسی کوئی ہنسی کی بات نہیں تھی۔ میں نے اس کی طرف سنجیدگی سے دیکھا۔ وہ بھی سنجیدہ تھا اور اسی لمحے میری نظر سامنے مردے رکھنے والے سیمنٹ کے چھجوں پر پڑی اور چھجوں کے برابر اوپر تلے رکھے ہوئے میں نے دو دن کی مشقت سے دھو سکھا کے چمکا دیا تھا۔

چھجوں پر کوئی دو درجن ننگ دھڑنگ دھلی دھلائی تیار کی ہوئی لاشیں تھیں۔ مردوں' عورتوں' بوڑھوں' جوانوں کی لاشیں جنہیں دیکھتے ہی پتا چل جاتا تھا کہ پیٹ چاک کر کے ہر لاش کی آلائش نکال دی گئی تھی۔ پلاسٹک کے بڑے بڑے ڈرم ایک قطار سے رکھے تھے جن میں تیز بو والی ہی دوا ہو گی جس کی بو جو میں نے دو روز تک ٹب دھوتے ہوئے محسوس کی تھی۔ یہ کسی طرح کی گوشت محفوظ کرنے والی دوا تھی۔

ابھی میں مردہ گھر میں سجی ان سب چیزوں کا جائزہ لے ہی رہا تھا کہ کسی اندرونی کھٹکے سے مردہ گھر کا بغلی دروازہ کھل گیا اور سفید کوٹ پتلون' سفید بے داغ گاؤن اور ربڑ کے دستانے پہنے ربڑ کے اونچے جوتوں میں فرش پر کھس کھس کرتا ہوا سرجن دوبے آیا اور میرے بالکل سامنے لاشوں سے بھرے چھجوں کے درمیان کھڑا ہو گیا اور بولا "ہیلو! شیر خان۔"

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" میں نے پریشان ہو کر یہ سوال براہ راست دوبے سے کیا تھا۔ "ہم ان ڈیڈ باڈیز (مطلب لاشوں) کو پیک کریں گے۔"

"کیوں؟" میں لاحول پڑھنا چاہتا تھا مگر نہ معلوم کیوں سوال کیا تھا کہ ہم مردوں کو کیوں پیک کریں گے؟

سرجن دوبے اپنے آدمی سمپورنا کی طرف مڑا۔ "تم نے سمپورنا! شیر خان کو کچھ نہیں بتایا؟" سمپورنا بولا "ڈاک صاحب! میں نے سوچا' پہلے بتانا کیا ضروری ہے۔ ہم جب کام کرنے بیٹھیں گے تو شیر کان کو پتہ چل ہی جائے گا۔"

"نہیں نہیں۔ یہ برا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ مجھے یہ چھپانا جھوٹ بولنا پسند نہیں ہے۔ ارے بھئی جس کسی کو بھی ہمارے لیے کام کرنا ہے' اسے معلوم ہونا چاہیے کہ ہم کیا کر رہے ہیں؟ مطلب وہ کیا کام کرے گا ہمارے لیے۔" پھر وہ اپنے ربڑ کے دستانوں سے کھیلتا ہوا بولا "ہم اصل میں لاشیں ایکسپورٹ کرتے ہیں۔"

"ایکسپورٹ؟" ارے باپ رے باپ! یہ کیا بدمعاشی ہو رہی ہے' میں نے سوچا۔

ڈاکٹر دوبے بولا "برما میں زیادہ کر کے بودھ' ہندو ہے' کرسچن اور مسلم کم کم ہی ہے۔ ہندو لوگ بودھ لوگ اپنے مردے جلا دیتا ہے۔ مسلم اور کرسچن مٹی میں دفن کرتا ہے یا سمندر پہ ہووے تو پانی کے حوالے کرتا ہے۔ مطلب دونوں صورتوں میں جلاؤ کہ پانی' مٹی کے حوالے کرو' لاش ہم کو نہیں مل پاتی۔"

"ہم کون؟"

"ارے ہم میڈیکل کالج والے۔ دنیا بھر میں یہی پرابلم ہے۔ اگر لاوارث نہیں ہے مرنے والا یا مرنے والی تو ہم اس کے مردے پر ہاتھ نہیں ڈال سکتے اور تم جانتے ہو' نئے ڈاکٹروں کو سکھانے کے لیے مرد و عورت کی مختلف عمر کی لاشیں چاہیے۔ بہت لاشیں چاہئیں۔ ایک دو نہیں ڈزنز بلکہ سینکڑوں۔ ہماری ایک فرم ہے کیڈے ورز ان

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

لمیٹڈ تو ہم دنیا بھر کے میڈیکل کالجوں کو لاشیں سپلائی کرتے ہیں۔ ابھی زیادہ کر کے ہم نے ان لاشیوں کے گٹس مطلب آنتیں نکال کے پھینک دیا ہے۔ ان کا جگر' دل' تلی پھیپھڑا وغیرہ نکال کے الگ پیکنگ میں کر دیا ہے۔ اسپرٹ میں ڈال دیا ہے۔ اب جو یہ کھوکھلے ہیں' مطلب خالی لاش لوگ ہے۔ اس کو دوا لگا کے پلاسٹک کے ان تابوتوں میں ایئر ٹائٹ پیک کر کے ہم رنگون ایئرپورٹ بھیج دیں گے۔ وہاں سے مختلف فلائٹس یہ اپنے اپنے ٹھکانوں پہ چلی جائیں گی۔

مجھے متلی آ رہی تھی۔ یہ کس اطمینان سے مزے لے لے کے بیان کر رہا ہے۔ جیسے کہ انسانی باقیات کا ذکر نہ ہو' گٹھلی نکلے ہوئے' شیرے میں پیاس کیے ہوئے آڑوؤں پر بات ہو رہی ہو یا چکن پیک ہو رہے ہوں۔ میں نے برا سا منہ بنایا تو سرجن دوبے مسکرایا۔ بولا "ہم نے یہ ایک ایک لاش بڑی مشکل سے کاغذی ہتھکنڈے اور کیا کیا استعمال کر کے حاصل کی ہے۔ کتنے ہی ان مردوں میں اصلی اور خالص برہمنوں کی اولادیں ہیں۔ بڑے بڑے شاندار بدھ مت لوگ ہیں۔ یہ سب اور ایک آدھا کر سچن آگ میں جلا دیا جاتا اور ضائع ہوتا۔ اب یہ ہے کہ میڈیکل سائنس کی ترقی میں یہ سب بھائی بند کام آئیں گے۔ چلو شیر خان! شروع ہو جاؤ۔ یہ جو ٹب جیسے ہیں' اصل میں تابوت کے اوپر نیچے کے پارٹ ہیں۔ ایک ٹب دوسرے میں ایسے فٹ ہو جاتا ہے کہ ربڑ کی لائننگ پٹی لگانے کے بعد نہ ہوا اندر جا سکتی ہے' نہ باہر آ سکتی ہے۔

میں نے غوں جیسی کوئی آواز نکالی۔

دوبے بولا "سمپورنا! پہلے ٹب میں دوا اسپرے کرو۔ تم چاہو تو اپنی کیتھولک دعا سے یہ کام شروع کر سکتے ہو۔ شیر خان! تمہیں معلوم ہے یہ سمپورنا کیتھولک مسیحی ہے؟"

مجھے یہ سن کے دکھ ہوا کہ ایک مذہبی آدمی اپنے عقیدے کے خلاف اس بے حرمتی والی تجارت میں دوبے کا ہاتھ بٹا رہا ہے۔ میں نے بلند آواز میں کہا "سمپورنا! تالا کھول دو۔ میں جا رہا ہوں۔ میں مسلم ہوں۔ اس طرح کے کسی کام میں کوئی مدد نہیں دے سکتا۔"

ڈاکٹر دوبے حیرت سے میری صورت تکنے لگا۔ "یہ کیا کہہ رہے ہو خان؟"

"میں اس شیطانی بزنس میں بالکل ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔"

وہ رسانیت سے بولا "تم سمجھے نہیں۔ یہ جو بھی لاش ہے' جب زندہ تھی تو کسی اصل مرض میں مبتلا تھی۔ میں نے' میرے ڈاکٹر ساتھیوں اور پیرامیڈیکل اسٹاف نے

پوری پیشہ وارانہ دیانتداری سے کام لے کر تگ و دو کی ہے۔ انہیں پھر صحت دینے' کارآمد انسان بنانے کی پوری پوری کوشش کی ہے مگر ہماری تمام کوششوں کے باوجود بعض مریض بہت سے مریض جانبر نہیں ہو پاتے۔ ان بیچاروں کے ساتھ بھی یہی ہوا ہے۔ مر گئے اور اب ان کو میڈیکل سائنس کے لیے مفید بنانے کا ہمارا کام شروع ہوتا ہے۔ اس لیے شیر خان جانے کی بات مت کرو۔ سمپورنا اور تم اسپرے کیے ہوئے پلاسٹک کے اس آدھے تابوت میں لاشیں رکھتے جاؤ۔ میں اوپر سے پلاسٹک کی ڈھکنے فٹ کرتا جاتا ہوں....."

O

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"تین چار گھنٹے میں یہ شپ منٹ تیار ہوئی جاتی ہے۔"

میں نے دل میں کہا۔"لعنت ہے تمہاری شپ منٹ پر۔"اور سمپورنا کو اشارہ کیا کہ وہ تالا کھول دے اور مجھے مردہ خانے سے باہر جانے دے۔ سمپورنا ڈاکٹر دوبے کی شکل دیکھنے لگا۔ وہ سمجھ گیا کہ میرا ارادہ اٹل ہے اس نے اشارہ کیا کہ کھول دو۔ سمپورنا نے جیب سے چابیوں کا گچھا نکالا اور دروازہ کھول دیا۔ میں ان دونوں آدمیوں پر نظر ڈالتا ہوا باہر نکل آیا۔

اب اس کے سوا مجھے کچھ نہیں کرنا کہ روانہ ہو جاؤں۔ میں سیدھا اسپیشل وارڈ کی طرف جاؤں گا کے کے کو ساتھ لے کر اسپتال سے باہر آؤں گا اور ٹیکسی پکڑ کر اس کاٹھ کباڑ کی تجارت کرنے والے کباڑی کے وہاں پہنچوں گا جس کے پاس ہماری جیپ محفوظ کر دی گئی ہے۔ اسے دوبے کا حوالہ دوں گا اور گاڑی لے کر ہم دونوں نکل جائیں گے۔ رنگون بڑا شہر ہے ہمیں پناہ مل جائے گی۔ اس وقت تک کہ میرے بابا کا سراغ نہیں ملتا___ مجھے رنگون شہر پناہ دے گا۔

اسپیشل وارڈ کے علاقے میں کوئی زیادہ آون جاون نہیں تھی۔ میں اسٹیل کی شیٹ چڑھے ہوئے بھاری دروازے کو دھکا دے کر اندر پہنچا اور جہاں کا تہاں کھڑا رہا گیا۔

کے کے والے وارڈ کے بند دروازے کے سامنے کرسی بچھائے دو پولیس والے بیٹھے تھے۔ دونوں ایسی کاہلی اور بے فکری سے بیٹھے تھے جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ گھنٹوں سے ڈیوٹی دے رہے ہیں اور دنوں تک اسی طرح رہتے رہیں گے۔ آگے جانے کی کوئی صورت نہیں تھی میں الٹے قدموں چلا ابھی کچھ کرنے، کسی طرف بھی مڑنے کا فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ ان دونوں پولیس والوں میں سے ایک کی نظر مجھ پر پڑی گئی اور اس نے ہاتھ اٹھا کر چیخ کر کہا: "ہے! رکو رکو! اے تم شیر خان رکو!"

"باپ رے باپ! یہ مجھے پہچانتا ہے۔"میں دروازہ کھول کر اسپیشل وارڈوں کے

علاقے سے نکل آیا اور بے سوچے سمجھے ایک طرف دوڑنے لگا۔

فوری طور پر تو کوئی میرا تعاقب نہیں کرے گا۔ مجھے دو تین منٹ کا اسٹارٹ مل گیا ہے کہیں چھپنا___ فوری طور پر چھپنا ضروری ہے۔

ابھی پانچ منٹ نہیں ہوئے تھے اور میں وارڈ سے کافی دور نکل آیا تھا۔"مگر یہ میں کہاں ہوں۔" جگہ جانی پہچانی ہے۔ اوہ! میں سمپورنا اور پدما کے کوارٹر کے سامنے تھا۔ میں بے دھیانی میں دوڑتا ہوا اس طرف نکل آیا تھا جہاں میں نے رات گزاری تھی۔ جہاں مجھے پناہ ملی تھی۔

اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ میں دروازہ کھلواؤں اور اس کوارٹر میں پناہ لوں وقتی طور پر ہی سہی۔ میں نے دروازے کو دھکا دیا جو کھلا ہوا تھا اور کوارٹر میں داخل ہو گیا۔

صحن کے وسط میں بنے تلسی کے پودے کے سنگھاسن یا "شاہی نشست" یا سمجھو مرکزی جگہ کے پاس وہ عورت کھڑی تھی۔ وہ آنکھیں بند کیے پوری عقیدت سے تلسی کے متبرک پودے کو پانی دے رہی تھی۔ میری آہٹ سنی تو اس نے آنکھیں کھول دیں اور چمک دار آواز میں بولی۔"دیکھا آ گیا نا' ابھی میں نے دعا مانگنا شروع کی تھی۔"

میں نے کوارٹر میں آ کے دروازہ بند کر دیا۔ اس کی بات پر کوئی توجہ نہ دی۔

"پولیس والے نے مجھے دیکھ لیا ہے۔" میں نے پدما کو صورت حال کی سنگینی سے آگاہ کیا۔

"ارے لے پھر تو آ میرے ساتھ میں تجھے چھپنے کی جگہ بتا دوں۔" پدما نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھے اپنے کمرے میں کھینچ کر لے گئی۔ اندر جاتے ہی اس نے دروازہ بند کر کے کنڈی چڑھا دی تھی۔

دن کی روشنی آنی بند ہو گئی تو کمرے میں اندھیرا سا ہو گیا۔ اس اندھیرے میں وہ میرا ہاتھ پکڑے پکڑے بستر کی طرف لائی۔ ایسے خوف اور پریشانی کے لمحے میں بھی مجھے وہم ہوا کہ یہ عورت کوئی ہلکی چھچھوری بات سوچ کے تو مجھے نہیں لے جا رہی ہے؟ مگر وہ میرا ہاتھ پکڑے ہوئے پلنگ کی پٹی کے پاس بیٹھ گئی۔ تخت یا مسہری یا پلنگ وہ جو بھی تھا کافی چوڑا چکلا اور اونچا تھا۔ میرا ہاتھ چھوڑ کے وہ بیٹھی بیٹھی آگے سرک گئی کچھ دور ہاتھ بڑھا کر اس نے کوئی چیز اپنی گرفت میں لی اور مشقت کی آواز نکالتے ہوئے اسے کھینچنا شروع کر دیا۔ میں نے بھی ہاتھ بڑھا کر اس کی گرفت پر اپنے پنجے کی گرفت جمائی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اور جو کچھ کھینچا جا رہا تھا۔ اسے آسانی سے رول کر لیا۔ وہ ایک بھاری تختہ تھا جسے چھوٹے پن رولروں پر لگایا گیا تھا۔ ہم نے تختہ کھینچ لیا تو اندر کہیں سے آتی بہت ہلکی سی روشنی سے ایک چورس جگہ نمایاں ہو گئی۔

پدما نے پلنگ کے نیچے بیٹھے بیٹھے میرے کان سے منہ لگا کے کہا۔ "یہ تہہ خانے کا رستہ ہے۔ آٹھ قدم کی سیڑھی ہے تو سنبھل سنبھل کر آٹھ قدم گن کر اتر جا۔"

جیسا وہ بتا رہی تھی میں نے ویسا ہی کیا۔ آٹھ قدم اترا تو میں سیمنٹ کے ہموار فرش پر کھڑا تھا۔ اندر کم ہی جگہ تھی میں آٹھ ساڑھے آٹھ فٹ لمبے' پانچ چھے فٹ چوڑے تہہ خانے میں موجود تھا۔ ایک طرف دیوار میں فٹ بھر ڈایا میٹر کا گول سا سوراخ تھا۔ یہ سوراخ کہیں اوپر تک چلا گیا تھا۔ اس سے ہوا اور روشنی اندر آ رہی تھی۔

پدما نے میرے سیڑھی سے اترتے ہی اوپر سے تہہ خانے کا تختہ کھینچ لیا۔ پھر وہ چلی گئی۔ بہت ہلکی روشنی کے سوا اب اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ میں اس مختصر سی جگہ میں بچھے دیوان یا کاؤچ پر لیٹ گیا اور اوپر کے کمرے سے آتی ہلکی آہٹیں سننے لگا۔ پدما اپنے کمرے کا دروازہ کھول کے نکل گئی تھی۔ بہت دیر تک کچھ نہیں ہوا پھر ایسی آواز سنائی دی جیسے کوارٹر کے ٹین کے دروازے پر کوئی بے رکے ہاتھ مار رہا ہو۔ کسی نے کچھ پکار کے کہا بھی تھا۔ پھر پدما کی آواز سنائی دی لفظ سمجھ میں نہ آ سکے۔ مگر آواز کے تیوروں سے میں سمجھ گیا کہ اسنے جھنجلا کر کچھ کہا ہے۔ کہیں دروازے کھلے اور عورت اور مردوں کے جھک جھک کرنے کی آواز مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح سنائی دیتی رہی۔ شاید کچھ تلخ کلامی سے آخر میں مار پیٹ کی بھی آواز سنائی دی۔ پولیس والے پدما سے بدسلوکی کر رہے ہوں گے۔ میں نے سوچا۔

مجھے شرمندگی ہو رہی تھی کیوں کہ وہ جو بھی کمینگی کر رہے تھے' بے چاری عورت کو میری وجہ سے وہ سب کچھ سہنا پڑ رہا ہے۔ جب کہ میں اس کا کچھ بھی نہیں تھا۔

تھوڑی دیر اور مکھیوں کی بھنبھنانے کی یہ آواز آتی رہی پھر ایک دروازہ زور سے کھلا۔ یہ شاید اس کمرے کا دروازہ تھا جہاں سمپورنا اور پدما نے مجھے مہمان ٹھہرایا تھا۔ اس دوسرے کمرے میں کھڑبڑ اور جھنجٹ ہوتا رہا۔ پھر اس خاص کمرے میں جس کے تہہ خانے میں بیٹھا میں سب آوازیں سن رہا تھا وہ لوگ گھس آئے۔ یہاں کچھ دیر تک چیزیں ادھر ادھر پھینکی جاتی رہیں۔ پھر گالیاں بکنے اور ہاتھاپائی کی آوازیں آنے لگیں۔ وہ لوگ پدما کو تشدد کا نشانہ بنا رہے تھے۔ پدما گالیاں دیتی رہی مگر آوازوں سے لگ رہا تھا کہ انہوں

نے اس پر قابو پا لیا ہے۔ وہ ایک سے زیادہ ہوں گے۔ کتنی ہی توانا صحت مند سہی پدما آخر کو عورت تھی۔ کچھ دیر تک یہ سب گڑبڑ ہوتی رہی پھر ایسا معلوم ہوا کہ پدما نے مزاحمت ترک کر دی اور وہ من مانی کرنے کو آزاد ہو گئے ہیں۔

دس بارہ منٹ بعد پرشور انداز میں اس کمرے کا دروازہ کھلا' بند ہوا اور صحن سے بھاری قدموں کی چاپ گزر گئی۔ کوارٹر کا ٹین کا دروازہ کھولتے بند کرتے وہ جتنے بھی تھے چلے گئے۔

گھر میں سناٹا ہو گیا اور پانچ دس منٹ سناٹا رہا پھر کسی کے' ظاہر ہے پدما ہی کے' دھیرے دھیرے چلنے پھرنے کی آہٹ سنائی دی۔ باہر کا' کمرے کا دروازہ بند کیا گیا اور آہستہ آہستہ تہہ خانے کا تختہ کھینچا جانے لگا۔ نیم اندھیرے میں آہستہ آہستہ اترتی ہوئی وہ عورت آئی اور تہہ خانے میں بچھے دیوان پر میرے برابر بیٹھ گئی۔ اور دھیرے دھیرے کراہنے لگی۔

"کیا ہوا؟" میں نے پوچھا۔

"وہی کتوں کے جنے آئے تھے۔"

"کیا کہہ رہے تھے؟"

"کہہ نہیں رہے تھے بدمعاشی کرنے آئے تھے۔"

میں نے افسوس کی آواز نکالی۔ میری وجہ سے اس عورت کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔ مجھے واقعی دکھ ہوا تھا۔

وہ بولی۔ "بس ان کا یہی ہے' حرام کے جنوں لگا۔"

میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ میرے گلے لگ گئی۔ کچھ دیر اسی طرح رہی' پھر بولی "وہ کہہ گئے ہیں کہ ہم پوری نفری کے ساتھ ابھی آ رہے ہیں۔ تیرا کوارٹر کھود کے رکھ دیں گے۔"

"یہ بہت تشویش کی بات تھی۔ میں نے کہا "اچھا تو میں جا رہا ہوں۔"

پوچھنے لگی "کہاں جاؤ گے؟"

"کہیں بھی چلا جاتا ہوں' بس یہاں نہیں ٹکوں گا۔ انہوں نے یہاں سے مجھے پکڑا تو تمہیں اور زیادہ ستائیں گے۔"

وہ سوچ میں پڑ گئی۔ پھر بولی "ابھی تو میں تجھے یہاں سے نکال لیتی ہوں' آگے کی آگے دیکھی جائے گی۔"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

وہ ہاتھ تھام کے مجھے تہہ خانے سے نکال لائی۔ اس نے کمرے کا دروازہ کھول دیا تو میں نے دیکھا' اس کا لباس جگہ جگہ سے پھٹا ہوا اور مسلا مسلا تھا۔ کمرے کی چیزیں بھی بے ترتیب اور بکھری ہوئی تھیں۔ وہ اگر دو تین تھے تو دونوں تینوں نے بے چاری عورت کو زیادتی کا نشانہ بنایا تھا۔ اس کے چہرے پر نیل تھے اور دانتوں کے اور نئی خراشوں کے نشان تھے۔

کچھ دیر وہ کمرے کے بکھرے سامان کے درمیان کھڑی رہی۔ پھر کہنے لگی "یہ لوگ پہلے سے کوشش میں تھے۔ چھیڑ چھاڑ کرتے رہتے تھے۔ اب کوارٹر کی تلاشی کا بہانہ بنا کے آئے' یہ کر گئے۔ تم میری فکر مت کرو۔ یہاں کبھی کبھی ایسا ہوتا رہتا ہے۔"

میں نے سوچا۔ وہ برما ہو' کوئی جگہ ہو' پولیس والوں کی حرکتیں ایسی ہی ہوتی ہیں۔ یہ شاید انہی علاقوں میں ہوتا ہو گا جن پر انگریز کی حکومت رہی ہے۔ انگریز نے اپنی پولیس کو ایسا ہی رکھا ہو گا کہ وقت ضرورت ان سے عام لوگوں کو دہشت زدہ کرنے کا کام بھی لیا جا سکے۔

اس عورت پدما نے بستر سے ایک چادر اٹھا کر مجھے اوڑھا دی۔ کہنے لگی "میرے ساتھ چادر اوڑھ کے باہر نکل آ۔ کوئی سمجھے گا بیمار کو دکھانے لے جا رہی ہوں۔"

میں سر ڈھکے بدن پر اچھی طرح چادر لپیٹے کوارٹر سے نکل کے عورت کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ یہ جانا پہچانا رستہ لگتا تھا۔ جگہ تو سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ میں نے بیمار کی طرح اپنا سر اور چہرہ ڈھکے ڈھکے راستہ طے کیا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ کسی محفوظ جگہ پہنچنے سے پہلے پہچان لیا جاؤں اور دس منٹ تک رکتے' چھپتے چھپاتے ہم دونوں چلتے رہے۔ میں نے دیکھا اسپتال کا یہ وہی علاقہ ہے جہاں سے میں بارہا گزرا ہوں گا۔

پھر ایک موڑ مڑ کے عورت رک گئی۔ اس نے ایک جانے پہچانے دروازے پر دستک دی اور پکار کے کہا کہ کھولو ہم لوگ آ گئے ہیں۔ دروازہ کھول دیا گیا' اندر سمپورنا اور سرجن دوبے کھڑے مسکرا رہے تھے۔

عورت کسی دور کے راستے سے مجھے دوبارہ مردہ خانے میں لے آئی تھی۔ "ارے!" میں نے عورت کی طرف دیکھا۔

دوبے نے کہا "ارے!"

"کیا کرتی سمجھ رہی تھی اور سب جگہ وہ پہنچ جائیں گے اور تجھے پکڑ لے جائیں گے۔ مردہ خانہ ہی ہے جہاں وہ نہیں گھستے۔ مطلب جب تک زندہ ہیں' ادھر نہیں آتے۔

آخر میں تو آتے ہی ہیں حرامی۔"

وہ مسخرے پن کی باتیں کر کے شاید سمپورنا اور دوبے سے وہ تکلیف دہ بات پوشیدہ رکھنا چاہتی تھی جس سے کوارٹر میں ابھی ابھی گزری تھی۔

سمپورنا نے ایک بار اس کے چہرے' اس کے لباس پر نظر ڈال کر پوچھا کہ یہ کیسے اور کہاں سے بربادی کر لائی مگر اس نے سمپورنا کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

دوبے بظاہر ہمدردی سے میری کہانی سنتا رہا کہ پولیس والوں نے مجھے دیکھ کر اس طرح پیچھا کیا اور اب میں پھر اس کے پاس پناہ لینے پر مجبور ہو گیا ہوں۔

کہنے لگا "تم ضد کر رہے تھے تو میں نے جانے دیا۔ نہیں تو اصل بات یہ ہے کہ میں تمہارا ساتھ نہیں چھوڑنا چاہتا۔ مطلب دوسرے لفظوں میں سمجھو تو میں نہیں چاہتا کہ تم میرا ساتھ چھوڑو۔"

وہ دونوں اپنے اسی منحوس کام میں لگے ہوئے تھے یعنی مردوں کو پلاسٹک کے ہوا بند تابوتوں میں دواؤں کا اسپرے کر کے پیک کر رہے تھے۔ سمپورنا کہنے لگا۔ "ابھی تو تم کو کچھ دیر رکنا پڑے گا۔ اس لیے کہ پولیس والے اسپتال میں ہر جگہ باؤلے جانور کی طرح تمہاری تلاش میں گھوم رہے ہوں گے۔ اس لیے جتنی دیر ہمارے ساتھ یہاں رہو تو ہمارا ہاتھ بٹاؤ۔ مہربانی ہو گی تمہاری۔"

میں نے کہا "تمہاری اور سرجن دوبے کی مہربانی ہے جو تم مجھے مردہ خانے میں چھپانے پر رضامند ہو گئے ہو۔" سرجن ہنسنے لگا۔ بولا "ہندوستان میں ایک جگہ ہے لکھنو' وہ بڑی کلچرڈ جگہ ہے۔ لوگ ایک دوسرے سے بڑے دھیمے سبھاؤ سے بات کرتے ہیں تو اس وقت لگتا ہے۔ اس مردہ گھر میں تم دونوں بھی لکھنو کا سا ناٹک کر رہے ہو۔"

باتیں کب تک چلتیں' سمپورنا نے مجھے اپنے ساتھ مددگار لگا لیا۔

وہ مردے کو شانوں سے پکڑتا' میں ٹانگوں میں سنبھالتا اور سرجن دوبے نے اسپرے کر کے جو تابوت تیار کیا ہوتا' ہم دونوں اس میں مردے کو لٹا دیتے۔

سارے ہی مردے بنا کپڑوں کے پیک کیے جا رہے تھے۔ ہاں ایک بار تابوت میں رکھنے کے بعد ہم نرم ٹشو پیپر کی گیندیں سی بنا کر مردے کے ہر طرف رکھتے جاتے اور اس طرح اسے بالکل ڈھک دیتے تو سرجن دوبے جو منہ پر ماسک چڑھائے ہوئے تھا' ہمیں تابوت کے پاس سے ہٹنے کا اشارہ کرتا۔ ہم ہٹ جاتے تو دوبے اپنی اسپرے گن سے ٹشو کی ان گیندوں کو تر کر دیتا اور ہم جھپٹ کے اوپر تابوت کے ڈھکنا رکھ دیتے۔ دوبے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ربڑ کی لائننگ پٹی رکھ کر کھٹ سے تابوت کو پیک کر دیتا۔ اب اندر کی ہوا باہر نہیں آسکتی تھی' نہ باہر کی ہوا اندر جاسکتی تھی۔ ہم دونوں تابوت کو ٹرالی پر رکھتے اور ٹرالی کھینچتے ہوئے لے جا کر ایک طرف قطار میں لگے دوسرے تابوتوں کے ساتھ رکھ دیتے۔

ہم چار گھنٹے اور یہ پیکنگ کرتے رہے۔ پھر ہم سب غسل کرنے گئے اور شاور کے بعد دوبے کی بند گاڑی میں ہمیں اسپتال کے کچن کے علاقے میں لے جایا گیا۔

تینوں نے ایک الگ تھلگ کمرے میں کھانا کھایا۔ جتنی دیر دوبے سگریٹ پیتا رہا' ہم انتظار کرتے رہے۔ جونہی اس نے سگریٹ ایش ٹرے میں ڈالی' تینوں کمرے سے نکل آئے۔ بند گاڑی ہمیں پھر مردہ خانے لے آئی۔

اب تک کے پیک کیے ہوئے تابوت لے جائے جا چکے تھے۔ ان کی جگہ ایک نئی قطار خالی تابوتوں کی لگی ہوئی تھی۔ مردہ خانے میں ایکسپورٹ کے لیے تیار کیے ہوئے کچھ اور مردے پہنچا دیئے گئے تھے۔ چار پانچ گھنٹے اور ان مردوں کو ٹھکانے لگانے میں صرف ہوئے۔ آخر بارہ بجتے بجتے مجھے بند گاڑی میں سرجن دوبے کی کوٹھی میں پہنچا دیا گیا۔ ایک گھنٹہ نہانے دھونے' کھانے پینے میں لگا۔ دوبے کی دھلی ہوئی سفید پتلونیں' قمیصیں اور نرم ربڑ سول جوتے میرے پہننے کے لیے لائے گئے تھے۔ وہ پہن کر میں اسپتال کے وارڈ بوائے کے سے حلیے میں آگیا۔ رات ایک بجے کے بعد دوبے کہنے لگا۔ "آؤ تمہارے دوست کو دیکھنے وارڈ کی طرف چلتے ہیں۔ مجھے ابھی انٹر کوم پر خبر دی گئی ہے کہ پولیس والوں کی جو ٹکڑی تمہیں تلاش کرتی پھر رہی تھی' اس کی شفٹ بدل چکی ہے۔ اب اور ہی کوئی نیا یونٹ آیا ہے۔ اب کوئی خطرہ نہیں ہے۔ میں تمہارے ہاتھ میں سوئی والی ٹرے تھما دوں گا۔ تم میرے ساتھ میرے ڈسپنسر بن کے چلے چلو۔ کے کے کو اس ملاقات کے لیے بیدار کیا گیا تھا۔ مجھے دیکھ کے وہ واقعی خوش ہوا تھا۔ سرجن اس کے سامنے ایسی خوشامد کی باتیں کرتا رہا کہ کیا کسی کروڑ پتی کے خوش کرنے کو کرتا ہوگا۔ یوں لگتا تھا جیسے اسے علاج کے لیے بھاری فیس دی گئی ہے اور وہ مریض اور اس کے متعلقین کو خوش کرنے کو خوب لفاظی کر رہا ہے۔

ابھی ہم لوگ ایک دوسرے کا حال چال ہی پوچھ رہے تھے کہ اسپتال میں کہیں دھماکہ ہوا اور وارڈ کی بجلی چلی گئی۔ اگلے ہی لمحے سب طرف پیلی سی روشنی پھیل گئی۔ جنریٹر آپ ہی آپ چل پڑے تھے۔ سرجن دوبے جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ اسی وقت وارڈ میں رکھا فون بجنے لگا۔ اسپتال میں کہیں کوئی ایمرجنسی ہو گئی تھی۔ اسے فوراً وہاں جانا

تھا۔ اس نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کے کہا "یہیں رکو' میں پانچ منٹ میں آتا ہوں۔" وہ چلا گیا تو کے کے نے ادھر ادھر نظر ڈالی اور آہستہ سے اتنے آہستہ کہ دروازے پر بیٹھے پولیس والے بھی نہ سن سکیں۔ کہا "تمہیں مردہ گھر میں ڈیوٹی دینی پڑ رہی ہے؟"

میں نے کہا "ہاں تمہیں کیسے معلوم؟"

"مجھے سب معلوم ہو گیا ہے۔ تم نے مردہ گھر میں کام کرنے سے انکار کیا تھا؟"

میں نے کہا "ہاں۔"

"پھر انہوں نے تمہیں تالا کھول کر چلے جانے دیا؟"

"ہاں مگر.....؟"

"تم یہاں آئے' پولیس والے بیٹھے تھے جو تمہیں دیکھ کر جھپٹے؟"

"ہاں وہ مجھے پہچان گئے تھے۔"

"کوئی کسی کو نہیں پہچانا تھا۔ انہیں دوبے نے فون کیا تھا کہ تم ادھر آرہے ہو۔"

"اچھا؟" مگر بھائی یہ سب باتیں تمہیں کیسے معلوم ہوئیں؟"

"میں سوتا بن گیا تھا۔ ایک پولیس والے نے فون سنا تھا۔ پھر جو باتیں ہوئی تھیں' دوسرے کو سنائی تھیں۔ بس میں نے بھی سن لیں۔"

"حیرت ہے۔"

"حیرت کیا؟ اچھا یہ بتاؤ یہ لوگ تمہیں گھیرتے ہوئے اس عورت پدما کے کوارٹر تک لے گئے تھے؟"

"ہاں وہاں مجھے تہہ خانے میں چھپنا پڑا۔"

"ہاں تم چھپے رہے اور پولیس والوں نے پدما پر بار بار مجرمانہ حملے کیے؟"

"ارے!" مجھے حیرت ہو رہی تھی۔ "اچھا تمہیں یہ سب بھی معلوم ہے؟"

وہ بولا "پولیس والوں کو فون کرنے کے بعد سمپورنا اور دوبے کو اس کوارٹر میں پہنچنا تھا اور وہاں اس عورت کو سمپورنا اور دوبے کو آوازیں بنا بنا کے جبری کارروائی اور زیادتی کا ناٹک سنانا تھا۔ یہ سب تمہارے لیے تھا۔ عورت اور سمپورنا آوازوں سے زیادتی کا ماحول بناتے رہے ہوں گے اور ڈاکٹر دوبے سامان ادھر ادھر پھیلاتا رہا ہوگا۔ پھر وہ لوگ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

دھپ دھپ کر کے کوارٹر سے چلے گئے ہوں گے۔" میں نے کہا "اوہ..... کیسے عیار لوگ ہیں!"

"پھر پدما تمہیں مردہ خانے لے گئی ہو گی؟"

"ہاں..... اور وہاں مجھے چار چار گھنٹے کی دو شفٹوں میں کام کرنا پڑا۔"

"جی ہاں' ان کا کام نکل گیا۔ ان کی شپ منٹ جہازوں پر لوڈ کی جا رہی ہو گی۔"

"او مائی گاڈ!"

میں نے کے کے سے کہا "تمہارے پوری طرح صحت مند ہو جانے تک یہ لوگ مجھے مردہ گھر کا مزدور بنا کے رکھنا چاہتے ہیں۔"

"میں ٹھیک تو ہو رہا ہوں لیکن ایسا لگ رہا ہے کہ ٹھیک ہو جانے کے بعد بھی وہ نہ تو تمہیں' نہ ہی مجھے یہاں سے نکلنے دیں گے۔ ہمیں اپنا مردہ گھر کا غلام بنا کے رکھیں گے۔"

کے کے' کے خدشات مجھے بے بنیاد لگے۔ ایسا بھی کیا اندھیر مچا ہوا ہے کہ دو آدمیوں کو ان کی مرضی کے خلاف لمبے عرصے کے لیے غلام بنا کر رکھا جائے گا۔

کے کے بولا "پہلے ان کے پاس آٹھ آدمی تھے۔ وہ آٹھوں کسی طرح اس سرجن دوبے کے جال میں پھنسے ہوئے تھے۔ اپنی مرضی سے نہ وہ کہیں جا سکتے تھے' نہ کسی سے مل سکتے تھے۔ ان آٹھوں سے سرجن دوبے مردے دھونے اور صاف کر کے پیک کرنے کا کام لیتا تھا۔ وہ بیمار ہو کے مر گئے۔ ایک پر کام اور قید کا دباؤ اتنا سخت تھا کہ وہ پاگل ہو گیا۔ سارا سارا دن شور کرتا رہتا ہے۔ اسے دماغی امراض کے اسپتال پہنچا دیا تھا۔ وہاں پچھلے ہفتے وہ بھی مر گیا۔ اچھا بھلا سویا تھا' صبح مرا ہوا پایا گیا۔ سب کو شک ہے کہ اسے زہر کا انجکشن دیا گیا ہے۔ باقی تین کچھ کر کے چوکیداروں کو دے دلا کر نکل گئے۔ اسی لیے مجبور ہو کے دوبے کو مردہ گھر میں رات کی شفٹ لگانی پڑ رہی ہے کیونکہ آٹھ میں سے اس وقت دو مزدور رہ گئے ہیں یا اب تم اور میں پھنسے ہیں۔ چاہے کچھ ہو جائے' دوبے ہم دونوں کو نکلنے نہیں دے گا۔"

"یہ بہت خطرناک باتیں معلوم ہوئی تھیں۔ تاہم میں نے کے کے سے کہا کہ وہ پریشان نہ ہو۔ کوئی نہ کوئی صورت ایسی ضرور نکلے گی کہ ہم اس قید اور غلامی سے فرار ہونے میں کامیاب ہوں گے۔"

پانچ منٹ کا کہہ کے گیا تھا اور چھٹے ساتویں منٹ میں دوبے لوٹ آیا۔ کہنے لگا

"اسپتال کے بجلی کے ٹرانسفارمر میں دھماکہ ہوا ہے۔ رات کے اسٹاف کا ایک آدمی معمولی جھلس گیا تھا۔ ہم نے اسے علاج کے لیے حادثات کے شعبے میں بھیج دیا ہے۔ آؤ چلیں' اب ہمارے سونے کا وقت ہے۔"

دوبے کی بند گاڑی میں' میں اس کی کوٹھی پر لایا گیا۔ بیس منٹ یعنی تہہ خانے کے وسیع و عریض ہال میں ایک ایئر کنڈیشنڈ کمرے میں میرے سونے کا بندوبست کیا گیا تھا۔ دوبے ہی کے استعمال شدہ کپڑے مجھے پہننے کو دیئے گئے۔ میں تھکا ہوا تھا' پریشان دماغی کے باوجود لیٹتے ہی سو گیا۔

سویرے دن نکلنے سے پہلے سمپورنا اور پدما آ گئے۔ وہ عورت جس نے شروع میں مجھ پر فریفتہ ہونے کا ناٹک رچایا تھا اور مجھے پھانسنے کو اپنے عاشق سمپورنا کے ساتھ مل کے پولیس زیادتی کا ڈراما کھیلا تھا' اس وقت خاموش تھی۔ دوبے نے ان دونوں کو کس دباؤ میں رکھا ہے' ابھی تو معلوم نہیں ہو سکتا تھا۔ ہاں اندازہ ضرور ہو رہا تھا' کسی قسم کا دباؤ اس مرد اور اس عورت پر ضرور ہے جو وہ سرجن دوبے کا حکم بجا لاتے ہیں' چوں چرا نہیں کرتے۔

ناشتے کے بعد پدما ذرا چہکی' میرے پاس آ کے بیٹھ گئی۔ میرا ہاتھ تھام کے دھیرے دھیرے کہتی رہی کہ اگر رنگون آنے سے پہلے میری اس کی ملاقات ہو گئی ہوتی تو ہم دونوں شادی کر لیتے اور برما چھوڑ کے تھائی لینڈ لاؤس یا قریب کے کمبوڈیا میں جا بستے۔ پھر مڑ کے کبھی ادھر نہ آتے۔

میں نے کہا "تم یہاں کیوں ہو۔ جب یہ جگہ رنگون تمہیں اچھی نہیں لگتی تو نکل جاؤ' اپنے آدمی کو لے کے۔ اب بھی ہمسایہ ملکوں میں سے کسی میں جا سکتی ہو۔"

وہ ہنس کے بولی "یہی تو بتا نہیں سکتی کہ یہاں کیوں جمی بیٹھی ہوں۔ شاید اس سمپورنا کی وجہ سے۔ شاید اس وجہ سے کہ صحیح وقت کا انتظار کر رہی ہوں۔ جب تم جیسا کوئی آ جائے گا تو سمپورنا کو چھوڑ کے اس آنے والے کا ہاتھ پکڑ کے نکل جاؤں گی۔"

وہ اپنی مجبوری بیان کرنا چاہتی بھی تھی اور صاف لفظوں میں بتا بھی نہیں سکتی تھی۔

ناشتے کے بعد ہم تینوں کو ایک نئی "ورکشاپ" میں لے جایا گیا جہاں مردوں کے بدن سے نکالے ہوئے اعضائے رئیسہ' دل' پھیپھڑوں' گردوں وغیرہ کو صاف کر کے الگ الگ پیکنگ میں اسپرٹ میں رکھ کے مہر بند کیا جاتا تھا۔ یہ کام بہت تھکا دینے والا تو

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

نہیں تھا' اس لیے کہ اسٹیل کی بڑی بڑی ٹرے اور گھومنے والی کرسیوں پر دستانے پہن کے کام کرنا ہوتا تھا۔ جتنی دیر ہم "ورکشاپ" میں کام کرتے رہے' پوشیدہ مائیکروفونز سے ہلکی موسیقی نشر ہوتی رہی۔

دو دن ان دل' جگر' پھیپھڑوں اور مغز وغیرہ کو اسپرٹ پیک کرنے میں لگے۔ تیسرا دن شپ منٹ کے لیے پلاسٹک کے تابوت دھونے اور تیار کرنے میں لگ گیا۔

آٹھ آدمیوں کا کام ہم تین اور کبھی کبھی دوبے کو ملا کے چار آدمی کر رہے تھے۔ دوبے نے اب ایک طرح سے کھل کے کہہ دیا تھا کہ چاہے کچھ بھی ہو' جب تک تمہارا ساتھی کے کے "بالکل صحت یاب" نہیں ہو جاتا تمہیں میڈیکل سائنس کو ترقی دینے کے لیے اس کام میں ہمارا ہاتھ بٹانا پڑے گا۔ میں نے ایک ہفتہ بہت تکلیف کا گزارا۔ کمر توڑ کام اور ایک منٹ کے لیے باہر نہ نکل سکنے کی اجازت پر ایسی حالت تھی کہ زیادہ دن جاری نہیں رہ سکتی تھی۔ مشقت کے آٹھویں نویں دن مجھے کے کے سے بات کرنے کا پھر موقع مل گیا۔ دوبے اور سمپورنا جاں بہ لب مریض کی پروگریس' مطلب خاتمے کی طرف بڑھنے کی رفتار دیکھنے چلے گئے۔ جس کی جسمانی حالت دوسرے انسانوں سے مختلف تھی۔ یہ معلوم نہیں کہ وہ مریض کس طرح مختلف تھا لیکن لاشوں کی مارکیٹ میں اس اکیلے کے دس گنا پیسے اٹھائے جا سکتے تھے۔ ممکن ہے اس کے تین ہاتھ ہوں۔ ہو سکتا ہے وہ مریض جنسی ساخت میں بیک وقت مرد بھی ہو اور عورت بھی۔ بہر حال دوبے اور سمپورنا بہت زیادہ جوش میں تھے اور مجھ سے کہہ کر گئے تھے کہ یہ غیر معمولی لاش ہاتھ آگئی تو تمہیں بونس ملے گا۔ بونس کیا ہوگا' یہ مجھے معلوم تھا یعنی دوبے کی گاڑی ہمیں سینما ہال لے جائے گی اور ایک شو دکھا کے بازار کی سیر کرائے گی۔ پھر ضیافتوں جیسے کھانے کھلا کر اور سمپورنا اور پدما کو شراب پلا کر واپس اسپتال لے آیا جائے گا۔

دوبے سمپورنا مریض کو دیکھنے چلے گئے تو کے کے نے سرگوشیوں میں مجھے بتایا کہ یہاں دواؤں کی سپلائی ایک کرسچین ٹھیکیدار کرتا ہے۔ جوزف نام ہے اس کا۔ جوزف کو دوبے کی سرگرمیوں کا کچھ اندازہ ہے لیکن وہ ان سرکاری اہلکاروں سے ٹکرانے کے حق میں نہیں جو دوبے کی پشت پر ہیں۔ اس نے کے کے سے وعدہ کیا ہے کہ جیسے ہی اس کا ہاتھ ٹھیک ہوا' جوزف باہر کے ایک رنگونی دادے سے کے کے کی یا میری ملاقات کرا دے گا۔ رنگونی دادا بہت سے ناقابل ذکر "رفاہی کاموں" میں ملوث ہے۔ وہ جوا کھلاتا ہے۔ بلا لائسنس شراب بنواتا اور بکواتا ہے۔ ضرورت مندوں کی دل بستگی کے لیے گھروں

پر گانے والیاں پہنچاتا ہے جو ضروری نہیں کہ گاتی بھی ہوں۔ زیادہ تر تو وہ صرف "والیاں" ہی ہوتی ہیں۔ گانے سے محروم مگر دوسرے کسی فن میں یکتا۔ کے کے کو دواؤں کی سپلائی والے نے بتایا کہ رنگونی دادا پیسے تگڑے لے گا مگر تم دونوں کو یہاں سے نکال دے گا۔ میں نے کے کے سے کہا کہ پیسے کی فکر مت کرو' جیسے ہی رنگون میں ہمیں آزادی ملے گی یا ہم بابا (صمد بنگش صاحب) سے رابطہ قائم کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے' ویسے ہی سمجھو پیسے فراہم ہونے کی صورتیں نکلتی آئیں گی۔ تم ٹھیکیدار سے پکا کر لو کہ رنگونی دادا جو رقم مانگے گا' ہمیں منظور ہے۔ بس اتنا ہے کہ دادا سے رقم دینے کے لیے کوئی مہلت مانگ لو۔ ہفتہ دس دن کچھ بھی۔ ابھی اتنی ہی باتیں ہوئی تھیں کہ دوبے اور سمپورنا آگئے۔ دونوں بہت خوش تھے' وہ پارٹی کو فون کرتے ہوئے آئے تھے کہ کل نہیں تو پرسوں ہر حال میں غیر معمولی لاش کی ڈلیوری کر دی جائے گی۔ ہم دونوں روٹین میں کام کرتے رہے۔ تیسرے دن وہ غیر معمولی لاش دوبے کے ہاتھ آگئی۔ یہ ایک ایسے انسان کا جسد تھا جس میں عورت اور مرد دونوں کی جسمی خصوصیات موجود تھیں۔ ہم نے اسے اسپیشل تیاری کے ساتھ پیک کیا۔ اس کے اعضائے رئیسہ بھی ساتھ ہی اسپرٹ پیک کیے گئے اور رات ہونے سے پہلے اسے پارٹی کے حوالے کر کے رسید لے لی گئی۔ دوبے نے شام ہوتے ہی کہہ دیا تھا کہ آج آخری شو دکھانے تم تینوں کو (مطلب سمپورنا' پدما اور مجھے) لے جایا جائے گا۔ شام ہی میں' میں وارڈ کی طرف دواؤں کا اسٹاک اٹھانے گیا اور کے کے کو ایک پرچا پہنچانے میں کامیاب ہو گیا جس میں اس سینما کا نام اور شو کا ٹائم میں نے لکھ دیا تھا۔ کے کے نے اپنی سونے کی زنجیر کے عوض وہ پرچا رنگونی دادے تک پہنچا دیا۔ ساتھ ہی اس نے مجھے بھی اطلاع کرا دی کہ نو بجے تک دونوں طرف کی لائن دادا نے ٹھیک کر دی یعنی اسے اسپتال سے تو کے کے کو اٹھانا تھا اور سینما ہال سے مجھے۔ یہ سب وہ کس طرح کرے گا' ہم نے نہیں پوچھا۔ وقت ہی نہیں تھا اور ویسے بھی ضرورت کیا تھی۔ میرے اور کے کے' کے پاس دادا کا پیغام پہنچ گیا تھا کہ ہم اتنے اتنے بجے کہاں' کس پوزیشن میں رنگونی دادا کی کارروائی کا انتظار کریں گے۔ کے کے' کو خبر نہیں کہاں' کس طرح انتظار کرنا تھا۔ میرے لیے ہدایات یہ تھیں کہ میں نو بجکر دس منٹ پر ہر حال میں سینما ہال کے مردانہ واش روم میں موجود رہوں۔

سینما دیکھنے ہم سرجن دوبے کے ساتھ نکلے مگر وہ راستے میں اتر گیا۔ اس کا ڈرائیور' سمپورنا' پدما اور میں بس یہی لوگ سینما دیکھنے والوں میں رہ گئے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

پدما پر وہی عاشقی کا بھوت سوار تھا۔ بار بار سمپورنا کو سنا سنا کر کہہ رہی تھی کہ وہ میرے ساتھ صوفے کی ڈبل سیٹ پر بیٹھے گی۔ میں نے اس کی یہ بک بک خوش مزاجی سے سنتے ہوئے اسے تسلی دی کہ نہ صرف وہ میرے ساتھ ایک ہی صوفے پر بیٹھ کے فلم دیکھے گی بلکہ ابھی جو میں منہ ہاتھ دھونے فریش ہونے مردانہ غسل خانے میں جاؤں گا تو پدما میرے ساتھ ہو گی۔ اس نے خاصا بلند قہقہہ مارا۔ بولی "یہ صحیح ہے' مزا آئے گا۔" میں نے دیکھا۔ سمپورنا کو ڈرائیور کے سامنے کی گئی یہ بات اچھی نہ لگی۔ اس نے پدما سے کہا "بکواس مت کر۔ تو میرے پاس بیٹھے گی۔"

پدما نے اسے دھیرے سے گالی دی یعنی ان دونوں میں اب یہ طے ہو گیا تھا کہ سمپورنا میرے ساتھ اس وقت نہیں ہو گا جب میں فریش ہونے باتھ روم میں جاؤں گا۔

ڈرائیور نے ان دونوں کو سمجھانا شروع کر دیا کہ آہستہ بات کرو اور لڑو مت' لوگ مڑ مڑ کر تمہاری طرف دیکھ رہے ہیں۔

میں نے اوپر سے فقرہ لگایا کہ ڈرائیور صاحب ان دونوں کو لڑنے بھڑنے مت دینا۔ خیال رکھنا' ایسا نہ ہو کہ میں تو واش روم جاؤں اور یہ دونوں ایک دوسرے کا منہ نوچنے لگیں اور میرے آتے آتے سمپورنا کے یہ گنتی کے بال اور بھی کم ہو چکے ہوں۔

اس وقت نو بجکر تین منٹ ہوئے تھے۔

میں باتھ روم جانے کو اٹھ کھڑا ہوا۔

پدما نے ہاتھ بڑھا کر میری قمیص کی آستین پکڑ لی۔ سمپورنا نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ مار کے مجھے آزاد کرا دیا۔ پدما بولی "حرام کا جنا!" سمپورنا نے اسے طمانچہ مارا' پدما نے مٹھی میں اس کے چھدرے بال پکڑ لیے اور سمپورنا بری زبان میں اس کی ماں پر بڑے بڑے بھیانک الزام لگانے لگا۔

میں خوش مزاجی سے ہنستا ہوا سیٹوں کے درمیان رستہ بنانے لگا۔

ڈرائیور نے غصے سے کہا "کیا ہو رہا ہے یہ؟ اور کہاں جا رہے تم' روکو ناں ان دونوں کو۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا "اب تم روکو' میں تو نہ معلوم کتنی بار' کس کس حالت میں انہیں لڑنے بھڑنے سے روک چکا ہوں اور چوٹیں کھاتا رہا ہوں۔"

ڈرائیور ان دونوں کے بیچ ٹھنس گیا۔ اس نے مجھ سے پکار کے کہا "اب جاؤ ناں کیوں کھڑے کھڑے دانت نکال رہے ہو۔ جلدی سے آؤ' میں اکیلا ان لوگوں سے نہیں

نمٹوں گا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا "ابھی آیا' ابھی آیا۔ بس دو منٹ کی بات ہے۔"

اس وقت نو بجکر آٹھ منٹ ہوئے تھے۔

میں ہال سے نکلا تو نو بجکر نو منٹ ہوئے تھے۔ سامنے لفظ "مردانہ" کے پیچھے جلتا ہوا ایک پیلا بلب تھا۔ میں واش روم میں داخل ہو گیا تو اس وقت ٹھیک نو بجکر دس منٹ ہوئے تھے۔ "دیکھ کے چل بے ہندوستانی! سالا! اندھا ہے!" کسی نے یہ بات اردو میں کہی تھی اور مجھ سے ٹکراتے ہوئے میرے گریبان پر ہاتھ ڈال دیا تھا۔

"کیا بات ہے؟ کیوں جھگڑتے ہو؟" میں نے گھبرا کے سوال کیا۔

"میں رنگونی دادا ہوں۔ تیرے جیسوں کو ایک منٹ میں صفا کر دوں گا۔"

میں نے مسکرا کر رنگونی دادا سے کہا "سب ٹھیک ہے۔ میں اکیلا آیا ہوں۔ آؤ۔" وہ گریبان چھوڑ کر مسکرایا اور مجھے لیے ہوئے باتھ روم سے نکل کر برابر کے برآمدے کی سیڑھیاں اتر گیا۔ سیڑھیوں سے ملی ہوئی ایک بند گاڑی پہلے سے اسٹارٹ تھی۔ رنگونی نے گاڑی کے پچھلے پھاٹک پہ خاص انداز سے ڈرم بجایا۔ پھاٹک کھلا اور کسی نے اندر سے ہاتھ بڑھا کر مجھے گریبان سے پکڑ کے کھینچ لیا۔ رنگونی نے باہر سے دروازہ بند کیا اور گاڑی چلنا شروع ہو گئی۔ اندر گاڑی کے اندھیرے میں کسی نے آہستہ سے میرا نام لیا۔ "شیر خان!" یہ کے کے کی آواز تھی۔ ہم دوبے کے منحوس اسپتال اور اس کی مردوں کی دنیا سے نکل آئے تھے۔

گاڑی گھنٹے بھر تک کبھی تیز کبھی ہلکی رفتار سے چلتی رہی۔ بازاروں سے گزرتے ہوئے اس کی رفتار ہلکی ہو جاتی تو باہر کی آوازیں سنائی دینے لگتیں۔ کے کے غور سے یہ آوازیں سنتا اور آوازوں سے علاقہ پہچان کر بہ آواز بلند علاقے کا نام لیتا۔ ہمارے برابر بیٹھا ہوا رنگونی دادا کا کوئی گرگا خوش مزاجی سے یا تو تعریف کی آواز نکال کر کے کے' کے لیے ہوئے علاقے کے نام کی تصدیق کرتا یا ناں ناں کہہ کے محلے کا صحیح نام لے دیتا۔ قرائن سے لگتا تھا کہ ہمیں شہر سے باہر مضافات کی کسی بستی میں لے جایا جا رہا تھا۔ گاڑی رکی اور ہمارے پاس بیٹھے گرگے نے دھیرے سے کہا "ابھی بیٹھے رہنا' اترو گے تو رنگونی دادا گالیاں دے گا خوامخواہ۔"

ہم بیٹھے رہے۔ پھر بھی اس کی گالیاں دیتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"ابے کیا اندر ہی مرو گے اب؟ تمہاری تو....."

گرگے نے ہنستے ہوئے گدی میں ہاتھ دے کے ہمیں گاڑی سے اتار دیا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

یہ ایک نیم تاریک کمپاؤنڈ تھا اور دالان میں پیلے بلب جل رہے تھے اور اوپر تلے رکھے پرانے ٹائر کاٹھ کباڑ' لکڑی اور ٹین کے فریم جیسے دکھائی دے رہے تھے۔ گاڑی کے برابر ایک آدمی آرمی کی پرانی تین سو تین بور کی رائفل اٹھائے آکھڑا ہوا تھا۔ وہ جمائیاں لے رہا تھا۔ میں نے دیکھا' اس کی رائفل کے بٹ کو تار اور موچی والی کیلیں ٹھونک کر مرمت کیا گیا تھا۔

ہم گاڑی سے اترے تو رنگونی نے مجھے مخاطب کیا "تم شیر خان ہو نا؟"

میں نے کہا "ہاں۔"

بولا "تمہاری جیپ اے ون کنڈیشن میں ہے۔"

"جیپ؟" مجھے جیپ کا سن کے حیرانی ہوئی تھی۔

"ہاں نا۔ وہ کھڑی ہے۔ وہ نیم کے جھاڑ کے پاس۔"

میں نے مڑ کے دیکھا' نیم کے درخت سے تار کے ذریعے ایک ننگا بلب لٹک رہا تھا۔ بلب کی فحش روشنی میں وہ جیپ کھڑی تھی جو انحد سنگھ نے ہمیں رنگون پہنچنے کے لیے تیار کرادی تھی۔

میں نے کہا "ہاں..... جیپ..... اے ون کنڈیشن میں رکھتا ہوں میں اپنی گاڑیاں۔"

رنگونی ہنسا۔ "اچھا ہی ہے نا۔ اگر مجھے اس کی مرمت میں پیسا لگانا پڑتا تو وہ تمہارے پچھائے پہ بید مار مار کے وصول کر لیتا۔ میری سروس میں جو بھی چیز آتی ہے ٹاپ کنڈیشن میں آتی ہے' نہیں میں پچھائے پہ بید مار مار کے ہر جا خرچا وصول کر لیتا ہوں۔ وہ عورت ہے ناں پدما' دوبے کے بعد میرے پاس تھی ٹاپ کنڈیشن میں' اب وہ بات نہیں ہے۔ تمہیں تو بیٹا! وہ تھرڈ ہینڈ پڑی ہے بلکہ فورتھ ہینڈ۔"

اس سالے کی یہ بات مجھے اچھی نہ لگی۔ پھر بھی میں نے مصنوعی ہنسی ہنستے ہوئے کہا "تم ہر وقت مسخری کامیڈی کے موڈ میں رہتے ہو۔"

"یہ مسخری کامیڈی نہیں ہے۔ میں تو تم سے جیپ کے پٹرول کے بھی پیسے لوں گا۔ جب تک تم میرے پاس ہو' یہ جیپ میں تمہارے اکاؤنٹ میں چلاؤں گا۔ ہاں جب یہاں سے چلے جاؤ گے' اس کے بعد سمجھو یہ میری ہو جائے گی۔ اس کے بعد سے ہی بیٹے جیپ کا خرچا پانی میرے اکاؤنٹ میں چلے گا۔"

"اچھا تو تمہارا خیال ہے جیپ تمہارے پاس رہ جائے گی؟"

وہ ہنسنے لگا۔ کچھ دیر ہنستا رہا جیسے بچوں کی ناسمجھی کی باتوں پر بڑے ہنستے ہیں۔ پھر منہ سے گالی نکال کے زمین پر تھوکتے ہوئے بولا "خیال ویال پڑھے لکھے لوگوں کا چونچلا ہوتا ہے۔ مطلب وہی لوگ سوچتے خیال کرتے ہیں جنہوں نے ایک دو چوپڑی (کتاب) سے جاستی پڑھا لکھا ہو۔ ہم تو جاہل جٹ آدمی ہیں' خیال ویال نہیں کرتے۔ بس ہاتھ بڑھاتے اور پچھائے میں پہنچا دیتے ہیں۔ خیال ویال کس بات کا؟ خیال کی تو ماں کی عزت کرتا ہوں میں۔ سمجھے بھائی شیر خان؟"

یہ واقعی سخت مزاج آدمی تھا یا پیسہ بڑھانے' ہوا باندھنے کو سختی دکھا رہا ہے۔ خیر وقت آنے پر اس سے نمٹ لیا جائے گا۔ میں چپ رہا۔

اب کے اس نے نرمی سے پوچھا "کچھ کھاؤ گے' پیو گے؟"

میں نے کہا "کے کے میرے ساتھی کو ضرور کچھ دے دو۔ ابھی کمزوری چل رہی ہے اس کی۔"

"ہاں کے کے بیٹے! کچھ کھانا ہے؟"

کے کے نے اس کی بات کے جواب میں کہا "نہیں کھانا پینا تو سویرے ہی پہ رکھو۔ کھاپی کے نکل جائیں گے۔ ابھی تو سونا....."

وہ بات کاٹ کے' کے کے سے پوچھنے لگا۔ آواز میں نرمی تھی۔ "کہیں نکلنے کا ارادہ ہے سویرے؟ ہاں کہاں جاؤ گے؟"

بتایا تھا نہیں تمہیں۔ شیر خان کا باپ ..... والد صاحب منسٹر کی قید میں ہے۔ ادھر سے انہیں نکالنے کا ہے۔"

"پیکیج ڈیل کرو نا ہم سے۔ مطلب اب جو ہم نے تم دونوں کو دوبے کی قید سے نکال لیا ہے تو اس کے باپ کو بھی ادھر سے نکال کے ادھر بٹھا دیں گے سمجھے؟ ایک جگے اکٹھا پے منٹ کا پروگرام بنالو۔ شیر خان کو بھی سستا پڑے گا۔ ہمیں الگ الگ دو دو پارٹیوں سے ڈیل مطلب سودا نہیں کرنا پڑے گا۔"

"دو دو پارٹی کون؟"

"ایک پارٹی تم ہو' دوسری پارٹی منسٹر ہے۔"

"منسٹر؟"

"ہاں منسٹر۔"

"اس سے کیا ہے؟"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"ابے اس سے ایک سودا تو یہ ہوگا کہ ہمارے پاس شیر خان۔ بولو کیا دو گے؟"
اس آدمی رنگونی بدمعاش نے یہ بات اتنی سچائی سے کہی تھی کہ میری ریڑھ کی ہڈی میں جیسے برف کا نیزہ اترتا چلا گیا۔
"اور؟ اور دوسرا؟" میں نے مری ہوئی آواز میں پوچھا۔
وہ ہنسا "دوسرا سودا یہ ہوگا کہ اکیلا بڈھا تمہارے لیے بیکار ہے' یہ ہمیں دے دو۔ بولو کیا لیتے ہو؟"
کے کے بیچ میں بول پڑا۔ "دیکھو استاد! ایسی بات مت کرو۔"
"چوپ!" رنگونی پوری آواز سے دہاڑا۔ "جب دو مردوں میں بات ہو رہی ہو تو لونڈے لپاڑیوں کو بیچ میں نہیں بولنا چاہیے سالے!"
میں نے جیسے مشورہ دیا "ہاں کے کے! تم خاموش رہو۔ بس سنتے رہو' جو بات ہو رہی ہے۔"
رنگونی پھر نرمی سے مجھے سمجھانے لگا۔ "اب تمہاری سائیڈ پر سمجھو' ایک ڈیل تو پرانی ہے کہ چھ لاکھ میں تم دونوں کو دوبے کی قید سے نکالنے کی بات ہوئی ہے۔"
"چھ لاکھ؟" میں نے پریشانی میں پہلے رنگونی کو پھر کے کے کو دیکھا۔
کے کے نے ہاں میں سر ہلایا۔
"ہاں چھ لاکھ میں سنگل سودا۔ مطلب تم لوگوں کو ادھر سے نکلنے کا..... اور ڈبل سودا مطلب پورا پیکج تمہیں نکالنے اور بڑے میاں کو نکالنے' جہاز چڑھانے کا سب کام کا۔ گیارہ لاکھ..... چلو دس لگا لو' دس لاکھ ٹوٹل کیش۔ جیپ بھی تو دے دی ہے تم نے۔"
میں نے ویسے ہی رنگونی کو تپانے کو پوچھا "یہ دس لاکھ ہم کہاں سے لائیں گے؟"
"یہ دس لاکھ تم دونوں کو کڑھاؤ میں بٹھا کے دھیمی دھیمی آنچ میں تپا کے نکالے جائیں گے۔ جیسے رواج ملے گوشت سے چربی نکالتے ہیں ناں بیٹا! ویسے۔" پھر اس نے کسی کو آواز دی۔ "گورے! ارے بیٹا مہمانوں کو چائے وائے پلا کڑک۔ اب کھانا نہیں کھا رہے تو چائے ہی پلا دے اور بیٹا انہیں دونوں کو ہتھکڑی ڈال دے۔ آخر کب تک دونوں کتوں کے لاوارث بچوں کی طرح بے زنجیر کھڑے رہیں گے۔ ہاں رے گورے؟"
کاٹھ کباڑ کے دالان سے "اچھا جی اچھا۔" کہتا ہوا گینڈے کی طرح ایک آدمی قریب آنے پر جس کے پاس سے کچے لہسن کی بو آ رہی تھی' زنجیر اٹھائے آیا اور اس نے

ہم دونوں کو ہتھکڑی ڈال زمین پر گڑے ایک کنڈے سے پیڈلاک کر دیا اور بولا "بولو جی کس کی چائے میں کتنا میٹھا پڑے گا؟"
چائے لانے والے کو تو میں نے اور کے کے نے منع کر دیا۔ ہم دونوں کھلے کمپاؤنڈ میں جہاں بندھے تھے' وہیں سکڑ سمٹ کے بیٹھ گئے۔
صبح کاذب تک کتنے ہی لوگ دالانوں سے نکل نکل کے باہر کھلے میں یا تو الٹیاں کرنے یا ہماری طرف منہ کر کے فوری ضرورت رفع کرنے آتے جاتے رہے۔ ہم دونوں بے ترتیب ڈھیر کی طرح نیم اندھیرے میں پڑے تھے تو حد سے زیادہ شراب پیے ہوئے لوگوں کو یا محفل چھوڑ کر تیزی سے خود کو ہلکا کرنے والوں کو یہ خیال بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ جو کھلے میں ایک ڈھیر سا پڑا ہے' وہ دو آدمی ہوں گے۔ زنجیروں سے بندھے' ٹھنڈی زمین پر سکڑے سمٹے خود کو قلفی بننے سے اور چیونٹوں سے بچاتے ہوئے۔
کتنی ہی بار قہقہے مارتی عورتیں کبھی پورے کبھی کم کپڑوں میں دالانوں سے چہلیں کرتی اتر آتیں۔ ان کے عاشق لوگ انہیں پکڑنے کو لڑکھڑاتے ہوئے خوشامدیں کرتے' خوش دلی سے گالیاں بکتے کبھی اپنا لباس درست کرتے' کبھی بے احتیاطی میں ویسے ہی جیسے اپنی سرگرمی سے وقتی طور پر محروم کر دیئے جانے پر ہوتے تھے' اتر آتے۔ دوسری عورتیں اور دوسرے مرد انہیں اس غیر سنجیدہ حالت میں سنجیدگی سے لڑکھڑا لڑکھڑا کر ادھر ادھر بھاگتے' خوشامد کرتے دیکھتے تھے اور تالی بجاتے تھے۔
رنگونی دادا کا دربار نحوست ابھی جاری تھا کہ اچانک گاڑیوں میں سوار گولیاں چلاتے ہوئے لوگ کمپاؤنڈ میں گھس آئے۔
میں اور کے کے زمین سے چمٹ گئے۔ دالانوں کے ستونوں' لوہے لکڑ کے انباروں اور دیواروں' دروازوں کی اوٹ لیے لیے رنگونی دادا کے آدمیوں نے بھی گولیاں چلانی شروع کر دی تھیں۔
اسی دیوانگی میں پندرہ بیس منٹ تک آنے والے لوگوں میں اور رنگونی دادا کے غنڈوں میں گولیاں چلتی رہیں۔ پھر کمپاؤنڈ میں گھس آنے والے جو گاڑیوں کی اوٹ لے کر گولیاں چلا رہے تھے' بھاگم بھاگ گاڑیوں پر سوار ہوئے اور آخری کھسیاہٹ کے طور پر گولیاں چلاتے ہوئے کمپاؤنڈ سے نکل گئے۔
صبح کا اجالا پھیلنے لگا تھا۔ میں نے اور کے کے نے خاموشی ہونے کے بعد سر اٹھا کے دیکھا۔ ہمیں تین آدمیوں کی لاشیں نظر آئیں۔ کمپاؤنڈ میں ایک اور دالانوں میں

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

دو لاشیں پڑی تھیں۔

کے کے نے دھیرے سے کہا "رنگونی دادا کے دو وکٹ گرے' مہمان ٹیم کا ایک۔"

مجھے حیرت ہوئی یہ لڑکا اس بھیانک طریقے سے یہ بات کہہ رہا ہے۔

پھر صبح کے اس سہانے وقت میں عجیب ہی منظر دیکھنے میں آیا۔ دالانوں اور کمروں سے زخمی اور بے حال' گالیاں بکتے مردوں اور عورتوں نے نکلنا اور کمپاؤنڈ میں اکٹھا ہونا شروع کر دیا تھا۔

میں نے نظروں ہی نظروں میں شمار کیا۔ تیس بتیس لوگ تھے' عورت اور مرد دونوں۔

یہ وہ مہمان تھے جو شراب اور بد معاشی کے لیے یہاں اکٹھا ہوئے تھے۔

ان کی چیخ پکار بڑھتی جا رہی تھی کہ اچانک اندر کسی کمرے سے رنگونی دادا کی غصے کی آوازیں سنائی دیں۔ پھر وہ مہمان عورتوں' مردوں کو گالیاں دیتا کمپاؤنڈ میں آ گیا۔

وہ اور اس کے گرگے بھی بال بکھرائے' بے حال نکلے تھے مگر لگتا تھا ان دو آدمیوں کے سوا کہ جو آنے والوں کی گولیوں سے ڈھیر ہوئے تھے' رنگونی دادا کی جمعیت ٹھیک ٹھاک تھی۔

رنگونی نے ہم دونوں کی طرف نظر بھی نہیں ڈالی۔ کمپاؤنڈ میں اکٹھا ہو جانے والے مہمان عورتوں مردوں کو گالم گلوچ سے قابو کیا۔ انہیں تسلی دی کہ پانچ منٹ میں گاڑیاں تیار ہو رہی ہیں۔ تمہیں یہاں سے شہر پہنچوا دیا جائے گا اور واقعی پانچ منٹ کے اندر مختلف قسم کی گاڑیوں میں اس پریشان حال ہجوم کو جو ساری رات خرمستیاں کرتا رہا تھا' سوار کر دیا گیا اور کمپاؤنڈ مہمانوں سے خالی ہو گیا۔

مہمانوں کو رخصت کرنے کے بعد وہ ہماری طرف آیا۔

اس گینڈے کی سی شکل والے گرگے نے زنجیر اور ہتھکڑی کھول کر ہمیں آزاد کیا۔ پھر رنگونی دادا نے جسے شاید تقریریں کرنے کا شوق ہو گا' مجھے مخاطب کیا۔ بولا "شیر خان! ہم سمجھ رہے تھے تجھے' تیرے باپ کو حاصل کر لیں گے تو ہمیں تھوڑا کچھ مال مل جائے گا لیکن لگتا ہے تو اور تیرا بڈھا بہت ہی کوئی منحوس لوگ ہو۔ ہم نے ایسا کچھ بندوبست کیا تھا کہ ادھر تو ہاتھ آئے' ادھر وہ بڑے میاں قابو میں آ جائیں اور ہم تجھ سے دونوں کا پیسا وصول کر کے تمہیں برما کے بارڈر سے آگے دھکا دے دیں مگر حساب گڑبڑ

ہو گیا۔ پتا ہے کس طرح؟

مجھے جاننے کی فکر بھی تھی اور وہ خود بتا دینا بھی چاہتا تھا لیکن میں خاموش رہا کیونکہ اگر بے چینی ظاہر کرتا تو رنگونی دادا مجھے باتوں میں الجھا لیتا اور ضرور ستاتا۔ میں اس کے سوال "پتا ہے کس طرح؟" کے جواب میں بس منہ اٹھائے اس کی صورت دیکھتا رہا۔

اسے جب کچھ دیر جواب نہیں ملا تو اس نے خود اپنی بات پوری کی۔ کہنے لگا "ہم رات میں تیرے بڈھے کو منسٹر کی کوٹھی سے نکال لائے تھے۔ بڑی خاموشی سے کام کیا تھا۔ ہمیں یقین تھا کہ اسے منسٹر سالے کو جب پتا چلے گا کہ تیرے باپ کو کسی نے نکال لیا ہے تو وہ اپنے طور پر بھی تلاش کرے گا اور ہمیں بھی کہے گا کہ پتا اٹھاؤ کہ وہ صمد بنگش کدھر ہے؟ پھر ہم ادھر ادھر کچھ شور شرابا کر کے ڈھونڈیں گے یا ڈھونڈنے کا ناٹک کریں گے اور آخر میں تیرے بڑے میاں کا سودا کر لیں گے یا تو منسٹر سے یا تجھ سے مگر اب سارا کھیل بگڑ گیا۔"

مجھ سے نہ رہا گیا۔ میں نے پوچھ لیا "کس طرح؟"

وہ بولا "اس طرح کہ ایک مخبر حرامی نے منسٹر کو بتا دیا کہ صمد بنگش کو ہم ادھر کمپاؤنڈ میں لے آئے ہیں۔ بس اس نے دوسری کسی پارٹی کو ٹھیکہ دے دیا کہ بڈھے کو ہمارے کمپاؤنڈ سے نکال کے اس کے حوالے کر دو گے تو اتنے اتنے پیسے مل جائیں گے۔"

"اچھا۔ تو یہ جو آئے تھے' یہ اسی دوسری پارٹی کے غنڈے تھے؟"

"ہاں۔" رنگونی کے لہجے میں افسوس کی جھلک تھی۔ "ہاں سالوں نے میرے دو بڑے کام کے آدمی مار دیئے۔"

"اب تم کیا کرو گے؟"

"کروں گا کیا؟" رنگونی مجھے اس طرح سمجھانے لگا جیسے وہ استاد اور میں شاگرد ہوں۔ "ارے یہی کروں گا کہ تجھے' تیرے بڈھے کو اور اپنے آدمیوں کو لے کے ادھر سے نکل جاؤں گا۔ کیونکہ اب منسٹر کسی غنڈا پارٹی سے مدد نہیں لے گا۔ اس کا وار اوچھا پڑا ہے۔ اب تو وہ فوج کے لوگ ہی لے کے آئے گا۔ پولیس بھی نہیں' فوج۔"

رنگونی بک بک کیے جا رہا تھا مگر اس کے فقرے سے یہ بات مجھ پر کھل گئی تھی کہ بابا یہیں ہیں' اسی کے پاس ہیں۔ اسی کمپاؤنڈ میں ہیں۔

"تو کیا میرے بابا اس وقت یہیں ہیں؟"

"ہاں بیٹے! یہی کہنے تو آیا ہوں کہ بڑے میاں ادھر ہی ہیں۔ تم بھی ادھر ہی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہو۔ اب ذرا جلدی جلدی بتا دو کہ کونٹی نینٹل ہوٹل سے جو کروڑوں کا مال تم نے اڑا لیا تھا' سفری چیک میں بدل لیا تھا' اس دولت کو..... تو وہ اب کہاں ہے؟"

میرا دل دھک سے رہ گیا۔ رنگونی بدمعاش کو اس دولت کی خبر ہے۔ ظاہر ہے اسی وزیر سے یہ خبر اس تک پہنچی ہو گی۔ پھر میں نے کہا "اچھا یہ کہانی کروڑوں کی دولت والی تم نے بھی سن ہی لی؟"

رنگونی اچانک جھپٹا اور اس نے میری پنڈلی پر اپنے فوجی ٹائپ کے بوٹ سے ٹھوکر ماری "حرام زادے! مجھے چلانے کی کوشش کر رہا ہے؟"

میں نے کہا "رنگونی! یقین کرو۔ اس بات میں کوئی سچائی نہیں ہے کہ میں نے کہیں کوئی دولت چھپائی ہوئی ہے۔"

اس نے بے چینی سے اپنی ایک ہتھیلی پر دوسرے ہاتھ کا گھونسا مارا۔ "وہ تو شیر خان! ابھی معلوم ہو جائے گا کہ کس بات میں کتنی سچائی ہے۔" پھر اس نے دالان کی طرف منہ کر کے آواز لگائی۔ "کڑھاؤ چڑھا کے آگ جلا دو رے۔"

کڑھاؤ چڑھانے کا کہہ کے رنگونی دادا چلا گیا۔ وہی مرمت کی ہوئی رائفل والا گارڈ آ کے ہمارے سر پہ کھڑا ہو گیا۔ میں سمجھا تھا دادا دھمکی دے کے گیا ہے مگر جب اس کے گینڈے جیسے آدمی اور دوسرے کارندوں نے سڑک بنانے کو ڈامر پگھلانے والا ایک بڑا کڑھاؤ کاٹھ کباڑ سے نکال کر صحن میں ڈال دیا اور لکڑیاں لا لا کے ڈھیر کر دیں اور زمین کھود کے چولہا سا بنانے لگے تو کے کے اور میں سمجھ گئے کہ جو کہہ رہا ہے' کرے گا ضرور۔

آدھے گھنٹے میں نہ صرف کڑھاؤ چڑھا دیا گیا بلکہ اس کے نیچے دھڑا دھڑ جلتی آگ بھی اپنا خروش دکھانے لگی۔

کارندوں میں سے ایک گیا اور کڑھاؤ اور آگ کا انسپکشن کرانے رنگونی دادا کو بلا لایا۔

رنگونی دادا نے بھڑکتی ہوئی آگ دیکھی اور اپنے آدمیوں سے کہا "پہلے شیر خان کو کڑھاؤ میں بٹھا دینا' بعد میں اس لونڈے کو بٹھانا۔" یہ کہہ کر وہ مڑا اور جانے لگا۔ کے کے نے دہشت میں رونا' چیخ و پکار کرنا شروع کر دیا تو وہ جاتے جاتے رک گیا۔ اپنے آدمیوں سے کہنے لگا "ابے تم کو کتنی بار سمجھایا ہے کہ جبھی کسی کو کڑھاؤ میں بٹھاؤ تو اپنے کانوں میں روئی کی بتیاں بنا کے رکھ لیا کرو۔ سالو! تمہیں اچھا لگتا ہے کہ ایک انسان چیخ پکار کر رہا ہے اور تم سب کچھ سنتے جا رہے ہو۔ ٹس سے مس نہیں ہوتے بدمعاشو! سالو۔"

اس کی بات سن کے گینڈا یہ بڑبڑاتا ہوا گیا کہ پہلے بھی ان لوگوں کو بتایا تھا مگر سب کے سب کام چور ہیں۔ بھول جاتے ہیں حرامی۔ اب دیکھو میں لاتا ہوں کہیں سے روئی تلاش کر کے۔" گینڈا چلا گیا۔ رنگونی دادا پہلے ہی جا چکا تھا۔

کے کے نے رونا دھونا بند کیا اور گھگیا کے بولا "رنگونی دادا کو جو مانگتا ہے' دے دو۔ پیچھا چھڑاؤ اپنا اور میرا۔ بھگوان کے لیے مجھے کیوں مروا رہے ہو؟ میں تو تمہارے ساتھ اس لیے لگا چلا آیا تھا کہ تمہارے باپ کا پتا اٹھانے میں تمہاری مدد کرتا۔ اب تو وہ آ گئے ہیں۔ اس دادا سے کہہ کے میرا پیچھا چھڑواؤ۔ میں تمہارے کسی قصے میں نہیں ہوں۔ کیسی دولت' کس بات کے سفری چیک۔ میرے اوپر رحم کرو شیر خان۔ اس سے میرا تو کہہ دو....."

کے کے نے بہت گڑگڑا کر روتے ہوئے یہ درخواست کی تھی۔ یہ بات درست بھی تھی کہ اس بیچارے کو کیوں مرنے دیا جائے؟

میں نے شور مچا کے آواز دے کے رنگونی بدمعاش کو بلا لیا اور اسے بتا دیا کہ میرے کسی معاملے میں اس لڑکے کا ہاتھ نہیں ہے۔ یہ تو اللہ واسطے میری مدد کرنے آیا تھا۔ ویسے بھی زخمی ہے' اسے چھوڑ دو۔ میرے خلاف جو کرنا ہے کرو۔ میں نے کہا "رنگونی! مجھ سے بھی بلاوجہ الجھ رہے ہو۔ میرے پاس کوئی دولت' سفری چیک ویک کچھ نہیں ہے۔ ہاں ہفتہ بھر کی مہلت دو گے تو تین چار لاکھ میرے والد کہیں سے قرض مانگ کے کچھ کر کے یہاں رنگون میں ہی اکٹھا کر لیں گے۔ وہ لے کے ہمیں جانے دو۔ مالک تم پر رحم کرے گا۔"

وہ فلمی بدمعاشوں کے انداز میں ہنسا۔ کہنے لگا "مالک میرے معاملے میں نہیں بولتا' اسے پتا ہے میں بڑا حرامی ہوں۔ اس کی بھی نہیں سنوں گا تو پھر وہ کائے کو..... ہاہاہا۔ تو ایسا کر شیر خان اس میرے آدمی سے روئی لے کے خود اپنے کانوں میں بھی ٹھونس لے۔ تجھے تیرے اپنے چیخنے کی آواز بھی نہیں سنائی دے گی۔ اس طرح خود تجھے بھی پتا نہیں چلے گا کہ کوئی گڑبڑ ہو رہی ہے تیرے ساتھ۔ کیا سمجھا؟"

میں نے جاتے ہوئے رنگونی کو آواز دی "او سن تو۔"

وہ مڑا بھی نہیں' ویسے ہی انکار میں سر ہلاتا چلا گیا۔

تھوڑی دیر میں گینڈے جیسا آدمی آ گیا۔ وہ واقعی کچھ روئی اٹھا لایا تھا جو اپنے آدمیوں میں بانٹنے لگا۔ انہیں روئی کی بتیاں سی بنا کر کانوں میں ٹھونسنے کی تکنیک سمجھانے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

لگا۔

سب کے سب تیسرے درجے کے جلاد لگ رہے تھے۔ اپنے کام میں منہمک اور ان آدمیوں سے بے تعلق جنہیں شاید وہ آگ پر رکھے کڑھاؤ میں بڑی مستعدی سے بٹھادیں گے اور روکے رکھیں گے۔

تین چار منٹ بعد ان چھ سات آدمیوں نے ایک مضبوط لکڑی اٹھائی اور شکار کیے ہوئے ہرن یا نیل گائے کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کی ترکیب استعمال کرتے ہوئے پہلے مجھے پھر کے کے کو ڈنڈا ڈولی کر کے اس لکڑی میں پرو لیا۔ انہوں نے کیا یہ تھا کہ نائیلون کی ڈوری سے میری دونوں کلائیاں آپس میں باندھ دی تھیں۔ اسی طرح دونوں پیر ایک دوسرے سے باندھ کے مجھے پیٹھ کے بل زمین پر ڈال کے جڑے ہوئے ہاتھوں اور جڑے ہوئے پیروں کے بیچ وہ مضبوط ڈنڈا گزار لیا تھا۔ پھر ایک ایک سرے سے ایک ایک آدمی مجھے کندھے پر اٹھا کے کڑھاؤ کی طرف لے چلا تھا۔

میری اب تک کی ساری دلیری ہوا ہو گئی۔ میں نے چیخ چیخ کے کہرام سر پر اٹھا لیا۔ "ابے رکو۔ ٹھہرو۔ رنگونی کو بلاؤ۔ میں تیار ہوں۔ میں ہر چیز پے تیار ہوں۔"

وہ نہیں رکے۔ مجھے کڑھاؤ پر ڈالنے کے لیے اسی مستعدی سے بڑھتے رہے۔

وہ رکتے کیوں نہیں ہیں؟ بڑھے کیوں جا رہے ہیں؟ میری بات کیوں نہیں سنتے؟

مجھے ایک جھٹکے سے یاد آ گیا کہ ابھی ابھی تو ان سب نے اپنے کانوں میں پلگ لگا کے خود کو ہر قسم کی آواز سننے سے روک لیا ہے۔ چاہے جتنا چیختا شور مچاتا رہوں، وہ میری آواز نہیں سن پائیں گے۔

"مارے گئے۔" میں نے دل میں سوچا۔ میں اس بات کو اتنا ہلکا لے رہا تھا۔ ارے یہ تو کرائے کے قاتل ہیں۔ خالی خولی تو دھمکاتے ہیں، گلی محلے کے بدمعاش۔ یہ تو سرکاری مشینری تک سے ٹکرانے والے پختہ کار مجرم ہیں۔

"مارے گئے۔"

میں نے پوری طاقت سے رنگونی کو آواز دی "رنگونی دادا! بچاؤ! بچاؤ دادا بچاؤ۔"

کوئی فرق نہیں پڑا۔ وہ ڈنڈا ڈولی کیے ہوئے کڑھاؤ کے اتنے قریب پہنچ گئے کہ آگ کی لپٹ مجھے پوری طرح لگنے لگی۔ ایک لمحے بعد اور اگر مجھے اس طرح رکھا گیا تو شاید میرے کپڑے آگ پکڑ لیں گے۔

"رنگونی دادا۔ میں تیار ہوں۔ سب دولت لے لو دادا! بچاؤ۔ میں تیار ہوں۔"

اب میری آواز میں کے کے کی آواز بھی شامل ہو گئی تھی۔ وہ پاگلوں کی طرح میری سفارش کر رہا تھا اور رنگونی کو بتا رہا تھا کہ شیر خان ساری دولت تیرے حوالے کرنے کو تیار ہے۔ "دادا! یہ تیار ہے۔ اپنے آدمی کو روکو دادا!"

ایک لمحے بعد وہ میری ڈولی کو دھواں دیتے چٹختے کڑھاؤ میں رکھنے والے تھے کہ دالان کی طرف سے ایک ساتھ دو ہوائی فائر ہوئے۔ یہ ہوائی فائر ہی تھے اور بند کانوں والے بدمعاشوں کو متوجہ کرنے کے لیے کیے گئے تھے۔ وہ رک گئے۔

میں نے سر گھما کے دیکھا، رنگونی ہاتھ میں پستول لیے دالان میں کھڑا تھا اور ہاتھ ہلا ہلا کے اپنے آدمیوں کو اشارے کر رہا تھا کہ وہ مجھے واپس لے آئیں۔

وہ مڑے اور میری ڈانڈا ڈولی کو دالان کے پاس لا کر رنگونی دادا کے قدموں میں ڈال دیا۔

"ہاں بے؟ کیا بات ہے؟" دادا نے بیزاری سے سوال کیا۔

"سب لے لو۔ میں تیار ہوں مگر پہلے مجھے میرے بابا سے ملاؤ"

"ہاں!" دادا نے اب کے انگریزی فلموں کے بدمعاش کی طرح ایک "ہہ" یا "ہاہ" ماری اور کہنے لگا "یہ ملاؤ کیا ہوتا ہے بے؟"

میں نے پڑے پڑے کہا "میں پہلے اپنے بابا کو دیکھوں گا، پھر تمہیں اس دولت کے پاس لے کے جاؤں گا۔"

"دیکھے گا؟ ہاں؟ دیکھے گا باپ کو؟ چل ٹھیک ہے۔ دکھا دیں گے۔ ملانے ولانے کی غلط ہے۔ بس دکھا دیں گے۔"

رنگونی نے اپنے اسی گینڈے جیسے نائب کو اشارہ کیا کہ میرے ہاتھ پاؤں کھول کے مجھے اندر دالان میں مذاکرات کی میز پر لایا جائے۔

انہوں نے کھول دیا تو نائیلون کی ڈوری سے دوران خون رکنے کے سبب میری وہ حالت تھی کہ میں اٹھ کے بیٹھنا تو کجا زمین پر بیٹھے بیٹھے پر بھی نہیں پھیلا سکتا تھا۔

رنگونی نے گینڈے جیسے بدمعاش کو اشارہ کیا۔ اس نے مستعدی سے بڑھ کر میرے ٹخنوں اور کلائیوں کی مالش شروع کر دی۔

دو، تین منٹ بعد میں اتنا ہو گیا کہ سہارے سے کرسی پر بیٹھ گیا۔ رنگونی بولا "کہاں ہیں وہ تیرے سفری چیک؟"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

میں نے کہا "بودھ وہار میں۔"

"وہاں کس جگہ؟ کس کے پاس؟"

میں بوڑھے کی پوتی کوسومی کا نام نہیں لے سکتا تھا۔ میں نے کہا "دو بھکشو ہیں۔ مہاموگلان اور ساری پت نام کے میں نے وہار سے فرار ہوتے وقت اپنے سفری چیک اور پتھر....."

رنگونی نے میری بات کاٹی۔ "پتھر؟" اس کی آنکھیں نئے قمقموں کی طرح چمکنے لگی تھیں۔ "پتھر کون کون سے؟"

میں نے کہا "ڈائمنڈ اور روبی۔"

"ہاں ہاں بے ہیرے اور لعل' پر یہ آئے کہاں سے؟"

میں نے بگڑے لہجے میں کہا "کہاں سے بھی آئے' تجھے کیا۔ ہیرے زیادہ اچھے نہیں ہوتے۔ چھوٹے بھی ہیں مگر روبی ایسے ہیں کہ 'آدھوں بانٹ کرے گا تو اتنے ہو جائیں گے کہ تیری اگلی سات نسلیں بد معاشی چھوڑ دیں گی۔"

وہ گندے طریقے سے ہنسا۔ بولا "بد معاشی تو خیر کبھی کوئی ناں چھوڑے۔ ہاں یہ ہے کہ میرے بچے اچھی دارو پئیں گے اور عمروں کو پہنچ کے صاف ستھری عورتیں رکھیں گے۔ یہ نہیں کہ جسے گھاگھرے (اسکرٹ) میں دیکھا' ہاتھ پکڑ کے اندر لے گئے۔ بس اتنا ہو جائے کہ بمبئی سے فلم اسٹاریں ہفتے دس روز کے لیے جہاز کر کے آجایا کریں' بچوں کا جی خوش کرنے۔"

میں نے کہا "ایسے موقعوں پر ہم ماشاءاللہ کہتے ہیں۔"

کہنے لگا "کچھ بھی کہو۔ بات آگے بڑھاؤ۔ روبی میں آدھا بانٹ اور ہیروں میں آدھا بانٹ اور کیونکہ کیش تیرے کسی کام کا نہیں۔ وہ سب میں لے جاؤں گا۔"

"کیوں؟"

"ارے تجھے تیرے باوا کو ادھر رہنا نہیں ہے۔ پھر ادھر کا کیش اپنے پاس رکھ کے تم لوگ کیا کرو گے رے؟"

میں نے کہا "رنگونی دادا ایک تو تو بالکل جاہل' بے پڑھا لکھا ہے۔ دوسرے بار بار بھولتا بھی جاتا ہے۔ تجھے آدھے گھنٹے پہلے یاد تھا کہ میں نے سب دولت سفری چیکوں میں بدل لی ہے۔ جہاں جاؤں گا وہیں کی رقموں میں سفری چیک بدلا لوں گا۔"

وہ مان گیا۔ "ہاں بے ہاں۔ بھول گیا تھا۔"

"پھر کیا صلاح ہے؟"

بولا "میں بھول گیا تھا تو اس کا جرمانہ پڑے گا تیرے پہ۔ سب سفری چیکوں کے چار برابر حصے کرنا۔ تین حصے میرے' ایک تیرا۔"

"کیوں؟ تیرے کو کیا پریشانی ہے جو چار میں سے تین لے گا۔"

"میں تجھے ابھی کڑھاؤ میں پھنکوا سکتا ہوں' اس لیے چار میں سے تین لوں گا۔"

"ہاں یہ صحیح ہے تو پھنکوا دے' پھر تجھے سفری چیکوں کا پتا اپنی اماں سے جا کے پوچھنا پڑے گا۔"

وہ بولا "میری ماں کا نام نہیں لے شیر خان! وہ ناچ گا کے.....اور دوسری طرح گزارا کرتی تھی۔"

میں نے کہا "جو بھی ہے میں اس میں آدھا بانٹ کروں گا۔"

کہنے لگا "اچھا سب کے تین حصے کرو۔ دو میرے ایک تیرا۔ اب تو خوش؟"

میں نے کہا "سن! سب کے پچاس حصے کر۔ ایک تیرا' ایک تیری ماں کا اور ایک اس کے یار گانے سننے والوں کا۔ باقی کے سینتالیس میرے۔ جان ان سالوں کو بلا کے لا مجھے ڈنڈے سے بند ھوا اور کڑھاؤ میں ڈال دے..... تیری تو۔"

رنگونی کے منہ سے اب رال بہنا شروع ہو گئی تھی۔ اس نے ایک بار آستین سے ہونٹ صاف کیے اور کہا "اچھا آدھے تیرے' آدھے میرے۔"

میں نے جھٹ ہاتھ بڑھا کے اس حرام زادے سے مصافحہ کر لیا۔ "چل پھر بابا سے میری بات کرا دے۔"

میری بات سمجھنے میں اسے کچھ دیر لگی۔ آخر کار بات سمجھ کر اس نے دھیرے دھیرے انکار میں سر ہلایا۔ "بات وات نہیں کراؤں گا۔ تجھے دکھا دوں گا۔ تو دیکھ لینا کہ وہی ہے تیرا باپ' وہی بڈھا ہے۔ کوئی فراڈ نہیں۔"

میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "سن او ٹکیا' چور' حرام زادے! اب اگر تو نے میرے والد کا نام لیتے ہوئے تمیز سے بات نہ کی تو وہ روبی اور ڈائمنڈ اور تیرے حرام کے آدھا بانٹ سفری چیک سب دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔ پھر مار دینا مجھے مگر میں تجھے دولت کے قریب تک نہیں جانے دوں گا۔ میں بنگش ہوں' اپنے بڑے کی عزت کراؤں گا۔ ہر ایک سے تجھ ایسے کیڑے مکوڑے سے بھی عزت کراؤں گا یا پھر جان دے دوں گا۔ سمجھا سالے دادا؟"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اسے اتنی گالیاں' منہ در منہ کبھی نہیں پڑی ہوں گی۔ وہ آنکھیں پھاڑ کر مجھے دیکھتا رہا۔

کہنے لگا "بڑا حرام کا جنا' کتا ہے رے تو۔ چل تیرے بنگش صاحب کو اب کچھ نہیں بولوں گا۔ ویسے ابھی تک میں نے بڑا خیال رکھا ہے اس..... ان کا آدمی ٹیڑھا ہوں۔ پر اتنا جانتا ہوں کہ مکھن پہ روٹی کس سائیڈ پہ لگی ہوئی ہے۔"

میں نے کہا "یہ تو تجھے پتا ہے ہاں مکھن پہ یاد آیا۔ کوئی کہہ رہا تھا تو نے اپنے اصلی باپ کو ٹارچر کر کے مار دیا تھا۔ وہ پیسے نہیں دیتا تھا تجھے جیب خرچی کے۔"

اس نے برا سا منہ بنایا۔ "دیکھ یہ ٹھیک نہیں ہے۔ جب میں تیرے بڈھے..... مطلب والد صاحب کو کچھ نہیں بول رہا تو تو میرے باوا کو کیوں بولتا ہے۔ ویسے بھی وہ ٹارچر سے نہیں مرا تھا' ایکسیڈنٹ میں گزر گیا تھا۔ زیادہ پی لی تھی اور کسی کی نظر نہیں پڑی۔ وہ ایئرپورٹ کی طرف نکل گیا۔ رن وے پر ان سالوں نے اسی ٹیم ایک جہاز چھوڑ دیا۔ ابے کو کیا خبر کیا شک ہوا' وہ سمجھا کہ نہیں سمجھا۔ جہاز کی لائٹ دیکھ کے اپنی ڈانگ (لاٹھی) لہراتا گالیاں نکالتا دوڑا جہاز کی طرف۔ بس آخری آواز جو ایئرپورٹ سکیورٹی کی گاڑی میں بیٹھے اسٹاف نے سنی' وہ ابے کی گالیوں کی آواز تھی۔ ہا ہہ! دنیا میں کسی نے ہمیشہ نہیں رہنا شیر خان! سب نے ایک روز چلے جانا ہے۔"

میں نے کہا "میں سفری چیک دکھانے سے پہلے اپنے بابا کو دیکھوں گا۔ ابھی۔"

کہنے لگا۔ "ابھی لو۔ کوئی دیر ہی نہیں لگتی۔" پھر اس نے اپنے گینڈے اسسٹنٹ کو پکارا "سن بے..... او۔"

گینڈا مستعدی سے آ کھڑا ہوا تو کہنے لگا۔ "برابر کے کمرے میں جو بڑے میاں ہیں ناں' وہی جس نے بھیڑ کی کھال کی چمکدار رومی ٹوپی اوڑھ رکھی ہے کالے رنگ کی۔ ان بڑے میاں کا بڈ اس دیوار کے ساتھ لگا ہے۔ تو بڈ کو اس دیوار کے ساتھ لگا دے۔ ہم لوگ روشن دان میں سے بڑے میاں کو دیکھیں گے۔ سمجھ گیا؟"

گینڈے نے کہا "اچھا مطلب؟ اس کے ساتھ نہیں' اس دیوار کے ساتھ لگانا ہے؟" رنگونی نے ہاں میں سر ہلایا۔ گینڈا چلا گیا۔

بابا کے پاس دو قراقلی ٹوپیاں تھیں۔ ایک چوکلیٹی رنگ کی' ایک بالکل سیاہ۔ غنڈے نے سیاہ قراقلی کو رومی ٹوپی کہا تھا۔ قیدی جو برابر کے کمرے میں ہے' بابا ہی ہیں۔ میرا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد گینڈے نے آ کے رنگونی کی طرف دیکھا۔ "ہاں" میں سر ہلایا۔

رنگونی نے مجھے سامنے کی دیوار کے برابر کھڑا کر دیا۔ ایک میز روشن دان کے برابر کھینچ کے مجھے اشارہ کیا کہ جا شیشے میں سے اندر دیکھ۔

میں نائیلون کی رسیوں سے باندھا گیا تھا۔ جلدی جلدی میز پر چڑھنے کی کوشش میں لڑھک گیا۔ چوٹ بھی کھا گیا مگر لشتم پشتم چڑھنے میں کامیاب ہو گیا۔ دونوں ہاتھوں سے دیوار تھام کے میں نے بند روشن دان کے شیشے سے چہرہ لگا دیا۔

اندر جھانکا۔ اندر صاف ستھرے بستر پر صاف ستھرے کپڑوں میں میرے بابا صمد بنگش صاحب لیٹے تھے۔ ان کا چہرہ میری طرف تھا۔

ان کا ہمیشہ کی طرح صحت مند' سرخ و سپید چہرہ اگرچہ اس وقت کجلایا ہوا لگا۔ رنگت بھی کچھ زردی مائل ہو رہی تھی مگر میں نے تیزی سے جائزہ لیا' وہ زخمی نہیں تھے۔

میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ بابا اسی شان سے بستر پر لیٹے ہوئے تھے جس طرح ہمیشہ اپنی ٹیک کی کارونگ والی مسہری پر لیٹا کرتے تھے۔

میں نہ معلوم کتنی دیر کھڑا ان کا چہرہ تکتا رہتا مگر ادھر انہوں نے کروٹ لی' ادھر رنگونی نے میری پنڈلی پر دستک سی دی اور کہا "چل بھئی اب اتر۔ کام کی بات کریں۔"

میں اتر آیا۔ پہلا سوال میں نے اس غنڈے سے کیا' وہ بابا کی صحت کے بارے میں تھا۔"

کہنے لگا "صحیح ہیں۔ کھانا کم کھا رہے ہیں۔ میں نے ان کے غسل' وضو کے لیے گرم پانی کا کہہ دیا ہے۔ ذبح کا گوشت جو تم لوگ کھاتے ہو' وہ تو ملتا نہیں۔ انڈے دودھ پہ اور جو بھی پھل پکڑائی آ جائیں' ان پہ ہم نے تیرے بڑے..... مطلب بڑے صاحب کو رکھا ہوا ہے۔ چل گاڑی میں بیٹھ۔ ہم فوراً بودھ وہار کی طرف چل پڑیں گے۔"

میں نے کہا "نہیں۔ ایسے نہیں۔ پہلے مجھے بتاؤ تمہارے پاس کس قسم کی کیسی گاڑیاں ہیں؟"

وہ بولا "جیپ ہے جو تو نے مجھے تحفے میں دی ہے۔ پی ڈبلیو ڈی کا ایک کھلا ٹرک ہے۔ دودھ لے جانے والی ایک گاڑی ہے جس کی ٹھنڈا کرنے والی مشینری کام نہیں کر رہی۔"

"اور؟"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کہنے لگا "اور کیا؟ تو کہے تو کسی منسٹر سالے کی جھنڈا لگی کار اڑا لائیں؟ ہاہاہا۔"

میں نے کہا "بکومت۔ سنو ایک ایمبولینس چاہیے۔ ایمبولینس میں میرے بابا جائیں گے۔ باہر کی سیٹ پر ڈرائیور کے پاس ہم دونوں سکڑ سمٹ کے بیٹھ جائیں گے۔"

پہلے تو وہ ناں ناں کرتا رہا۔ مجھ سے کہتا رہا کہ تجھے میں کھلی جگہ میں نہیں بٹھا سکتا۔ سب کی نظر پڑے گی' پھر ہو سکتا ہے تو بھاگنے کی کوشش کرے مگر جب میں نے کہا کہ تو خود میرے برابر بیٹھا ہو گا' بھاگوں گا کیسے؟ اپنے باپ کو چھوڑ کے نہیں جا سکتا۔ رہا نظر پڑنے کا سوال تو میں ویسے ہی اسپتال کے وارڈ بوائے کے کپڑوں میں ہوں تو کہے تو منہ پر گاز کا ڈھاٹا اور باندھ لوں جو آپریشن تھیٹر میں ناک منہ ڈھکنے کے لیے عملہ اور ڈاکٹر باندھتے ہیں۔ وہ راضی ہو گیا۔

سب سے پہلے میں نے کہا' اس لڑکے کے کو چھوڑ دو۔ رنگونی بولا "اسے ہم آزاد کر کے جیپ میں بٹھا لیتے ہیں۔ شہر میں تو نہیں چھوڑیں گے۔ اسے کسی ایسی جگہ اتار دیں گے جہاں یہ ہمارے لیے کوئی گڑبڑ نہیں بنائے۔ حکومت والوں کو جا کے ہماری باتیں نہ بتا دے۔ پھر وہ ہنس کے بولا "تم کہو تو اس کی زبان کاٹ کے ابھی یہیں آزاد کر دیں۔ زبان کاٹنے میں یہ سہولت ہے کہ پھر یہ بلاوجہ کی بکواس نہیں کر سکے گا۔"

میں نے کہا "رنگونی تو جتنی دیر بکواس کرے گا' تیرا آدھوں آدھ حصہ اتنی دیر تجھ سے دور رہے گا۔ ابے اپنے لیے بچوں کے لیے نہیں تو صرف مال کی خاطر ہی ذرا سی سنجیدگی اختیار کر لے۔ کیوں ٹائم خراب کرتا ہے؟"

دوپہر ہونے والی تھی۔ جب سائرن بجاتی ہوئی ایک ایمبولینس کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ وہ تو میں نے چیخ پکار کر کے ان بدمعاشوں سے کہہ سن کے سائرن بند کرایا' نہیں تو وہ ساری خلقت کو کمپاؤنڈ میں جمع کر لیتے۔

خیر بابا کو آرام سے ایمبولینس میں پہنچا دیا گیا۔ آگے ڈرائیور کے پاس رنگونی کے ساتھ میں بیٹھا۔ رنگونی اور ڈرائیور دونوں پوری طرح مسلح تھے۔ آگے آگے ان حد سنگھ والی جیپ چل رہی تھی۔ جیپ پہ گینڈا اور دوسرے گرگے سوار تھے۔ ظاہر ہے وہ پوری طرح ہتھیار بند ہوں گے۔ اگرچہ ان کے ہتھیار سرسری طور پر دیکھنے والوں کو نظر نہیں آتے تھے۔ گرگوں اور گینڈے کے بیچ کے بیٹھا تھا جو صورت ہی سے خوش مگن دکھائی دیتا تھا۔

ہم دو گھنٹے میں اس جگہ سے نکل کے بڑی سڑک پر آ گئے۔ گرگوں اور گینڈے

وغیرہ نے فوج کی کمانڈو ٹائپ وردیاں پہن رکھی تھیں۔ ایمبولینس پر بھی کوئی فوجی نشان سا لگا ہوا تھا۔ سرسری دیکھنے والا یہ سمجھتا کہ فوجی مشقوں کے سلسلے میں دو گاڑیاں ہیں۔ کوئی بندہ زخمی ہو گیا ہے تو اسے لے کے جا رہی ہیں۔

رات ہوتے ہوتے ہماری دونوں گاڑیاں شاہراہ کے اس حصے میں پہنچ گئی تھیں جو ہندوستان کے علاقے امپھال کے قریب سے گزرتا ہے۔ مجھے یاد تھا کہ امپھال میں کوسومی کے دادا جی کا قبیلہ پڑاؤ ڈالے ہو گا۔ اگر برما سے کسی دوسری جگہ جانے کے لیے کوئی کوشش کرے تو اسے امپھال شہر کو یاد رکھنا چاہیے جو ہندوستانی علاقے میں برمی' سلہٹی اور آسامی نسل کے خانہ بدوشوں کا بہت بڑا تیرتھ ہے۔

میں نے رات کے کھانے میں بکری کے دودھ سے بنا ہوا پنیر اور ایک سیب کھایا تھا۔ بابا کو بھی ان بدمعاشوں نے اندر کچھ پہنچوا دیا تھا۔

انہیں ابھی بالکل اندھیرے میں رکھا گیا تھا۔ میرے بابا کو خبر نہیں تھی کہ ایمبولینس گاڑی میں آگے کون بیٹھا ہے اور گاڑی کہاں جا رہی ہے۔ ایمبولینس کو آوازوں تک سے مقفل کر کے رکھا گیا تھا۔

خیر امپھال کی سرحد بائیں ہاتھ پر کہیں گیارہ بارہ میل دور ہو گی۔ یہی ان ملکوں کا قریب ترین فاصلہ تھا۔ اس وقت میں نے رنگونی دادا سے کہا کہ میں پیشاب کرنے اتروں گا۔ رنگونی شام سے شراب پیتا ہوا آیا تھا۔ اس کا ڈرائیور اور جیپ چلانے والا غنڈا ہوش میں تھے۔ اس کے دوسرے لوگوں کو بھی ایسا ہی کچھ سرسری سا اندازہ تھا کہ وہ کہاں سے گزر رہے ہیں۔

میں نے کہا "میں جھاڑی میں جانا چاہتا ہوں' گاڑی روک لو۔"

دادا بولا "جھاڑی میں کائے کو جائے گا' ارے ادھر ہی سے....."

میں نے کہا "تو اپنے مرے ہوئے باپ کی طرح نشے میں ہے اور بلاوجہ کی باتیں کر رہا ہے۔"

رنگونی نے کہا "میرے باپ سالے کا نام مت لو۔ وہ ایکسیڈنٹ میں....."

ڈرائیور نے گاڑی روک دی۔ میں اپنے لباس کے بٹن ٹٹولتا ہوا اترا اور سڑک کے برابر جھاڑی میں اتر گیا۔

جھاڑی کی اوٹ لے کر میں ہاتھوں کے بل فرش زمین پر جھکا اور میں نے آخری بار اپنے بابا کے لیے ایک آخری مرتبہ۔ قطعی طور پر آخری بار خود کو شیر بن

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

جانے کا حکم دیا۔ میری نظریں اپنے پنجوں پر تھیں۔ میرے حکم کے ساتھ ہی ہاتھوں کے پنجے چوڑے ہوئے اور وہ سنہری رنگ کے ہو گئے اور سنہری پر سیاہ شیر دھاریاں لہرا گئیں۔ خاص اسٹیل کے چاقوؤں جیسے پانچ اور پانچ دس حربے میری بند مٹھیوں سے نکل کر کچی مٹی میں کتنے ہی انچ اتر گئے۔ میں نے تن کر سر اٹھایا اور بنگشوں کی پوری شان اور شکوہ سے دہاڑ ماری۔

یہ رائل بنگال ٹائیگر کی آواز تھی۔ غصے اور آزادی اور طے شدہ جنگ کے چیلنج کی آواز۔ میں نے دہاڑ ماری اور خود کو دکھاتا' جست کرتا پہلے جیپ پر آیا۔ جیپ کے اگلے پہیوں کو اپنے شیر پنجوں سے ادھیڑتا میں دوبارہ جھاڑیوں میں اتر گیا۔

پہلا فائر رنگونی نے کیا تھا۔ اس کا ڈرائیور اور وہ تیزی سے اپنا (بقول کسے) گولہ بارود۔ پھونک رہے تھے۔ ان کا نشانہ وہ جھاڑیاں تھیں جن میں سے کبھی کبھی میں سر ابھار کر اپنا جلوہ دکھا دیتا تھا اور جن میں مسلسل اپنی آواز کے نشانات چھوڑتا پھر رہا تھا۔ تکنیک وہی پرانی تھی کہ پتھر کی اوٹ سے آواز سن کر میں درختوں کے تنوں' چٹانوں کی آڑ لیتا بالکل ہی نئی جگہ پہنچتا اور وہاں سے دہاڑ مار کر ان بد معاشوں کے فائر کو اس آواز کی طرف ڈائریکٹ کر دیتا۔ کوئی بتیس منٹ ان کمینوں نے جنگل کے اس حصے کو جو پھیل کر فرلانگ بھر کا قطعہ بن گیا تھا' چھلنی کر ڈالا۔

آخری گولی جیپ سے چلائی گئی۔ پھر انہوں نے گالیاں بکتے ہوئے سب شیشے چڑھا لیے۔ اب وقت تھا کہ جھاڑیوں میں آنکھ مچولی کھیلنے والا رائل بنگال ٹائیگر اندھیرے اور سناٹے میں کھڑی گاڑیوں کی طرف آئے۔

میں نے جیپ والوں کا جائزہ لیا۔ کے کے بے ہوش ہو چکا تھا۔

ایمبولینس کا ڈرائیور اور رنگونی دادا شیشہ بند کیے باہر ٹہلتے شیر کو گھونسا دکھا دکھا کر دھت دھت کہہ رہے تھے۔

میں نے پنجے کی ایک ضرب سے ایمبولینس کی کیبن کے شیشے توڑ دیے۔ رنگونی کا نشہ ہرن ہو چکا تھا۔ وہ سیٹ کے نیچے گھسنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے سر کی ٹکر سے اسے کیبن سے نیچے گرا دیا۔ ڈرائیور کے اوسان درست تھے۔ وہ ہو ہو کر کے بھاگا اور جنگل میں دور تک بھاگتا چلا گیا۔

گاڑی سے سڑک پر گرا ہوا رنگونی۔ کیں کیں کیں جیسی آواز نکال رہا تھا جو عام طور پر بہت چھوٹے پلے خوف کے عالم میں نکالا کرتے ہیں۔

میں نے زبردست دھاڑ ماری اور پنجا کھول کے ایک چھچلتا ہوا سا وار اس کے اونی کوٹ کی آستین پر کیا۔ آستین میرے پنجوں میں لگی لگی نکل آئی۔

رنگونی زخمی نہیں ہوا' بے ہوش ہو گیا۔ بے ہوشی میں بھی وہ منہ سے کیں کیں کیں کی پلا آواز نکال رہا تھا۔

میں نے مڑ کے جیپ کی طرف دیکھا۔ جیپ بالکل خالی تھی۔

اب وقت ہے' میں نے سوچا اور جھاڑی میں اتر گیا۔ میں نے خود کو شیر علی بنگش بن جانے کا حکم دیا اور آسائش کی سانس لے کر میں زمین سے اٹھ کھڑا ہوا۔

میں قطعی طور پر اور آخری بار شیر سے انسان بن چکا تھا۔ خدا حافظ جانور۔ خدا حافظ دوست۔ میں نے دھیرے دھیرے سے کسی کو مخاطب کیا اور جھاڑی سے باہر آ گیا۔

ایمبولینس کے پاس دو جستوں میں' مگر نہیں میں تو دوڑتا اور اپنے بابا کو پکارتا ہوا گیا تھا۔ میں پہنچا ایمبولینس کی چابیاں بے ہوش رنگونی دادا کی جیب میں پڑی تھیں۔ گاڑی کی چابی اسی طرح لگی تھی جس طرح ڈرائیور چھوڑ کر بھاگا تھا۔ میں نے ڈرائیور سیٹ پر بیٹھ کر گاڑی اسٹارٹ کی اور سڑک پر پڑے بے ہوش رنگونی کو بچاتا ہوا گاڑی کا رخ امپھال کی طرف کر دیا۔ گیارہ میل دور کوسومی کے قبیلے والے اور شاید خود کوسومی امپھال کے میلے میں موجود ہوں گے۔

میں نے اندر کی آہٹ لی۔ میرے باپ صمد خان بنگش صاحب زور زور سے عربی میں ایک دعا پڑھ رہے تھے۔ مجھے معلوم تھا' یہ ردبلا کی دعا ہے۔ خدا نے ہمارا سن لی تھی۔ ہمیں بہت بڑی بلا سے بچا کر یکجا کر دیا تھا۔

ختم شد

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk